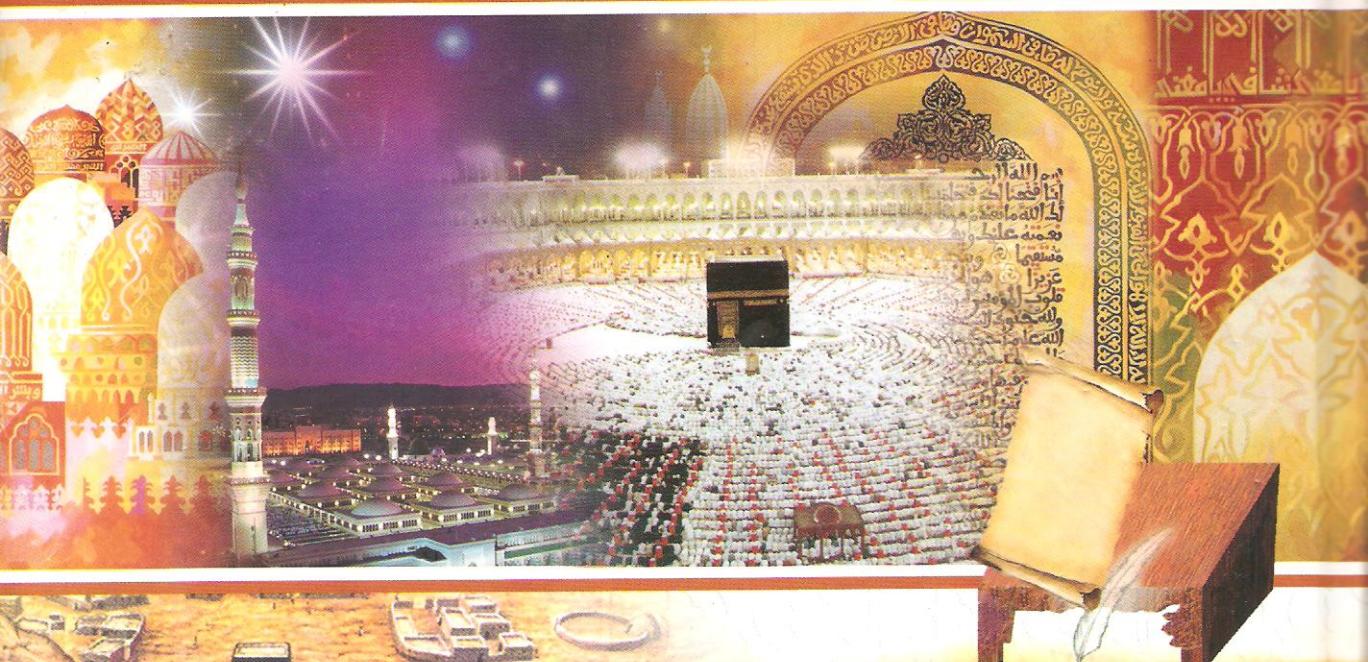




تاریخ ابن کثیر

البدایہ والنہیا

حصہ
اول - دوم



نفس اکرم دیوبندی

علام حفظہ ابو الفداء عباد الدین ابن کثیر مشقی

سازمان اسناد و کتابخانه ملی

ابوالفدا حافظ ابن کثیر دمشقی

وَذَكْرُهُمْ بِاِيَّنِمَا اللَّهُ اَنَّ فِي ذَلِكَ لَا يَتِي لِكُلِّ صَبَارٍ شَكُورٍ



3

شہرہ آفاق عربی کتاب

البِدْرُ أَيَّتِ الْنَّهَايَةُ

کاردو ترجمہ

جلد اول

ز میں آسمان کی تخلیق اور سیدنا آدم ﷺ کے تذکرے سے شروع ہوا ہے۔ اس میں عرش و کرسی اور جنات و ملائکہ کے تذکرے سے لے کر حضرت الیاس ﷺ تک کے واقعات شامل ہیں۔

تصنیف * علامہ حافظ ابو الفند اعماد الدین ابن کثیر (۷۲۰-۷۴۵)

ترجمہ * پروفیسر کوک شادافی فاضل ادب (عربی)

ایم اے (فارسی) ایم اے (انگریزی) ایم اے (اسلامیات) ایم اے (تاریخ اسلام)

سابق پروفیسر ڈی کالج (اندھور) فرمون کالج (پونا) افغانستان کالج (بینی)

نقیس آیس دیمی

اردو بازار، کراچی طبعی

الْبِدَايَةُ وَالنَّهَايَةُ

مصنفہ علامہ حافظ ابوالقدر عما الدین ابن کثیر کے حصہ سوم، چہارم کے اردو ترجمے کے جملہ
حقوق اشاعت و طباعت، صحیح و ترتیب و تحریر قانونی بحق

طارق اقبال گاہندری

مالک نقیس اکیدیجی کراچی محفوظ ہیں

نام کتاب	نام کتاب
مصنف	مصنف
ترجمہ	ترجمہ
ناشر	ناشر
طبع اول	طبع اول
ایڈیشن	ایڈیشن
ضخامت	ضخامت
ٹیلیفون	ٹیلیفون

فهرست عنوانات

نمبر شمار	عنوان	صفحہ	نمبر شمار	عنوان	صفحہ
۱	استساب	۷	۹۷	فصل: ۱ تفصیل ملائکہ	۱۵
۲	عرض ناشر	۸			
۳	حافظ ابن کثیر کا عذر یہ انظیر کارنامہ	۱۱	۱۰۳	فصل: ۲ تفصیل ملائکہ	۱۶
۴	مصنف کے حالات و کوائف حیات	۳۱			
۵	آغاز کتاب	۳۲	۱۰۶	باب ۱ ذکر تخلیق جنات و قصہ شیطان	۱۷
۶	خلق و خلق	۳۶		باب ۲	
۷	قصات عرش	۳۸	۱۲۵	فصل: ۱ تخلیق آدم علیہ السلام	۱۸
۸	ارض و سماوات کی تخلیق اور ان کی درمیانی اشیاء کا ذکر، بحاظ تاریخ و نصوص قرآنی و احادیث و تفاسیر	۴۰	۱۳۱	شجر منوع سے پھل کھانے کی پہلی جنت میں آدم و حوا علیہما السلام کا لباس	۱۹
۹	زمین کے سات طبقات کا ذکر	۵۹	۱۳۲	زمین پر آدم و حوا علیہما السلام کے مقامات نزول	۲۱
۱۰	سمندرا اور دریا	۶۲	۱۳۳	آدم و حوتی علیہما السلام کے مابین بحث	۲۲
۱۱	مظاہر قدرت	۶۸	۱۳۶	تخلیق آدم علیہ السلام پر احادیث نبوی کا ذکر	۲۳
۱۲	تاریخ سماوات اور ان میں موجودات سے متعلق (مزید) آیات قرآنی کا ذکر	۷۲	۱۳۸	آدم کے بیٹوں قابل وہاں کا ذکر	۲۴
۱۳	محرہ اور توس تزوح کا ذکر	۷۹	۱۳۹	حضرت آدم علیہ السلام کی وفات اور اپنے بیٹے شیش کو اُن کی وصیت	۲۵
۱۴	تخلیق ملائکہ علیہ السلام اور ان کے اوصاف	۸۲	۱۴۰	ادریس علیہ السلام کا ذکر	۲۶
۱۵			۱۴۱	باب ۳	
۱۶			۱۴۲	فصل: ۱	
۱۷			۱۴۳	قصہ نوح علیہ السلام	۲۷
۱۸			۱۴۴	مستدبروں کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی سیرت	۲۸
۱۹			۱۴۵	حضرت نوح علیہ السلام کا روزہ	۲۹
۲۰			۱۴۶	حضرت نوح علیہ السلام کے حج کا ذکر	۳۰
۲۱			۱۴۷	حضرت نوح علیہ السلام کی اپنے بیٹے کو وصیت	۳۱
۲۲			۱۴۸	باب ۴	
۲۳			۱۴۹	تاریخ سماوات اور ان میں موجودات سے متعلق (مزید) آیات قرآنی کا ذکر	۷۲
۲۴			۱۵۰	محرہ اور توس تزوح کا ذکر	۷۹
۲۵			۱۵۱	باب ۵	
۲۶			۱۵۲	قصہ ہود علیہ السلام	۳۲
۲۷			۱۵۳	تو مثود کے نبی حضرت صالح علیہ السلام کا قصہ	۳۳

۱۹۹	قصہ قوم لیس جو اصحاب القریہ اور اصحاب تیکن تھے	۵۴		غزوہ تبوک کے سال آنحضرت ﷺ کا وادی جبر	34
۲۰۱	قصہ یونس ﷺ	۵۵	۱۵۸	سے گزر	
۲۰۳	یونس کے فضائل	۵۶		باب ۱۰	
۲۰۴	قصہ موسیٰ اکرم ﷺ	۵۷	۱۵۹	قصہ ابراہیم خلیل اللہ ﷺ	35
۱۱	او صاف ابراہیم کے بارے میں روایات	۵۸		حضرت ابراہیم کا ان ملاحدہ سے جو اللہ تعالیٰ کی	36
	حضرت ابراہیم ﷺ کی وفات کا ذکر اور ان کی عمر	۵۹		ربویت کے مکر تھے خصوصاً نزدست جسے خدائی	
۱۱	کے بارے میں مختلف روایات		۱۶۲	کا دعویٰ تھا مناظرہ	
۱۱	اولاً ابراہیم کا تذکرہ	۶۰	۱۶۵	حضرت ابراہیم کے بطن سے اسماعیل کی ولادت	37
۲۱۳	فرعون و جنود فرعون کی ہلاکت	۶۱		حضرت ابراہیم کی اپنی بیوی اور بیٹے اسماعیل کے	38
۲۱۵	فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل کا احوال	۶۲		ساتھ کے کے پہاڑ فاران کی طرف تجہیز اور	
	بنی اسرائیل کا التیہ میں داخلہ اور وہاں ان کے لیے	۶۳	۱۶۷	دہاں ان کے بیت العین تعمیر کرنے کا ذکر	
۲۱۸	امور عجیبہ کا ذکر		۱۶۸	قصہ نوح	39
	موسیٰ ﷺ کی غیبت میں بنی اسرائیل کی بچڑا	۶۴	۱۷۰	ذکر مولہ اسحاق ﷺ	40
۲۲۰	پوچھنے کی راستان		۱۷۱	بیت العین کی بنیاد اور تعمیر کا ذکر	41
۲۲۱	ابن حبان کی روایت کردہ حدیث نبوی	۶۵	۱۷۲	جنت میں قصر ابراہیم کا ذکر	42
۲۲۲	بقرہ بنی اسرائیل کی تفصیل	۶۶	۱۷۲	او صاف ابراہیم کے بارے میں روایات	43
۲۲۳	قصہ موسیٰ و خضر علیہ السلام	۶۷		حضرت ابراہیم ﷺ کی وفات کا ذکر اور ان کی عمر	44
۲۲۵	حدیث فتوں	۶۸	۱۷۳	کے بارے میں مختلف روایات	
۲۲۶	ذکر بناء قبة الزمان	۶۹	۱۷۶	اولاً ابراہیم کا تذکرہ	45
۲۲۷	حضرت موسیٰ ﷺ کے ساتھ قارون کا قصہ	۷۰	۱۷۷	مدین قوم شعیب کا قصہ	46
۲۲۸	حضرت موسیٰ کی سیرت و فضائل اور وفات کا ذکر	۷۱		باب ۱۱	
۲۳۱	موسیٰ ﷺ کے حج بیت العین کا ذکر	۷۲	۱۷۹	ذریت ابراہیم کا ذکر	47
۲۳۱	حضرت موسیٰ ﷺ کا ذکر	۷۳	۱۷۹	ذکر اسماعیل ﷺ	48
	یوشع علیہ السلام کی نبوت اور موسیٰ و ہارون	۷۴	۱۸۱	ذکر الحنفی علیہ السلام	49
	علیہما السلام کے بعد سبائے بنی اسرائیل میں ان		۱۸۲	یعقوب کے بیٹے اسرائیل کی زندگی میں امور عجیبہ کا ذکر	50
۲۳۳	کے قیام کا ذکر			باب ۱۲	
۲۳۵	حضرت الیاس علیہ السلام کے قصے	۷۵	۱۹۲	قصہ ایوب علیہ السلام	51
۲۳۵	قصہ خضر علیہ السلام	۷۶	۱۹۶	قصہ ذی الکفل	52
۲۳۷	قصہ الیاس علیہ السلام	۷۷		باب ۱۳	
	☆☆☆☆☆☆☆		۱۹۷	بلاک ہونے والی اموتوں کا ذکر	53

اپنے والد مرحوم

اقبال سلیم گاہندری کے نام

جن کی تربیت نے مجھے اسلامیات کے مطالعے کی ترغیب دلاتی
اور مسلمانان عالم کی تاریخ کی طرف راغب کیا۔ یہ ان کی تربیت
ہی کا نتیجہ ہے کہ میں ان کے مشن کو پورا کرتے ہوئے ان کے
چھوٹے ہوئے کام کی تکمیل کر رہا ہوں۔

طارق اقبال گاہندری

عرض ناشر

اسلام نے جہاں مختلف علوم و فنون کی ترویج کی اور ان کی ترقی میں نمایاں کردار ادا کیا، وہاں یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس نے علم الرجال کی بنیاد ڈالی، روایت اور اس کے بیان کرنے والوں کے حالات و کوائف کی چھان بین کی اس طرح کسی واقعہ کے درست یا نادرست ہونے کا تبیجہ نکالا۔ اس پر کام کیا، اس پر تنقیدی روشنی ڈالی، سیرت، سوانح اور تذکرہ نگاری کے مستند اصول وضع کیے اور اس طرح کہ اس کے احتساب و انتقاد سے معمولی سے معمولی واقعہ بھی نہیں فتح سکا۔ اس اصول کی جو بھی تحریر پابندی کرتی تھی، وہ سوانح کا روشن باب کھلاتی، تاریخ بھی گئی۔ اس طرح عربوں میں مستند تاریخ نویسی اور تذکرہ نگاری کا آغاز ہوا۔

عربی میں جتنی بھی تاریخیں لکھی گئی ہیں ان سب میں مذکورہ طریقہ کا اور اصول کو برقرار رکھا گیا اور اس کی پوری طرح پابندی کی گئی چنانچہ تمام معلوم تاریخوں میں یہی التزام نمایاں طور پر دکھائی دیتا ہے اور پڑتے چلتا ہے کہ عرب مورخوں اور تذکرہ نگاری نے واقعات بیان کرنے میں تحقیق و دریافت کے کن و شوار گزر راستوں کو طے کیا۔ کن غور و فکر کی پریق و ادیوں کی سیاحت کی اور بعض واقعات کی چھان بین میں دور و راز علاقوں کے سفر کیے۔ روز و شب کی سختیاں اور موسوں کی نامساعد کیشیاں برداشت کیں۔

تاریخ عربوں کی سب سے زیادہ مؤثر اور طاقت و رقت تھی۔ اس معاملے میں کوئی بھی ان کا حریف اور مقابل نہیں تھا۔ مغربی اقوام نے ان ہی سے تاریخ نویسی کا سبق سیکھا ہے ورنہ ان کی تاریخ میں قصہ کہانیوں اور ماورائی اور ما فوق الفطرت و استانوں کے علاوہ کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ عقلی خود پرستی اور ان کے اس قدر شکار تھے کہ ان کو اپنے حکمرانوں کے علاوہ دنیا میں کوئی بھی بہتر نہیں دکھائی دیتا تھا۔ اگر عرب تاریخ نویس اپنے عنان قلم کو جنہیں نہ دیتے، ان کی کاؤشیں منظر عام پر نہ آتیں تو تاریخ کا مزاج کچھ اور ہی ہوتا۔ یہ واقعہ ہے کہ عربوں نے تاریخ سے اپنی تہذیب اپنے کلچر اور اپنی اقدار کو زندہ رکھا، اور دنیا سے روشناس کرایا۔ جس تہذیب جس کلچر اور جن اقدار کو ابتلاء زمانہ نے بھلا دیا، جو حقیقتیں طاق نسیاں پر دھری رہ گئیں، تاریخ نے ان کو دوبارہ زندہ کیا ان کے قندر وہ میں نتی جان ڈالی، ان کے قالب میں ہیئتگی کا صور پھونکا۔ ان کوئی روئیدگی عطا کی، اس طرح لوگوں کو اپنے تاریخی سرمایہ پر فخر کرنے کا موقع عطا کیا۔

اگر آپ عربی تاریخوں کا مطالعہ کریں گے تو آپ کو صاف طور پر یہ بات معلوم ہو گی کہ عرب مورخوں نے اپنی تاریخوں میں تسلیل زمانی کا برابر خیال رکھا ہے۔ ان کی ہر تاریخ آدم ﷺ کے ذکر سے شروع ہوتی ہے اور پھر واقعات اور بیانات کا سلسلہ ان واقعات تک پہنچتا ہے جن میں ان کا لکھنے والا سانس لے رہا ہے، ان تاریخوں میں اقدار، روایات اور تصورات بھی ایک ہوتے ہیں ان کے کردار بھی ایک ہوتے ہیں، کہیں کہیں جزوی اختلاف ضرور ملتا ہے لیکن وہ ایسا نہیں کہ اس کے پڑھنے سے کسی کو ان مقاصد تحریر کے بارے میں کسی قسم کا شک و شبہ پیدا ہو۔

عربوں نے تاریخ نگاری کو اس قدر عام کیا تھا کہ ہر دو اور زمانے اور ہر علاقے کی تاریخ ملتی ہے۔ ابتداء میں تاریخ کا دائرہ

بہت مخدود تھا عربوں نے ابتداء میں ظہور اسلام اور سیرت نبی کریم کو اپنا فکری اور تحقیقی موضوع بنایا اور اس سلسلہ میں وہ تمام مستند ذرائع اور مأخذ استعمال کیے جن پر ان کو مکمل یقین اور اعتقاد تھا کہ وہ درست ہیں اس سلسلہ میں سیرت نبوی پر لکھی جانے والی سب سے پہلی کتاب سیرت الحاق ہے۔ الحاق کوئی اولیٰ حاصل ہے کہ اس نے سیرت نبی کریم ﷺ کو نہیں رکھ کر ہشام نے سیرت النبی ﷺ کو نہیں رکھی، تمام تر کتاب الحاق کی سیرت سے مستعار ہے لیکن سیرت الحاق تک لوگوں کی رسائی ممکن نہیں تھی، اس کے طبق تاریخوں میں درج کرتا تھا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ الحاق نے تحقیق کا حق ادا کر دیا ہے۔ اس کو سامنے رکھ کر ہشام نے سیرت النبی ﷺ کو نہیں رکھی، تھے دریافت نہیں ہوتے تھے اور پہنچنیں چلتا تھا کہ وہ کہاں ہے چنانچہ سیرت ہشام ہی کو سب سے زیادہ مستند اور معتبر مانا گیا۔

ان دو بنیادی اہم اور اولیٰ سوانح کے علاوہ اس موضوع کے تعلق سے کئی کتابیں لکھی گئیں۔ اور پھر رفتہ رفتہ اسلام کی اشاعت اور تبلیغ کے ساتھ اس کے موضوعات میں اضافہ ہوا پھر مسلمانوں نے مختلف ممالک میں قبضہ کرنے کے بعد اس امر کی ضرورت محسوس کی کہ اپنے کارنا موں کو تاریخ میں محفوظ رکھا جائے چنانچہ تاریخ نویسی کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہو گیا۔

اگرچہ عربوں نے بے شمار تاریخیں لکھیں تذکرے لکھے۔ اس میں تاریخ و اقدی بھی ہے جس کو معاذی رسول ﷺ کا نام دیا گیا ہے اس میں فتوح مصر، فتوح شام اور فتوح ایران کی تفصیل موجود ہے اور اس قدر تفصیل کے ساتھ کہ کسی اور دوسری تاریخ میں نہیں ملتی ہے لیکن بعد کے آنے والوں نے بعض قرآن کی بناء پر اس پر کلی اعتنادیں کیا کیونکہ وہ ان اصولوں پر پورا نہیں اترتی تھی جن کو تاریخ نویسی کا جزو و عظم سمجھا جاتا ہے اس تاریخ میں مصنف کا اندراز تحریر یوں ہے جیسے وہ ہر مرکہ میں عینی شاہد تھا اور ہر شخص کے افعال اور کردار پر نظر رکھے ہوئے تھا، یہ ممکن نہیں تھا۔ اس لیے اس کو بہت سے لوگ حوالے کے طور پر استعمال نہیں کرتے تھے لیکن اس تاریخ نے دوسرے تاریخ نویسوں میں یہ احساس پیدا کر دیا کہ وہ اپنی دائرہ تحقیق دریافت آگے بڑھا میں چنانچہ اس کے بعد ممالک اسلامیہ اور اس کے خلافاء اور حکمرانوں کی تاریخیں لکھی جانے لگیں۔

ان تاریخوں میں سب سے اہم نام ابن خلدون کا ہے۔ ابن خلدون کی اہمیت اس تاریخ سے نہیں ہے بلکہ اس کے مقدمہ تاریخ سے ہے اس مقدمہ میں جو بہت تھیم ہے اور دو جلدوں پر تھیم ہے۔ اس نے تحقیق دریافت کے اصول تعمین کیے۔ اس پر بحث کی، غلط اور صحیح روایت کی شناخت کا طریقہ بتایا۔ تاریخ کو کیا ہونا چاہیے، اس پر بھر پور روشنی ڈالی، چنانچہ پہلی بار اس کے ذریعہ علم تاریخ سامنے آیا۔ اس مقدمہ کی روشنی میں اس نے عہد جاہلیت سے لے کر اپنے دور تک کے حالات اور واقعات کی تفصیل لکھی، مختلف ممالک کے مسلم حکمرانوں کے کارنا موں کا ذکر کیا، ان کی حکومت، عدالت، شجاعت اور سماوات کی تفصیل بتائی اور ان سب چیزوں کو اس کی تاریخ کی کئی جلدیوں میں پڑھ کر یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ وہ فلسفہ تاریخ کا بانی بھی ہے اور جدید تاریخ نویسی کا موسس بھی۔

ابن خلدون کے ساتھ ہی مسعودی کا بھی ذکر آتا ہے۔ مسعودی کی تاریخ چار جلدیوں پر مشتمل ہے اس نے بھی اپنے دور تک کے حالات لکھے ہیں اور بڑا حصہ رسول کریم ﷺ کے حالات و واقعات کے لیے تھیں کیا، اس کے بعد اس نے خلفاء راشدین اور ان کی خلافتوں کا حال لکھا ہے پھر امویوں کے حالات پر روشنی ڈالی، اس طرح اس کی تاریخ سے مسلمانوں کے حکمران کے کئی ادوار سامنے آتے ہیں۔ ابن خلدون اور مسعودی کے ساتھ ابن کثیر کا نام بھی ذہن میں آتا ہے اس کی شخصیت کی خانوں میں بھی

ہوئی تھی، ایک طرف وہ زبردست مفسر تھا تو دوسری طرف جید عالم، اس سے ہٹ کر اس کی شخصیت کا ایک نمایاں رخ اس کو تاریخ گار کی حیثیت سے سامنے لاتا تھا۔ اس کی تاریخ البدایہ والنہایہ جو تاریخ ابن کثیر بھی کہلاتی ہے ۱۶ جلدیں پر مشتمل ہے یہ ۱۶ جلدیں مختصر نہیں، مفصل ہیں اس کی وجہ سے اس کی ضخامت میں اضافہ ہی نہیں ہوا بلکہ یہ بھی پتا چلا کہ اس نے تاریخ مoward کو جمع اور فراہم کرنے میں کتنی محنت برداشت کی ہو گئی کتنی جانفشنی سے کام بیا ہو گا۔

ابن کثیر کی یہ تاریخ بھی دوسری تاریخوں کی طرح ابتدائی آفرینش سے شروع ہوتی ہے اور اس کے بعد انبیاء اور مسلمین کے حالات سامنے آتے ہیں یہ کتنی لحاظ سے اہم ہیں اس سے پہلے جو تاریخیں لکھی گئی ہیں یا اس کے بعد جن تاریخوں کو دریافت کیا گیا ہے۔ ان میں یہ تمام واقعات اساطیری ادب سے لیے گئے ہیں یا ان کو اسرائیلی روایتوں پر اتفاقاً کرتے ہوئے آگے بڑھایا گیا۔ یہ اسرائیلی روایات ان کتابوں میں عام طور پر ملتی ہیں جن کو قصص الانبیاء کے نام سے متعدد غیر معروف لکھنے والوں کے نام سے روشناس کرایا گیا۔ اس کے بعد ایں کثیر نے اپنا تمام مoward قرآن ہی سے لیا ہے اور یہ اس کے ایمان اور یقین کی مضبوطی کی دلیل ہے کہ اس نے اس سلسلے میں اس الہامی کتاب کو سامنے رکھا ہے۔ اس طرح اس کتاب میں تمام و کمال وہ واقعات ملے ہیں جو قرآن میں موجود ہیں اس کو قصص الانبیاء بھی کہا جا سکتا ہے لیکن یہ اس قد رصح اور مستند ہے کہ اس کا مقابلہ کوئی دوسری کتاب نہیں کر سکتی۔

تاریخ ابن کثیر آفرینش دنیا سے لے کر عراق و بغداد میں تاریخوں کے حملوں تک وسیع اور عریض زمانے کا احاطہ کرتی ہے اور غالباً اس سے پہلی تاریخ ہے جس میں ہزاروں لاکھوں سال کی روز و شب کی گردشوں، کروڑوں، انقلابوں اور حکومتوں کو محفوظ کیا گیا ہے۔ اس زمانہ میں مسلمانوں کی جتنی بھی تاریخیں لکھی گئی ہیں۔ ان میں سے بہت سوں میں تاریخ ابن کثیر کا حوالہ دیا گیا ہے، یہ تاریخ اردو میں موجود نہیں تھی، اس کے پرانے ایڈیشن ضرور ملے تھے لیکن عربی میں اور ان کا پڑھنا اور پھر پڑھ کر سمجھنا بے حد مشکل تھا۔ اس سلسلہ میں ہمارے پڑھنے والے اس کے ترجمہ کی اشاعت کی طرف ہماری توجہ مبذول کراتے رہے، اس تاریخ کی اشاعت بادی النظر میں آسان نہیں تھی۔ اس کی چودہ جلدیں کوکوئی سرکاری ادارہ ہی چھاپ سکتا تھا۔ لیکن سرکاری ادارے اہم، غیر اہم، معیاری اور غیر معیاری کتابیں چھاپتے ہیں۔ ایسی کتابوں کی اشاعت پر توجہ نہیں دیتے ہیں جو ان کے قیام کے مقصد سے اتعلق رکھتی ہو۔ جب ہم نے اس کی چودہ جلدیں دیکھیں اور ان کی ضخامت کا اندازہ کیا تو ہمیں یہ کام بے حد مشکل لگا۔ سب سے مشکل مرحلہ اس کے ترجمہ کا تھا۔ ہم نے کتنی ماہرین سے مشورہ کیا۔ سب ہی اس کی اشاعت پر زور دیتے رہے لیکن کسی نے بھی یہ نہیں بتایا کہ ان کا ترجمہ کون کرے گا۔ قارئین کے اصرار کو دیکھتے ہوئے ہم نے یہ فیصلہ کیا کہ کسی نہ کسی طرح اس کی اشاعت ہو۔ اس سے پہلے ہم نے این خلدوں کا مقدمہ اور اس کی تاریخ کی تمام جلدیں شائع کی تھیں۔ مسعودی کی مکمل تاریخ کو چھاپا تھا۔ اس کے چھاپنے کی طرف بھی توجہ دی تاکہ ہمیں یہ سعادت ملے کہ ہم نے برصغیر میں پہلی مرتبہ تاریخ اسلام سے متعلق تمام امہات الکتب کو اردو میں منتقل کر دا کر اپنے پڑھنے والوں کے سامنے پیش کیا۔ ان ضخیم جلدیں کا ترجمہ آسان نہیں تھا، لیکن بعض مخلص اور محنت لوگ ہمیں ایسے مل گئے جنہوں نے دن رات اس کا ترجمہ کیا اور دو تین سال کے دوران ہماری منزل آسان کر دی اور ہم اس قبل ہو سکے کہ ایک ساتھ اس کی دو جلدیں آپ کے سامنے پیش کر سکیں۔ یہ جلدیں آپ کے سامنے ہیں۔

طارق اقبال گاہندری

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

تاریخ

لور

البدایہ والنہایہ

حافظ ابن کثیر کا عدیم الغیر کارنامہ:

نسیس اکادمی نے حیدر آباد کن سے کراچی تک جو سفر کیا ہے، اس سے عظیم پاک و ہند کے اہل شعور خوب واقف ہیں۔ اس ادارے نے بالخصوص تاریخی لٹریچر کی اشاعت میں بڑا موثق اور نمایاں کردار ادا کیا ہے اور تاریخ کے حوالہ سے امہات الکتب کے تراجم کا اہتمام کر کے ان کی طباعت کا وہ فرض انجام دیا جس کی مثال نہیں ملتی۔

حافظ ابن کثیر رض محدث کی معرفتہ الاراء تاریخی کتاب "البدایہ والنہایہ" ابتدائے آفرینش سے ان کے دور تک کا نہایت مستند اور جامع تاریخی روز نامچہ ہے لیکن اب تک اس سے اردو داں حضرات حرموم تھے۔

اپنی اس تحریر میں احضر تین نکات پر گفتگو کرے گا:

(ال) : تاریخ نویسی آغاز و ارتقاء

(ب) : حافظ ابن کثیر کی سوانح

(ج) : البدایہ والنہایہ موضوع اور نہایت

تاریخ نویسی آغاز و ارتقاء:

پہلے نکتہ پر مختصر گفتگو اس لیے ضروری ہے کہ جس عظیم فن کی ایک نہایت معتمد کتاب کا ترجمہ قارئین کے مطالعہ میں آ رہا ہے، اس فن سے انہیں آگاہی حاصل ہو جائے اور اندازہ ہو جائے کہ فن کتنا ہم ہے۔

قرآن کریم جو اللہ تعالیٰ کی آخری وحی ہے، اس کا ایک حصہ ایسا ہے جس میں ماضی کے وقائع اور قصص کا ذکر کیا گیا ہے۔ ان میں حضرات انبیاء صلی اللہ علیہ وسلم، ان کی قوموں، مختلف حکمرانوں اور تہذیبوں کا ذکر ہے۔ گواں کا انداز بیان مروجہ تاریخ کی طرح ایک مریوط کہانی کا نہیں، تاہم تذکیر و نصیحت جو قرآن عظیم کا اصلی مقصد ہے۔ کے حوالہ سے کہیں اجمال اور کہیں تفصیل سے اس کا یہ پہلو اجاگر ہوتا گیا ہے۔

مختلف زبانوں کے اہل علم نے قرآن کریم کے اس پہلو پر علمی سرمایہ فراہم کیا ہے اور دو میں دو کتابیں اس سلسلے میں بڑی اہم ہیں۔ ایک مولا نا محمد حفظ الرحمٰن سیوط حاروی مہر ۱۹۱ کی ”قصص القرآن“ دوسری مولا ناسید سیمان ندوی مہر ۱۹۱ کی ”ارض القرآن“۔

قرآن کریم جو جملہ علوم و فنون کا سرچشمہ ہے اس کے انہی بیانات سے فن تاریخ کی بنیاد پر ہی اور پھر مسلمان قوم نے اپنی معارف پروری کے سبب سے ایک لازوال فن بناؤالا۔

”تاریخ“ پر گفتگو کرتے ہوئے ”اردو دائرہ معارف اسلامیہ“ (پنجاب یونیورسٹی لاہور) کے فاضل مقالہ نگار کہتے ہیں کہ:

”اس لفظ سے عام طور پر مراد ہے قوموں کے عام و قائم کا بیان حولیات یعنی وقائع کا بیان بدترتیب سالیانہ شرح و قائم
ہے ترتیب تاریخی۔“ (ج ۲۶ ص ۳۶)

اسی مقالہ میں ”تاریخ“ پر گفتگو کرتے ہوئے دوسری بات یہ کہی گئی کہ:

”کسی عصر خاص کی ابتداء کی تعین، حساب از مان، خواوٹ کے وقت کی دقیق تعین،“ (ج ۲۶ ص ۳۷)
اس لفظ کا بنیادی مادہ ”و۔ر۔خ.“ سے مشتق ہے اور یہ سامی زبانوں میں مشترک ہے۔

المیروفی اور الخوارزمی کے یہاں ایک روایت آئی ہے کہ یہ کلمہ فارسی لفظ ”ما روز“ کا مغرب ہے لیکن ٹائی الذکر نے اس کو رد بھی کیا ہے۔ (الاغار الباقيہ ص ۲۹، مفتاح العلوم ص ۲۹)

علم التاریخ جو آج ایک فن کے طور پر ہمارے سامنے موجود ہے وہ ادبیات کی ایک ایسی اصطلاح ہے جس میں سالنامے اور سیر دونوں شامل ہیں۔ اہل علم نے عربی فارسی تاریخ نگاری کے لحاظ بہ لحظہ حالات، اس کے ادوار متعین کیے ہیں۔ اور اس پر تفصیلی گفتگو کی ہے۔

اس تفصیل کے مطابق عربی تاریخ نگاری کی ابتداء کیسے اور کیونکر ہوئی؟ ابھی تک قطعی طور پر اس سلسلے میں رائے قائم نہیں ہو سکی۔ زمانہ جاہلیت کی زبان زد عوام روایات تنہیں اصطلاح میں ”اساطیر“ کہا جاتا ہے (مخالفین اسلام نے وحی کے لیے یہی لفظ استعمال کیا اور اس طرح گویا اسے معاذ اللہ تعالیٰ بے وقت بنانے کی کوشش کی) ان سے جو سفر شروع ہوتا ہے اس سے لے کر دوسری صدی ہجری تک کے علی سرمایہ کے درمیان ایک ایسی خلیج حائل ہے جسے اب تک پر نہیں کیا جاسکا۔

زمانہ حال کے مصنفوں کا یہ نظر یہ کہ اس ارتفاقی مرحلہ میں فارسی کتاب ”شاہ نامہ“ کا اثر پڑا، دل لگتی بات نہیں، ہاں اس کا غالب گمان ضرور ہے کہ مختلف النوع تاریخی اور نیم تاریخی نگارشات کے دھارے جب اختلاط و آمیزش کے مرحلے میں داخل ہوئے تو اس سے عربی تاریخ نگاری نے ایک خاص رُخ اختیار کیا۔

زمانہ جاہلیت کے تاریخی آثار کے سلسلہ میں سوائے دھند لے نقش کے اور پچھنہیں ملتا، قدیم عرب اپنی مشکل پندرہ طبیعت کے پیش نظر ایک خاص انداز سے زندگی گزارنے کے عادی تھے اور تاریخی حص اس انداز سے ان میں رہتی۔ اس کے باوجود ”داستہ بائے دور دراز“ کی ایک دنیا موجود ہے۔ ایسی ہی داستانوں کو ”دہب بن منبه“ اور ”عبد بن شریعت“ نے مدون کیا اور

بہر حال ان کا اپنا ایک مقام ہے اور انہیں ایک درجہ پذیرائی حاصل ہوئی۔ بعد کے مورخین نے انہی واقعات کو اپنی تصانیف میں شامل کیا۔ وہب بن منبه کی ”کتاب استیجان“ سے بھری تک نے جا بجا استفادہ کیا۔ ابن خلدون نے (ج اص ۱۳: ۲۳) میں اس کی بعض روایات پر نقد بھی کیا ہے لیکن روایات کے اخذ میں انہوں نے بھی بجل سے کام نہیں لیا اور جہاں ان کے اپنے اصولوں کے مطابق استفادہ ممکن ہوا انہوں نے استفادہ کیا۔ پھر چونکہ دنیاۓ عرب قبائل پر مشتمل تھی اور مختلف قبیلوں کا اپنا مزارج تھا اس لیے یہاں قبائلی روایات کا بھی ایک لائقاً سلسلہ تھا۔ یہ روایات نظم و نثر کی شکل میں موجود تھیں اور بہر حال ان کا معاملہ ایسا تھا کہ ان کو کام میں لا یا جاتا اور ان سے مطالب اخذ کیے جاتے، بعد میں یہی قبائلی روایات قبائلی تاریخ میں تبدیل ہو گئیں اور ان میں بہت حد تک صداقت کی روح نظر آنے لگی اسلام نے اخلاق عالیہ کا جو سبق پڑھایا اس کے نتیجے میں ان فوشنتوں میں صداقت شعراً ایک بھر کر آگئی گو کہ قبائل کی خصوصیت اپنی جگہ رہیں اور اس میں حرج بھی نہ تھا۔ حضور اکرم ﷺ نے فرمایا تھا:

”کہ جا بلیت میں تم میں سے جو کسی خاص حوالہ سے شہرت و عزت رکھتے تھے ان کا جو ہر اسلام میں بھی جوں کا توں رہے گا اور اس پر اثر نہ پڑے گا۔“

انہی قبائلی روایات کی وجہ سے نسب تحفظ رکھنے کا رواج تھا اور اس معاملہ میں بڑے بڑے جلیل المرتبت صحابہ ؓ کو امتیازی مقام حاصل تھا۔ اور ”علم الانساب“ نے ایک مستقل فن کی شکل اختیار کر لی۔

تاریخ کا سفر اسی طرح جاری تھا کہ دوسری صدی ہجری آپنی اس کا ابتدائی دور ایسا تھا کہ مملکت اسلامیہ میں بنو امیہ بلاشرکت غیرے حکمران تھے۔ ان کی معارف پروری اور علمی خدمات کا دور دور تک شہر تھا، مخصوص سیاسی حالات نے ان کی طرف عجیب و غریب روایات منسوب کر دی ہیں، تاہم ان کی علمی خدمات ایسی ہیں کہ ان کے متعلق دور اسیں ممکن نہیں، ماضی قریب کے معروف رہنماء آغا خان کا بنو امیہ سے فکری اختلاف معروف مسلم ہے لیکن انہوں نے بھی اس کا اعتراف کیا اور بنو امیہ کے دور کو شاندار علمی دور قرار دیا۔ شعر و خن کے قدیم ذخیروں میں سے خاص طور پر وہ حصہ جو پچھلے مجموعوں میں سے باقی رہ گیا تھا، اسے اس دور میں استعمال میں آیا گیا اور علم تاریخ کی شاندار خدمات سرانجام دیں۔^۱

اس دور کے معروف مورخین ابو عبیدہ (ولادت ۱۰۹ھ وفات ۲۰۹ھ) نے لگ بھگ دوسو سائل اس فن کے حوالہ سے لکھے۔ ان رسائل میں سے آج اپنی اصل شکل میں ایک بھی موجود نہ ہوئی اپنی جگہ ہے، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ بعد کے مجموعوں میں اس کا مزاد بہت بی و افر مقدار میں نظر آتا ہے۔

¹ مورخ مسعودی نے ”مرؤج الذهب“ میں خاندان بنو امیہ کے گوہر شب چراغ سیدنا امیر معاویہ بن ابی سفیانؑ کے تاریخ کے سلسلہ میں اہتمام و احسان پر گفتگو کرتے ہوئے کہا ہے کہ رات کا ایک تہائی حصہ وہ اس سلسلہ میں خرق کرتے۔ ایک مستقل طبقہ تھا جن کے ذمہ دی کام تھا اور وہ بڑے کھلے ماحول میں عرب و عجم کے وقائع اور احوال کی کیفیات بڑی تگ دودے مرتب کرتے اور حضرت الامیر ذاتی طور پر ان کی سرپرستی کرتے اور مدون شدہ حصہ کا بائزہ لیتے۔ مسعودی کے بقول یہ اہتمام محض اپنے قبیلہ کے نقطہ نظر سے نہ تھا بلکہ وسیع تاظر میں اس کا اہتمام کیا گیا۔ (منقول از مقدمہ سیرت ابن اسحاق از ذاکر محمد بن الحسن صاحب علی)

اسی طرح بشام بن محمد الکھی (م ۲۰۴ھ / ۸۱۹ء) نے اس سلسلہ کو آگے بڑھایا اور اس فن کی ابو عبیدہ سے زیادہ بہتر خدمت کی "مُوكَ حِيرَةٌ" کے گروں اور دوسرے عمارت کے پھردوں کو عربی میں ترجمہ کر کے اس نے استعمال کیا۔

اُدھر اسی دور میں آنحضرت ﷺ کی سیرت پر تحریری کام کی ابتداء ہوئی جس کا اصل معنی و مأخذ احادیث بنا یہ تحسیں۔ وسیع ناظر میں یہ "علم التاریخ" کا ایک حصہ تھا اور اس دور میں اس کے لیے "مخازیٰ" کی اصطلاح استعمال ہوتی تھی۔ اس نسبت سے جو نام بہت شہرت پذیر ہے وہ حضرت عودۃ بن الزیر رضی اللہ عنہ (م ۵۳ھ) کا ہے جو ام المؤمنین سیدنا عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کے حقیقی بھائی تھے اور انہیں پہلا سیرت نگار ہونے کا شرف حاصل ہے۔ ان کی روایات سیرت کو حال ہی میں ایک ہندی عالم دکتور محمد مصطفیٰ العظیمی استاد جامعہ ریاض السعودیہ نے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔

سیرت و مخازیٰ رسول کے ضمن میں محمد بن شہاب الزہری (حضرت عمر بن عبد العزیز رضی اللہ عنہ کے حکم سے احادیث کی جمع و تدوین کرنے والے بزرگ) کا نام بھی بڑا معروف ہے اور پھر آئندہ چل کر "سیرت محمد ابن اٹھن" جیسی کتاب، الزہری کی روایات ہی کی بنیاد پر مرتب کی گئی، جس کا کتب سیرت میں ایک خاص مقام ہے۔ اس دور میں تاریخ کا کام بہت پھیل گیا اور اس فن نے بڑی ترقی کر لی چکا نچہ ابن اٹھن ہی کی کتاب الخلفاء و اقدی (م ۲۰۷ھ / ۸۲۳ء) کی مخازیٰ کے علاوہ دوسری کتب اسی دور کی یادگار ہیں واقدی کی اس فن میں جو حیثیت ہے اس کا اندازہ اس سے ممکن ہے کہ تاریخ کی اہمیت اکتب میں سے ایک یعنی "طبقات ابن سعد" (ابن سعد و اقدی کے کاتب بھی تھے) کا بنیادی مowa و اقدی ہی کا ہے سیرت رسول کے ساتھ سیرت صحابہ بالخصوص خلافت اور اس کے تعلقات کے ضمن میں بھی اس دور میں خلافتی احکامات اور مخطوطات کی بنیاد پر لکھنے کا رواج ہوا۔ یہ جہاں مسلمانوں کی حکومتی تاریخ تھی وہاں ان کا اجتماعی کردار بھی اس سے سامنے آیا اور بعض اہم شخصیات کی سیرت شخصی سے بھی ایک دنیا متعارف ہوئی اس سلسلے میں سیدنا علی رضی اللہ عنہ اور سیدنا معاویہ رضی اللہ عنہ کے دور کے اختلافات کے حوالہ سے بھی تاریخی مواد میں آیا جیسے ابوحنف (م ۱۵۷ھ) کی روایت، جسے بشام الکھی نے جمع کیا، اہل کوفہ کے حق میں اور اہل شام کے خلاف ہے جب کہ کلبی کی روایات جو عوافیہ بن الحکم (م ۱۲۷ھ) نے پیش کی وہ اس کے بر عکس ہے۔

تیسرا صدی ہجری شروع ہوئی تو ایک طرف کاغذ ایجاد ہو گیا دوسری طرف تہذیب و تمدن کا معیار بہت بڑھ گیا (کاغذ کا پہلا کارخانہ بغداد میں ۷۸ھ میں قائم ہوا) اس صورت حال نے ادب و تاریخ کے ہر شعبہ پر کہرے اثرات مرتب کیے وہ قدیم ترین مخطوطات جو آج ہمارا سرمایہ ہیں وہ اسی زمانہ کی یادگار ہیں۔ تاہم اس دور میں شخصی روایات (منہ زبانی اور سیدنا بینہ روایات) کا سلسلہ ختم نہیں ہوا بلکہ اس صدی کے آخر تک بڑی شدود مکے ساتھ جاری رہا۔

علی بن محمد المدائی بصری (م ۲۲۵ھ) سے منسوب ۲۳۰، رسائل سے کچھ تو ابو عبیدہ کے اصلاح شدہ ہیں کچھ اس کے کتابت کردہ اور کچھ اس کی زبانی روایات پر مشتمل ہیں جو اس کے شاگردوں نے مرتب کیے۔ ان رسائل سے اہم ترین چیز اس کی تاریخ خلافت ہے یا محض دوسری کتب جنہیں دہستان مدینہ کے اصول تقدیم کے مطابق اس نے مہذب و مرتب کیا۔

انسانیکلوپیڈیا آف اسلام (جامعہ پنجاب) کے مقالہ نگار کے بقول:

”بعض علماء نے اخباری حضرات کی مخالفت ضرور کی لیکن امت میں تاریخ کا شعور پیدا ہو گیا اس شعور کے پس منظر میں قرآنی تاریخی دلائل، وسیع سلسلہ فتوحات کے سبب پیدا ہونے والا فخر اور عرب قبائل کی رقبات نے بڑا موثر کردار ادا کیا۔“ (ج ۲ ص ۵۲)

تاریخ کے مطالعہ کا ایک اہم سبب یہ بھی ہے کہ اہل سنت کے بقول الہی نظام کا دوام واستمرار امت الہی سے وابستہ ہے اس لیے امت کی تاریخ گویا ایک لازمی دینی چیز ہے جاتی ہے جس سے اہل اسلام کو مفرنجیں اس لیے اس شعور و ادراک کے بعد تاریخ نویسی، اسلامی تہذیب و تمدن کا جزو لا نیفک بن کر رہ گئی۔ جب یہ صورت حال پیدا ہو گئی تو پھر ہر اس جگہ تاریخ کا چرچا ہوا جہاں اسلام کے قدم پہنچنے مذہب مفتوحہ ممالک کا صالح مواد لے کر اسے روح اسلام سے مشرف کیا گیا تو افریقہ جیسے بخوبی ملائی علاقے بھی اس سے محروم نہ رہے۔

تیسرا صدی کے وسط سے وسیع معنی میں تاریخی تالیفات کا سلسلہ شروع ہوا جس میں مفروضات اور مختلف النوع روایات کی چھان پھٹک کر کے ایک مریبوط تاریخ مرتب کرنے کی سعی کی گئی۔

اس سلسلہ میں اویلیت کا شرف احمد بن تیجی البلاذری کو حاصل ہے (م ۸۹۲/۵۲۹ھ) البلاذری المدائی اور ابن سعد دونوں کا شاگرد ہے، اس کی کتابوں میں جہاں اس کے اساتذہ کے اثرات نہیاں ہیں وہاں اس کے اپنے دور کے تقدیمی مذاق کی بھی نشاندہی ہوتی ہے۔

ان کتابوں میں مقدمہ کے طور پر ابتدائی آفرینش سے آخر تک دنیا کے بڑے چھوٹے واقعات خلاصہ کے طور پر پیش کیے گئے ہیں، یہ تصور ابن الحنف کے یہاں ابتدائی درجہ میں موجود تھا لیکن اس کے بعد اس میں توسعہ ہو گئی اور اب پورے اہتمام سے اس فن کو لکھا گیا۔

اہل اسلام کو اپنے ابتدائی ادوار میں اسرائیلی روایات اور ایرانی روایات سے بھی سابقہ پڑا، اس قسم کی روایات نے خالص دینی ادب مثلاً تفسیر وغیرہ کے پردنے میں بھی اپنا رنگ جھانا چاہا لیکن مسلمان اہل علم کا ذوق نقد و حرج ایسا نہ تھا کہ یہ بات ان کے اعصاب پر سوار ہو کر ان کے سرمایہ علمی کو اس طرح خلط ملطا کر دیتی کہ صحیح و غلط کی تیزی ختم ہو جاتی۔

اس روایے سے ایک نیا فکری عصر تاریخ پر حملہ آور ضرور ہوا لیکن جیسا کہ عرض کیا گیا کہ مسلمان اس مرحلہ سے بڑی خوش اسلوبی سے گزر گئے گو کہ بعض موقع پر اختلاط نے کچھ اثر دکھایا لیکن بنیادی طور پر مسلمان اس معاملہ میں بڑے حساس تھے اور خلط و باطل روایات آسانی سے ان کے حلق سے نیچے نہ اترتی تھیں، اگر بھی ایسا ہو بھی گیا اور کسی مولف کے قلم نے لغزش و خطا کا مظاہرہ کیا بھی تو اس کے ہم عصر یا قریب العهد لوگوں نے اس کی اصلاح کا سامان فراہم کر دیا۔

محمد بن جریر الطبری (م ۹۲۳/۴۰۱ھ) کی کتاب تاریخ کا ایرانی عصر والا حصہ نکال کر نہایت ہی قابل قدر ہے اور وہ مختلف النوع تلبیات سے پاک ہے۔ اس کا اصل سبب یہ تھا کہ الطبری سب سے پہلے محدث تھے انہوں نے اپنی تفسیری کا دش کی طرح تاریخ میں بھی اس کا اہتمام کیا کہ مسلمان قوم کی اعلیٰ روایات کی پاسبانی و پاسداری ہو سکے۔

تیسرا اور چھٹی صدی کا درمیانی دور تاریخی کتب کی بے حد کثرت کا دور تھا، اس دور کی خصوصیات مختصر آئیں ہیں:

- ① سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ اس دور میں متفاہی روایات جمع کرنے کا عام رواج ہو گیا تاکہ آئندہ کام کرنے والوں کے سامنے ایک دستی و سمعی مادہ موجود ہو۔
 - ② مفصل اسناد جو محمد شاہ طرز و طریق تھا اس کے بجائے اب محل اسناد پر اکتفا کیا گیا اور سلسل واقعات کی تصویرشی کی گئی جیسے روز نامچہ یا سالنامہ ہوتا ہے۔
 - ③ اس دور میں جعل سازیوں کا طوفان بھی اٹھا جس سے معین سیاسی اغراض یا دینوی مقاصد کو پورا کرنا مطلوب تھا۔ لیکن انداز ایسا ہے کہ اصل نقل اور صحیح و غلط میں امتیاز آسانی سے ممکن ہے۔
 - ④ اس دور میں سیاسی تاریخ نویسی سے ارباب حدیث نے ہاتھ کھینچ لیا اور اب اس نے شاہی خاندانوں کے سالناموں کی شکل اختیار کر لی اس لیے محدثین نے صرف نظر کر لیا اور اب عمل حکومت یہ کام کرنے لگے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوا کہ تاریخ نگاری کا قدیم تصور زیادہ دیانت داری کے ساتھ پورا ہونے لگا۔
 - ⑤ اس زمانہ میں خودنوشت سوانح کا بھی رواج ہوا گو کہ اب قدیم سرمائے سے بہت کم مادہ میرے ہے۔
 - ⑥ اس سارے دور اور مابعد کے ادوار میں طریق اسناد کی پابندی (گوجلانہ سہی) تاریخوں کا اہتمام اور صاحب ترجمہ کے مختصر حالات کا اہتمام ہوتا رہا۔
 - ⑦ سیرت اور تاریخ کی آمیزش سے ”سیرت پرمنی تاریخیں“ اس زمانہ میں سامنے آئیں۔ مثلاً وزراء قضاۃ شاہی خاندان وغیرہ کے مفصل الگ الگ تذکرے۔
 - ⑧ مسلم دنیا کے بدلتے ہوئے سیاسی حالات، بدنی اور حالات کے دباوے اس دور میں فارسی میں تاریخ نویسی کا دروازہ کھوں دیا۔ ویسے چوتھی صدی ہجری کی ابتداء ہی سے ایرانی قبائل نے اپنے قومی تعصیب کی بنی پرفارسی کے احیاء کی کوشش شروع کر دی لیکن سیاسی بدنی نے اس کے لیے اور ہر راستہ ہموار کر دیا۔ تاہم یہ یاد رکھنے کی بات ہے کہ فارسی تاریخ نویسی میں عربی اثرات غالب تھے۔
- چھٹی صدی کے بعد عربی اور فارسی لٹریچر میں بعد نمایاں ہونے لگا۔ اس دور کے تاریخی ادب کی نمایاں باتیں یہ ہیں:
- ① گو کہ اس سے قبل بھی بعض اتابوں میں ابتدائے آفریش سے تاریخ نویسی کی کوشش کی گئی لیکن اب ایک باقاعدہ نظریہ کے طور پر یہ تصور سامنے آیا اور اس کا ملت مسلم کی تاریخ کی طرح اہتمام ہونے لگا۔ ابن کثیر اسی دور کا انسان ہے اس لیے وہ ابتدائے آفریش سے گفتگو شروع کرتا ہے اور بڑے بسط و شرح سے اس کا قلم رواں دواں ہوتا ہے۔
 - ② مرکز خلافت کی کمزوری کے سبب علاقائی اور خاندانی تراجم کا اس دور میں بہت دور دورہ ہوا۔ مرکز خلافت ہی کی کمزوری کے سبب اب تاریخ کا مرکز شام کو منتقل ہو چکا تھا جہاں زنگی اور ایوبی خاندان بر سر پیکار تھے، انہوں نے ہر نوع کی عظیم خدمات کے ساتھ ساتھ تاریخ کی سر پرستی کا عظیم فرض سرانجام دیا۔

③ اس دور میں عربی تاریخ نویسی کے اصل جوہر و قائم نگاری کی نسبت سیرت نگاری میں زیادہ کھلتے ہیں۔

اس سے اگلا پیر یہ دسویں صدی ہجری کے بعد کا ہے جس میں ایک خاص مرحلہ پر مسلمان قوم قریب قریب ایسے حالات کا شکار ہو گئی کہ اس کی عزت و عظمت خاک میں مل گئی۔ تاہم یہ واقع ہے کہ اس پر آشوب دور میں بھی اس قوم نے مختلف علوم و فنون کے حوالہ سے جن رجال کا رک جنم دیا وہ اپنی مثال آپ ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ یہ اسی زوال کے دور میں علمی ترقی کا قدرت نے ایسا اہتمام کیا کہ کہیں یہ قوم بالکل ہی مظلوم ہو گرنے رہ جائے۔

اس دور میں البتہ ایک الیہ ضرور ہوا کہ استبدادی قوتوں نے مسلمانوں کو اس کے سرمایہ علمی سے محروم کرنے اور اس کے تاریخی و قائم کو اپنے اغراض کے مطابق مرتب کرنے کی طرح ڈالی۔ اس کا نقصان یہ ہوا کہ ”علم کے موتوں“ کی دولت سے یورپ نے اپنی چودھراہست کا سکر جمالیا اور مسلمان جیسی وسیع المشرب قوم میں نفرت و حقدارت کے جذبات بھڑک اٹھے اور پڑوی اقوام سے جا بجا اس کی لڑائیاں اٹھ کھڑی ہوئیں؛ جس کے برے اثرات اب بھی محسوس ہوتے ہیں۔ تاہم قدرت نے اپنے خصوصی فیضان سے اس دور میں بھی ایسا اہتمام کیا کہ مسلمانوں کے اندر بعض باہمت افراد نے آگے بڑھ کر اپنے سرمایہ علمی کی حفاظت کی اور ادھر۔ ع

پاسبان مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

کے مصدق استبدادی قوتوں میں ایسے منصف مزاج حضرات اٹھ کھڑے ہوئے جنہوں نے حتی الوعیج پھائی اور دیانت داری سے علمی خدمات کی طرح ڈالی۔

اس آخری دور پر تفصیل سے لکھنا ممکن ہے لیکن چونکہ یہ چیز ہمارے مقصد سے خارج ہے اس لیے ”تاریخ“ پر اس سرسری گفتگو کے بعد اب ہم دوسرے نکتہ کی طرف آتے ہیں۔ یعنی

الحافظ ابن کثیر.....سوانح:

یہ بات شک و شبہ سے بالا ہے کہ حافظ ابن کثیر مختلف الحیثیات شخصیت کے مالک تھے۔ قدرت نے اپنی عنایت خاص سے انہیں مختلف علوم و فنون میں بڑی مہارت بخشی تھی وہ جلیل القدر مفسر، عظیم المرتبت محدث، اعلیٰ پایہ کے مؤرخ اور صاحب کمال شاعر تھے۔ اس کے علاوہ فقہ و فتاویٰ، درس و تدریس اور دعاظ و نصیحت میں بھی ان کی حیثیت مسلم تھی۔ ان کا تصنیفی اور تالیفی پایہ بہت بلند ہے۔ اور خاص طور پر تفسیر و تاریخ میں ان کی کتابیں کلیدی درجہ کے مصادر میں شمار ہوتی ہیں۔

مشہور صاحب قلم ”الداوری“ طبقات المفسرین، میں لکھتے ہیں:

”کان (ابن کثیر) قدوة العلماء و الحفاظ و عمدة اهل المعافى والالفاظ.“ (ص: ۳۲)

دکتور محمد حسین الذہبی، ان کی تفسیر پر گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں:

”روايات احادیث کے حوالہ سے ان کی تفسیر، ابن جریر کی تفاسی کاوش کے بعد مشہور ترین علمی کارنامہ ہے مصنف علامہ نے اس میں طبقہ اسلاف کے مفسرین کو اپنی نگاہوں کے سامنے رکھا ہے۔ انہوں نے کلام اللہ تعالیٰ کی تفسیر میں احادیث نبویہ

اور اصحاب رسولؐ کے آثار پر اعتماد کیا ہے.....”۔ (انفسروں و المغزروں ج ۱ ص ۲۳۳)

بہر حال جہاں تک موصوف کی تفسیر کا تعلق ہے اس کی ہمارے دینی لڑپچھر میں بڑی اہمیت ہے لیکن اس پر گفتگو ہمارا موضوع نہیں، موضوع ان کی تاریخ ہے تاہم اس پر لکھنے سے قبل ان کے حالات کا ناکہ ضروری ہے۔

آپ کا نام اسْعِيل ہے ابوالنَّدأءُ اکنیت ہے عَمَادُ الدِّينِ لقب ہے اور عرفی نام ابن کثیر۔ سلسلہ نسب یہ ہے:

”اسْعِيلُ بْنُ عَمْرٍ بْنِ كَثِيرٍ بَصْرِيٌّ ثُمَّ مَشْقِيٌّ.....”۔

موصوف کے متعلق اکثر حضرات کی رائے یہ ہے کہ ان کی ولادت ۷۰۰ھ یا ۷۰۷ھ میں ہوئی۔

(البيان فی علم القرآن للصابوني ص ۱۸۸ امطبوعہ میرودت)

شام کے شہر بصری کے نواحی گاؤں ”مجدل“ میں اپنے نھیاں میں آپ کی پیدائش ہوئی۔ وہیں آپ کے والد منصب خطابت پر فائز تھے۔ ۳۲۳ سال کی عمر میں حضرت والد محترم کی وفات پر ان کے برادر اکبر جن کا اسم گرامی آشیخ عبدالوهاب تھا، انہیں دمشق لائے۔ ان کے اساتذہ کے ضمن میں بعض خاص نام یہ ہیں۔

برادر اکبر آشیخ عبدالوهاب کے علاوہ شیخ برہان الدین (م ۲۹۷ھ) اور شیخ کمال الدین سے فقہ کی تکمیل کی۔ اس دور کے معمول کے مطابق علم فقہ کی کتاب ”التبيه فی فروع الشافعیہ“ (تصنیف شیخ ابو الحسن شیرازی م ۲۶۷ھ) کا متن زبانی یاد کیا۔

(انفسروں و المغزروں ج ۱ ص ۲۳۲)

اصول فقہ میں ابن حاچب مالکی (م ۲۴۶) کی ”مختصر“، کو حفظ کیا اس فن کی تکمیل ”مختصر“ کے شارح شمس الدین اصفہانی (م ۲۹۷ھ) سے کی۔ احمد بن حجرا اس دور کے نامور محدث تھے، ایسے کہ ان کا مستقل اسکول اور گویا مکتب تھا جس سے لاتعداد اساتذہ وابستہ تھے ان سے علم حدیث حاصل کیا۔ ان کے علاوہ:

”بہاء الدین قاسم (م ۲۳۷ھ) عفیف الدین الحنفی (م ۲۵۷) محمد بن زرادہ ابن سویدی (م ۲۷۷ھ) ابوالحنفی ابراہیم

(م ۲۷۷) حافظ ذہبی، حافظ مزمی اور علامہ ابن تیمیہ علیہ السلام سے حدیث حاصل کی۔“ (انفسروں و المغزروں ج ۱ ص ۲۳۲)

علامہ ابن کثیر شافعی المسک ہونے کے باوصف اپنے استاد امام ابن تیمیہ علیہ السلام سے بے پناہ تعلق رکھتے اور بعض مسائل میں اپنے مسلک کے علی الغم، اپنے استاذ سے متعلق اس تعلق کے سبب بعض اوقات انہیں زحمتیں بھی اٹھانا پڑیں۔

حافظ ابن کثیر کے شاگرد مشہور عالم حافظ ابن حجر عسقلانی فرماتے ہیں:

”امام ابن تیمیہ سے استفادہ کیا، اس تعلق کی بناء پر بتلائے مصیبت بھی ہوئے“۔ (الدرر الکاظم ج ۱ ص ۳۲۳)

اس ضمن میں ابن عمار کی شہادت شذررات (ج ۲ ص ۲۳۰) اور خود الہدایہ والنہایہ (ج ۱ ص ۱۳۷) میں موجود ہے۔

البداية میں ابن کثیر فرماتے ہیں:

و كان بيني و مبينه مودة و صحبة من الصغير و سماع الحديث والكلب.

میرے اور امام ابن تیمیہ کے درمیان بہت ہی ملخصانہ اور محبت بھرے تعلقات تھے، بچپن ہی کی عمر سے ان سے نیازمندی

تھی ان سے مجھے علم حاصل کرنے اور احادیث سننے کا موقع ملا۔ (المبدایہ والنهایہ ج ۲ ص ۱۳۷) مطبوعدی لاہور
جیسا کہ پہلے گزر کہ حافظ ابن کثیرؓ کے والد خطابت کے منصب پر فائز تھے۔ وہ ایک عظیم خطیب تھے۔ شروع میں وہ
مدرس بھی رہے خود حافظ ابن کثیرؓ نے واضح کیا کہ والد بزرگوار خطابت اور شعر و شاعری میں بڑے مقام کے حامل تھے۔ ان کی تقریر
بڑی مؤثر ہوتی لوگ ان کی بڑی قدر کرتے حتیٰ کہ امام ندوی اور امام تقی الدین جیسے سر برآ و رده روزگار حضرات ان کو بڑی وقت
کی نگاہ سے دیکھتے۔ (المبدایہ ج ۲ ص ۱۳۱)

موصوف کی دو بیویوں میں سے دوسری سے آخری اولاد حافظ ابن کثیر تھے جو کم سنی میں ہی والد کے سایہ عاطفت سے محروم
ہو گئے اور پھر برادر بزرگ الشیخ عبد الوہاب انہیں دمشق لے گئے۔ علامہ ابن کثیر کے سب سے بڑے اور سب سے چھوٹے دونوں
بیویوں کے نام اسماعیل تھے، چونکہ سب سے بڑے صاحبزادے اسماعیل چھت سے گر کر مر گئے تھے جس کا والد کو بڑا صدمہ تھا اس
لیے ان کی یاد میں دوسرے فرزند کا نام اسماعیل رکھا۔

حافظ ابن کثیر نے اپنے برادر بزرگ الشیخ عبد الوہاب (م ۵۰۷) کا بڑے احترام سے ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ ان کے
حسن تربیت کی بدولت مجھ میں علمی ذوق پیدا ہوا اور حصول علم کے راستے کی رکاوٹیں دور ہو گئیں۔ (المبدایہ ج ۲ ص ۳۱-۳۰)
موصوف کی اولاد زینہ میں صرف ایک نام ملتا ہے یعنی ابوالبقاء بدر الدین محمد (م ۸۰۳) اور اتفاق یہ ہے کہ شاگردوں میں
سے بھی صرف دو کے نام محفوظ ہیں ایک ابن حمی کا دوسرا مشہور مصنف و محقق حافظ ابن جو عقلانی کا۔

(دیکھیں شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۳۲ و جلاء العینین ص ۲۲)

تاہم صاحب جلاء العینین نے ”وتلامذہ کثیر“ کا لفظ ضرور لکھا اور عقلاً بھی یہ بات درست ہے کہ اتنے بڑے آدمی کے
شاگرد بہر حال بہت ہوں گے حافظ ابن حجر جیسے محقق نے ان کے حافظ اور ان کے استحضار علمی کا ذکر کرتے ہوئے لکھا:
و كان كثير الاستحضار قليل النسيان۔ (شذرات ج ۲ ص ۲۳۱، الارراكامنہج اص ۲۷۷ و جلاء العینین ص ۲۲)
یعنی ان کا علم بہت ہی مختصر تھا اور بھول چوک برائے نام۔

اسی طرح صاحب شذرات اور صاحب جلاء العینین کی مشترکہ شہادت ہے:

”اکثر لوگوں نے ان کے بہترین حافظے متون کی یادداشت اور کثرت استحضار کا ذکر کیا ہے ان میں امام ذہبی، حسینی اور
عراتی جیسے حضرات شامل ہیں۔“

موصوف کا ذوق شعری بھی بہت بلند تھا تذکرہ نگاروں نے بعض اشعار نقل کیے ہیں جو ان کی طرف منسوب ہیں تاہم یہ طے ہے کہ
انہوں نے اس میں تو غل نہیں کیا اور اسلامی روح یہی ہے۔ زندگی کی بے ثباتی پر دو شعر ملاحظہ فرمائیں:

تمر بنا الايام فتوى و انما

فلا عائد ذاك الشباب الذى مفى

بنزهجهہ: ”ایام زندگی پے در پے ہماری آنکھوں کے سامنے گزر رہے ہیں اور ہم ہیں کہ موت کی طرف ہانکے جا رہے ہیں۔ دورہ

ماضی کا شباب لوٹ آئے؟ یہ نامکن اور یہ بڑھا پا جو تکمیل ہے میں جانے یہ بھی ممکن نہیں۔ (شذرات الذهب ج ۲ ص ۲۳۱)

موصوف علماء کی عام روش کے بر عالم نہایت درجہ شفاقت مراجع تھے اور ان کی تحریرات میں دلکشی، شکافتگی اور روانی کا غصر بطریق اقتضی موجود ہے جو جی زیدان نے موصوف کی تدریسی زندگی پر گھنٹو کرتے ہوئے لکھا ہے:

”وہ مدتوں تدریس کے فرائض انجام دیتے رہے ۲۸۷ھ میں دمشق کی مسجد امام صالح میں استاذ حدیث متقرر ہوئے جبکہ علامہ ذہبی کے انتقال کے بعد مدرسہ تکمیلیہ میں بھی مدرس رہے۔ (تاریخ آداب المذاہب العربیہ ج ۲ ص ۹۲)

چونکہ وہ دور مناظراتی دور تھا جیسا کہ ان کے استاد شیخ ابن تیمیہ کی زندگی سے واضح ہے اس لیے ابن کثیر کو بھی اس وادی سے گزرنا پڑا لیکن اس طرح کہ ”جادلهم بالغی هی احسن“ کے مطابق دلیل اور متنات سے بات فرماتے۔

اسی طرح فن افتاؤں میں ان کی خدمات کا ایک زمانہ معترض ہے علامہ ذہبی کے حوالہ سے حافظ ابن حجرؓ نے ”الامام المفتی“ لکھا ہے۔ امام شوکانی اور ابن حبیب نے بھی اس خصوصیت کا ذکر کیا ہے۔ (جلاء العینین ص ۲۲)

مناظرہ و افتاؤں اور علم و تدریس کی اس وسیع دنیا کے ساتھ ان کی شب بیداری، ذکر و فکر اور عبادت گزاری کا بھی معاصرین نے اور بعد کے حضرات نے کھلے دل سے ذکر کیا اور لکھا کہ وہ اس معاملہ میں بھی اپنی مثال آپ تھے۔ رہ گیا ان کا فقہی مسلک تو اس میں شک نہیں کہ وہ حضرت الامام الشافعی قدس سرہ کے مقلد تھے تاہم ایک صاحب نظر عالم کی لوح بعض سوال میں اپنے امام سے اختلاف بھی فرماتے اور بعض معاملات وسائل میں اپنے استاذ حضرت الامام ابن تیمیہ حنبلی سے متفق تھے۔

خصوصی میدان:

یہ طے شدہ ہے کہ وہ مختلف علوم و فنون میں یہ طوبی رکھتے تھے لیکن اہل تذکرہ نے تفسیر، حدیث، فقہ اور تاریخ ان کے خاص میدان قرار دیئے ہیں۔ تفسیر اور تاریخ کے سلسلہ میں تو ان کی تفحیم کتابیں ان کے تخصص کا سب سے بڑا ثبوت ہیں تاہم چند شہادتیں ملاحظہ فرمائیں۔ ایک عمومی رائے یہ ہے:

وانتهت الله رثاست العلم في التاريخ والحديث والتفسير. (شذرات الذهب ج ۲ ص ۲۳۱ حلاء العینین ص ۲۲)

”تاریخ، حدیث اور تفسیر کی ریاست علمی کی انتہا ان پر پر ہوتی ہے۔“

علامہ ذہبی کا قول ہے:

المحدث البارع الفقيه. (الدرر الکامنة ج ۱ ص ۲۶)

”البدرا الطالع“ کے فاضل مصنف نے فقہ، تفسیر، فحو اور جرج و تعلیل میں ان کی مسلمہ حیثیت کا بڑے اہتمام سے ذکر کیا ہے۔

(البدرا الطالع ج ۱ ص ۱۵۳)

ابن عماڈ فرماتے ہیں:

”جرح و تعلیل اور احادیث کی صحیت و عدم کے بیچان میں انہیں یہ طوبی حاصل تھا۔ حتیٰ کہ ان کے معاصرین اور اساتذہ

کمک اس کا اعتراف کرتے ہیں۔“ (شذرات الذهب ج ۲ ص ۲۳۰)

خاص علوم و فنون کے خواہ سے علماء نے ان کی عظمت کا جواہر اعتراف کیا اس کی آئیں جھنک تو اپنے مطور میں سامنے آچکی ہیں، عمومی اعتبار سے دیکھیں کہ اہل علم اس ”الامام العلام“ کو کس طرح یاد کرتے ہیں؟ عراقی (۸۰۶ھ) سے سوال ہوا کہ مغلطائی ابن کثیر اب راغع اور حسینی جو چاروں معاصر ہیں ان میں بڑاؤں ہے؟ تو انہوں نے جواب دیا۔

”معلومات کی وسعت اور نسب میں مغلطائی“ مختلف متون اور تاریخ کے حافظ ابن کثیر حدیث میں سب سے زیادہ اشغال رکھنے والے ابن راغع اور تخریج میں حسینی سب سے بڑھ کر ہیں۔

الذهبی فرماتے ہیں:

الامام‘المفتی‘،المحدث‘البارع‘،فقیہ‘مقنٰ‘،محدث متقن و مفسر۔ (الفسر و المفسرون ج ۱ ص ۲۲۲)

یہ عظیم المرتب شخص زندگی کے آخری ایام ظاہری بصارت سے محروم ہو گئے ۲۶ شعبان ۷۷ھ کو وفات پائی اور اپنے عظیم المرتب و متفق استاذ امام ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کے پہلو میں مقبرہ صوفیہ میں مدفین کی جگہ نصیب ہوئی۔

امام کی تصانیف:

درس و مدریں، افتاء و مناظرہ کی شدید مصروفیات کے باوصف آپ نے تصنیف و تالیف کے میدان میں عظیم خدمت سر انجام دی ہے مختصر آپ کی کتابوں کا تعارف پیش خدمت ہے:

① تفسیر القرآن: اس فقید الشال خدمت دینی کا تذکرہ مختصر اپنے بھی ہو چکا ہے۔ محدث کوثری فرماتے ہیں:

”یہ تفسیر بالروایت میں سب سے زیادہ مفید ہے۔“

قاضی شوکانی فرماتے ہیں:

”مصنف (ابن کثیر) نے اس میں بہت سا موارد جمع کر دیا ہے۔ مختصر مذاہب کا نقطہ نظر بیان کر دیا ہے۔ احادیث و آثار کا ذخیرہ بڑی تفصیل سے پیش کر کے ہر مسئلہ پر نقیض بحث کی ہے۔“

اور امام سیوطی یہاں تک فرماتے ہیں:

”اس طرز پر اس سے اچھی تفسیر نہیں لکھی گئی۔“ (الرسائل المستطرفة ص ۱۳۶)

اس سلسلہ میں دکتور ذہبی کی فاضلانہ کتاب ”الفسر و المفسرون“، اور دور حاضر کے ایک نہایت ہی مخلص خادم قرآن مولانا قاضی محمد زاہد حسینی کی کتاب میں تفصیلی بحث دیکھی جاسکتی ہے۔

② المبدای والنهایہ اس پر آخر میں گفتگو ہوگی۔

③ نہایۃ المبدای: آپ کی عظیم تاریخی کتاب المبدای والنهایہ (۱۶ جلد) کا یہ تکملہ ہے جو ۲ جلدوں میں ہے، مصنف علامہ نے اس میں آثار قیامت اور قیام قیامت کے بعد کے حالات پر تفصیلی اور مسیط بحث کی ہے۔ گویا المبدای کی ۱۶ جلدوں میں ابتدائے آفرینش سے اپنے دور تک کے حالات ذکر کر کے ان دو جلدوں کو اس دور کے لیے مختص کیا جب نظام عالم تھہ و

بالا ہوگا۔

- ④ جامع المسانید: اس کتاب کا پورا نام ”جامع المسانید والسن لاقوم السن“ ہے اس میں صحاح سنت، منداحمد، مندبزار، مند ابو یعلیٰ اور مجعم بکیر طبرانی کی احادیث کو جمع کیا گیا ہے۔ اس طرح یہ فتن حدیث کی عظیم خدمت ہے۔
(البدار الطائع ج ۱ ص ۱۵۳)

حاجی خلیفہ لکھتے ہیں:

”گزشتہ ہزاروں سال کے وقائع میں کتاب و سنت کی تصریح پر اعتماد کیا ہے، صحیح، ضعیف اور اسرائیلی روایات کو الگ الگ کیا ہے۔“ (کشف الطیون ج ۱ ص ۳۸۵)

”بدرالطائع“ میں اس کا نام ”مندبکیر“ کتاب البدیل والسن فی احادیث المسانید والسن بھی لکھا ہے۔

حاجی خلیفہ ہی تصریح کرتے ہیں:

”یہ کتاب اصول اسلام کے متعلق روایات کا ذخیرہ ہے۔“

اس کتاب کا قلمی نسخہ کتب خانہ خدیوم مصر میں موجود ہے۔ (فہرست کتب خانہ ہذاج ص ۳۲۲)

- ⑤ التکمیل فی معرفة الشفاط والضعیف والمجاهیل: حاجی خلیفہ نے اس کا نام التکمیلہ فی اسماء النقوات والضعفاء“ لکھا ہے۔ (حاجی خلیفہ ج ۱ ص ۳۸۶)

خیر الدین الزركلی نے الاعلامہ میں ”التكملی الخ نام لکھا ہے۔ اس کی پانچ جلدیں ہیں اور اس کا موضوع اس کے نام سے ظاہر ہے یعنی رجال کے حالات..... موصوف کے استاد اور خرام مزی اور امام ذہبی نے ”تهذیب الکمال“ اور ”میزان الاعتدال“ کے نام سے جو کتابیں لکھی ہیں، ابن کثیر کی یہ کتاب ان دونوں کی خصوصیات کی جامع ہے۔

- ⑥ طبقات الشافعیہ اور مناقب شافعی۔ اول الذکر کا نسخہ قلمی مکہ معظمه کی مجلس شوریٰ کے رکن محمد بن عبد الرزاق حمزہ کے پاس ہے فقیہاء شافعیہ کا بڑے محبت بھرے انداز میں ذکر ہے جب کہ دوسری کتاب ان کے مسلکی امام، امام شافعی کا ترجمہ و تذکرہ ہے حاجی خلیفہ نے اس کا نام ”الواضع لغفیس فی مناقب الامام ابن ادریس“ لکھا ہے۔ (کشف الطیون ج ۱ ص ۳۸۶)

- ⑧ علامہ ابن الصلاح (م ۶۲۳ھ) کی اصول حدیث کی معروف کتاب ”مقدمہ ابن الصلاح“ کا انحراف ہی نہیں بلکہ اس میں جا بجا اضافے ہیں، حافظ ابن حجر نے اس کے مفید ہونے کا ذکر کیا۔ یہ کتاب پیرودت سے چھپ چکی ہے۔

- ⑨ تخریج مختصر ادله التنبیہ: امام ابو الحنف شیرازی شافعی (م ۶۲۷ھ) کی فقہ میں معروف کتاب ”التبیہ“ کے دلائل کی تخریج کی ہے۔ ابن کثیر نے اس کا متن اور اس کی ترتیب کا کام ۱۸ برس کی عمر میں کر لیا تھا۔

- ⑩ تخریج مختصر ابن صاحب: ابن حاجب مالکی (م ۶۲۶ھ) کی اصول فقہ کی معروف کتاب ”مختصر ابن حاجب“ کو بھی حافظ ابن کثیر نے حفظ کیا اور اس کی احادیث کی تخریج کی۔ خود البدایہ میں آپ نے اس کا ذکر کیا۔ (ج ۱ ص ۱۷۳)

- ۱۱ الاجتہاد فی طلب الجہاد: عیسائیوں نے قلعہ ایاس کا جب محاصرہ کیا تو وہاں کے امیر کی فرمائش پر جہاد کی ترغیب کے

لیے یہ رسالہ لکھا جب جی زید ان نے اس کا ذکر کیا ہے اس کا قلمی نسخہ بھی مصر کے کتب خانہ خدیو میں ہے اب یہ مصر سے چھپ چکا ہے۔

(۱۲) کتاب الاحکام: شرعی مسائل پر وہ بسط سے لکھتا چاہتے تھے افسوس کہ یہ مکمل نہ ہو سکی، موصوف نے اپنی تفسیر میں اس کے جوابجاہو اے دیئے ہیں۔ (شذرات الذہب ج ۲ ص ۲۳۱)

(۱۳) شرح البخاری: یہ بھی مکمل نہ ہو سکی اس کا ذکر موصوف نے خود ”اختصار علوم الحدیث“ میں کیا ہے۔

(۱۴) فضائل القرآن: یہ رسالہ آپ کی تفسیر کے ساتھ مصر سے چھپ چکا ہے۔ قرآن کے متعلق بخاری کی روایات پر فاضلۃۃ کلام ہے ساتھ ہی جمع اور ترتیب اور کتابت کے مسائل پر گفتگو کی ہے۔

(۱۵) مختصر کتاب المدخل للبیہقی: اس کا ذکر بھی ”اختصار علوم الحدیث“ میں ہے۔

(۱۶) الفصول فی اختصار سیرت الرسول: اس کا ذکر سورۃ احزاب کی تفسیر میں موجود ہے۔

(۱۷) کتاب المقدمات: اس کا ذکر بھی ”اختصار علوم الحدیث“ میں ہے۔

(۱۸) منڈ الشیخین: حضرات ابو یکر صدیق اکبر اور عمر فاروق اعظمؑ کی روایت کروہ احادیث کا مجموعہ ہے۔

(۱۹) منڈ امام احمد بن حنبل: منڈ جیسی معرفت الاراء کتاب کو امام ابن کثیر نے حروف تحریکی کے مطابق مرتب کیا تھا اور ساتھ ہی طبرانی کی مجمع اور ابو یعلیٰ کی منڈ سے زوائد کو درج کرنے کا اہتمام کیا تھا۔

البداية والنهاية:

اس سلسلہ تحریر کے بعد اب تیسرا اور اہم تکڑے سامنے آتا ہے اور وہ ہے موصوف کی عظیم الشان تاریخ ”البداية والنهاية“ پر گفتگو..... سواب ہم اس طرف آتے ہیں۔ وبالذالت توفیق

یہ تاریخ جیسا کہ عرض کیا گیا ۱۳۵۸ھ میں مصنف علامہ کی وفات (۱۲۰۴ھ) کے مطابق چھ سال قبل تک کے حالات کا تک اور آخر کی دو جلدیں قیام قیامت اور بعد کے احوال پر مشتمل ہے۔

عربی میں اس کے مجموعی صفات (۱۳ جلدیں کے) ۱۹۷۵ء میں ہمارے سامنے وہ ایڈیشن ہے جو (م ۱۹۸۰ھ / ۱۹۹۱ء) میں مصری نسخہ کے عکس کی صورت میں خوبصورتی سے چھاپا۔

اس سے مسلک ابتدائی اور اراق سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ تاریخ ۱۳۵۸ھ میں مصر سے شائع ہوئی اور اس میں ابتدائے آفریش سے ۲۸ تک واقعات مندرج ہیں گویا مصنف علامہ کی وفات (۱۲۰۴ھ) کے مطابق چھ سال قبل تک کے حالات کا انہوں نے اہتمام کیا۔ یہ عربی نسخہ اس مخطوط کی بناء پر معرض طباعت میں آیا جو شام کے مشہور شہر حلب کے المدرستہ الاحمدیہ میں محفوظ تھا لیکن ناشر نے ساتھ ہی ساتھ ”دارالكتب المصری“ کے نسخہ سے مقابلہ بھی کیا اور ابن ہشام کی مختصر سیرت لابن الحنفی، اس کی شرح الروض الانف للسھیلی، دلائل البوة للحافظ ابن نعیم، السیرۃ النبویۃ الشامیۃ اور معاجم اللعنة سے بھی مراجعت کر کے اصلاح و تصحیح کا کام کیا (ج + اص ۳) اس تصحیح میں ازہر مصر کے فاضل استاد اشیخ الامام محمود المتصوّری کی تگرانی شامل تھی (ج

اس (۳۴۹) مصنف علامہ نے حمد و نعمت پر مشتمل نسخیں اور طویل خطبہ قریب ما یا اس کے بعد جو تکھدا اس کا خلاصہ یہ ہے: ”یا ایسی کتاب ہے جس میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور اس کی بخشی ہوئی آسمانیوں سے میں نے ابتدائے مخلوقات سے تذکرہ کیا ہے یعنی عرش، کرسی، آسمان، زمین، ان میں بننے والی دوسری مخلوقات اور قسم ملائکہ جنات، شیاطین، سیدنا، آدم علیہ السلام کی تحقیق کی تفصیلات و کیفیات، انبیاء علیہم السلام کے واقعات و قصص۔ تا آں کہ بنی اسرائیل کے دور تک پھر ایام جاہلیت پر گفتگو کر کے اس سلسلے کو سید ولد عدنان، خاتم النبیین و المعنوں میں اور عربی صلوuat اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے دور سعادت تک پہنچایا ہے۔ پھر آپ کی سیرت کا اس طرح اہتمام سے ذکر کیا ہے کہ قلب بہترم کے غل و غش سے پاک ہو جائیں اور روحانی قبلی بیماریوں سے بیمار خفا پالیں۔

اس کے بعد ہم نے اپنے عبد تک کے واقعات قلم بند کیے ہیں۔ پھر ان فتوؤں ہنگاموں اور علامات قیامت کا ذکر ہے پھر قیامت قائم ہونے، دنیا کے دوبارہ اٹھائے جانے اور قیامت کی ہولناکیوں کا تذکرہ ہے۔ پھر اس دن کی تفصیلات اور جو کچھ اس میں واقع ہوگا اور جو اہم معاملات پیش آئیں گے ان کا ذکر ہے، پھر دوزخ کا ذکر ہے اور جنت کا نیز جنت میں جوانعماں ہوں گے ان کا، نیز اس سے متعلق دوسری چیزیں۔

اسی سے متصل فرماتے ہیں:

”جو کچھ پیش کیا گیا وہ ہے جو کتاب سنت اور آثار سے منقول ہے نیز وہ منقول اخبار میں ایسے علماء کے یہاں مقبول و پسندیدہ ہیں جنہیں شکوہ نبوت سے استفادہ کا موقع ملا اور روشنی میسر آئی۔

اسرائیلی روایات سے احتراز کیا ہے الیہ کہ ایسی روایات جن کے نقل کی جناب شارع علیہ السلام نے اجازت دی۔ جو کتاب اللہ اور سنت رسول کے خلاف نہیں۔ وہ روایات ایسی ہیں جن کی تصدیق و تکذیب کی چند اس ضرورت نہیں۔^① البتہ ان کے ذریعہ سے کسی مختصر چیز کی تفصیل سامنے آسکتی ہے یا کوئی مہم چیز واضح ہو جاتی ہے۔

تذکرہ علی سبیل التجلی بہ لا علی سبیل الاحتیاج الیه والاعتماد علیہ و انما الاعتماد والاستناد علی کتاب اللہ و سنته رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم ماصح نقلہ او حسن الخ.

(ج: ۶)

گویا حضرت الامام اپنے تفسیری ذوق کے مطابق یہاں بھی علم و بدایت کے ان اصل سرچشموں پر اعتماد فرماتے ہیں جو کتاب اللہ اور

^① مصنف علامہ نے اس مقام پر امام بخاری علیہ السلام کے حوالہ سے فاتح مصطفیٰ در اسلام سیدنا عمر و بن العاص شیعہ کی روایت نقل کی جس کا ترجیح ہے ہے:

”رسول اکرم علیہ السلام نے فرمایا: میرا ایک ہی حکم ہو تو اس کو بھی آگے پہنچاؤ۔ بنی اسرائیل سے روایت کرنے میں حرج نہیں، محمد سے (اصل میں) روایت کرو اور غلط بات کی میری طرف نسبت نہ کرو؛ جس نے میری طرف غلط بات کی نسبت کی وہ اپنا حکما نہ جہنم میں بنائے۔“

پھر فرماتے ہیں کہ یہاں جن اسرائیلی روایات کے بیان کرنے کی اجازت ہے وہ ایسی ہی روایات ہیں جو ہمارے یہاں اس حیثیت کی شمار ہوتی ہیں کہ ان پر کوئی لند و جرج حنجیں... (ص: ۶۔ ۷)

سن رسول اللہ ﷺ کی شکل میں آج بھی انسانیت کے لیے موجود ہیں اور ساتھ ہی آثار منقول و متجہول پر اعتماد فرمایا ہے۔ آگے چل کر جناب مصنف نے بڑے زور سے یہ بات کہی کہ ہم اصل میں اس چیز کے محتاج ہیں جو ہمارے آقا و مولا ﷺ نے بیان فرمائی اسی پر ہمارا اعتماد ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے پہلے قرآن ہے جو ایسی کتاب ہے کہ ماضی کے واقعات بتاتی ہے تو آنے والے دور کا نقش بھی کھینچتی ہے، تمہارے درمیان جو زیارات ہیں ان کا فیصلہ بھی کرتی ہے۔ وہ ایسی فیصلہ کن چیز ہے کہ اس میں کسی قسم کی کوئی بیکار بات نہیں جو اس کو غرور و تکبر کے سبب چھوڑ دے گا اور اللہ تعالیٰ اس سے نہ کٹ لیں گے جو اس کے سوا کسی دوسرے نوشتہ سے رہنمائی کا طالب ہو گا وہ گمراہ ہو کر رہ جائے گا۔ (یہ درحقیقت ایک ارشاد پیغمبر کا ترجیح ہے جس کے راوی سیدنا علی (رض) ہیں)

مصنف علامہ کی اس گفتگو سے ان کا ذوق و مسلک کم از کم واضح ہو جاتا ہے کہ وہ کس چیز پر اعتماد کرتے ہیں اور یہ طویل تاریخی سفر کس طرح تکمیل کو پہنچانا چاہتے ہیں۔

پہلی جلد کے آغاز میں انہوں نے زمین و آسمان وغیرہ کی تخلیق پر گفتگو کر کے ابوالبشر سیدنا آدم ﷺ کا ذکر چھیڑا ہے اور اس کا اہتمام کیا ہے کہ ہر موضوع پر اولاً کتاب اللہ کا فرمان نقل کیا جائے پھر رسول کریم ﷺ کے ارشادات عرش و کرسی زمین و آسمان اور جنات و ملائکہ کے ضمن میں ٹھیک اسی ڈگر پر چلے ہیں پھر تذکرہ انبیاء میں بھی اس کا اہتمام ہے۔ کہ مختلف انبیاء اور ان کی اقوام و ملک کے سلسلے میں قرآنی تصریحات کو سب سے پہلے نقل کیا پھر احادیث کے ارشادات اس پہلی جلد میں سیدنا الیاس ﷺ تک واقعات ہیں جن کا ذکر خیر سورہ صافات میں ہے۔ مصنف علامہ نے ساتھ ہی علماء نسب کے حوالے سے مختلف انبیاء کے نسب پر فاضلانہ کلام کیا، ان کا زمانہ متعین کرنے کی کوشش کی اور تاریخی حوالہ سے جوبن پر اس پر گفتگو کی۔

دوسری جلد ان انبیاء بنی اسرائیل سے شروع ہوتی ہے جو سیدنا موسیٰ ﷺ کے بعد بنی اسرائیل میں تشریف لائے۔ اور اسی ضمن میں اصحاب الکھف، اصحاب الجنۃ، اصحاب الایلۃ، قصہ لقمان وغیرہ پر سیر حاصل کلام کیا ہے۔

ص ۱۸۲ سے بنو اسماعیل کا اس طرح ذکر کیا ہے کہ بنو اسماعیل کی پوری تاریخ سیدنا اسماعیل ﷺ سے بنی آخر الزمان ﷺ سے تک سامنے آگئی اور پھر اسی سے متصل حضور اقدس ﷺ کی قبل نبوت و بعد نبوت کی زندگی پر قلم اٹھایا۔

سیرت رسولؐ میں قرآنی ارشادات، علماء نسبت کی تحقیقات اور وقائع واحوال پر موصوف کا قلم بڑی روائی سے چلا ہے اور اپنے سے متفق میں حضرات کی تکاریفات سے بھی انہوں نے بھر پورا استفادہ کیا ہے اور اس کا حوالہ دیا ہے۔

تیسرا پوری جلد سیرت رسولؐ سے متعلق ہے اور اس کی ابتداء ”بدء الوجہ“ سے ہوتی ہے۔ اسی جلد میں بھرت کا باب شروع ہوتا ہے (ص ۳۳۶) اور ابتداء ہی سے بڑی تفصیل کے ساتھ غزوات اور سرایا پر گفتگو شروع کی ہے اور کوشش فرمائی ہے کہ سیرت کے حوالہ سے کوئی عام سا واقعہ بھی نہ رہ جائے۔ بھرت سے سن وار گفتگو کا بھی اہتمام ہے تاکہ ایک شخص پہلی نظر میں دیکھ لے کہ بھرت کے بعد کون سا واقعہ کس سن میں پیش آیا۔ چونکہ سیرت رسول میں بھرت کے واقعہ کو بڑی اہمیت حاصل ہے اور اس سے مسلمانوں کی اجتماعی زندگی کا ایک موڑ سامنے آتا ہے اس لیے بالعموم اہل قلم یہاں پہنچ کر زیادہ کھل جاتے ہیں۔ مصنف علامہ کا بھی

ایسا ہی معاملہ ہے۔

چوتھی جلد بحرب رسول کے تیرے سال سے شروع ہو رہی ہے اور اس کو آپ نے ۸۵ کے وقائع پر ختم کیا ہے۔ آپ دیکھیں گے ہر سن کے مشہور اور اہم ترین واقعات پہلے توبط سے ذکر کرتے ہیں پھر آخر میں اس سن کے مشہور حادث اور مشہور فوت شدہ شخصیات کا ذکر خلاصہ کے طور پر کر دیتے ہیں جس سے قاری چند سطروں میں ایک پورے سال کو پڑھ سکتا ہے۔

پانچویں جلد ۹۵ سے شروع ہو رہی ہے اور اس جلد میں وفاتِ رسولؐ کے عظیم سانحہ تک بات پہنچا کر جلد کے آخری حصہ میں آپ سے متعلق عالمگیر ماتم، مراثی اور دوسرے متعلقات کا ذکر ہے نیز وفاتِ رسولؐ کے موقع پر امت جن اہم مسائل سے دو چار ہوئی اور جن کا تفصیل بڑے اہتمام سے ہوا وہ بھی اس جلد کا حصہ ہیں مثلاً میراث رسول کی بحث آج تک جاری ہے جب کہ امر واقعہ یہ ہے کہ اس قصہ کو رسول کریم ﷺ نے خود نہ تداریا اور انہی ارشادات کی روشنی میں اللہ تعالیٰ کے نبی کے تربیت یافتہ حضرات نے نہ تداریا۔

چھٹی جلد رسول کریم ﷺ کے آثار کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔ مثلاً وہ اشیا جو آپ کے زیر استعمال رہیں، بعض تبرکات جو آپ نے مختلف لوگوں کو مرحمت فرمائے۔ پھر آپ کے اخلاق و شماکل اور حیات اجتماعی کے سلسلے میں آپ کے اہم ترین ارشادات اور ان سے متعلق مختلف روایات کا ذکر کیا گیا ہے۔ اسی جلد سے سیدنا ابو بکر صدیق اکبر رض جیسے مراجع شناس رسولؐ، امت کے سب سے بڑے محسن کی خلافت کا بیان شروع کیا گیا ہے۔ سیدنا ابو بکر صدیق اکبر رض کا اسلامی جماعت میں جو مقام ہے اور جو عظمت انہیں حاصل ہے اس سے ایک زمانہ آگاہ ہے۔ حضرت عبداللہ بن مسعود رض جیسے جلیل المرتبت صحابی، ارشاد فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کے سانحہ ارتحال پر امت پر جو میتی وہ ایک الیہ تھا اور رب العزت اگر ابو بکر صدیق رض کے وجود باوجود کے ذریعہ تم پر احسان نہ کرتے تو ہم ہلاک ہو جاتے۔

آپ کے دور سعادت میں بڑے بڑے امتحانات پیش آئے، نبوت کے پے در پے مدعی، زکوٰۃ کے منکر اور طرح طرح کے فتنے رونما ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس مختنی وجود میں ایسی ایمانی روح بھر دی تھی کہ اس نے ایک ایک فتنہ کا قلع قلع کر کے امت کے مستقبل کی گاڑی کے لیے راہ ہموار کر دی۔ سیدنا عمر فاروق رض بڑے بڑے ہی مدبر حکمران اور عظیم انسان تھے۔ بقول امیر شریعت السید عطاء اللہ شاہ بخاری اسلام کی تاریخ سے انہیں خارج کر دیا جائے تو کچھ باتی نہیں رہتا۔ لیکن امر واقعہ یہ ہے کہ ابو بکر صدیق رض کا سواد و سالہ دور نہ ہوتا تو سیدنا فاروق رض اتنا کام نہ کر پاتے۔ دور حاضر کے عظیم مصنف مولانا سعید احمد ابراہادی نے اردو میں سیدنا صدیق اکبر پر جو کام کیا وہ اپنی مثال آپ ہے۔

حافظ ابن کثیر کا قلم جب اس بالکمال ہستی پر اٹھا ہے تو اس نے سچائیوں کے دریا بہادیے ہیں۔ جو بحث چھٹی جلد سے شروع ہوئی اس کو ساتویں جلد کی ابتداء میں ختم کر کے سیدنا فاروق عظیم رض کا سن وار تذکرہ کیا ہے اور اس طرح کہ گویا تاریخ کو ایک جیتے جا گتے کردار کے انداز میں پیش کر دیا ہے۔

خلافت کے چار عظیم ستون سیدنا ابو بکر، سیدنا عمر، سیدنا عثمان اور سیدنا علی رض کے وقائع کے سلسلے میں یہ جلد گویا مختص ہے

اور اس کا اختتام حضرت علی ہنگوں کے حالات پر ہوا۔ مسلمانوں کا سیل رواں فاروقی دور میں اور ان کے بعد عثمانی دور کی ابتداء میں جس طرح آگے بڑھا اس دور کی دو سپریا اور زائر ایران و روم جس طرح پامال ہوئیں، ہندوستان اور افریقہ میں جس طرح اسلام کا نور بدایت پہنچایا سب آپ کو اس جلد میں ملے گا۔ اور ساتھ ہی وہ اندوہناک باب نظر آئے گا جب سیدنا عثمان مظلومانہ شہید ہوتے ہیں اور پھر پورا دور۔ باہمی انتشار میں گزر جاتا ہے۔

آٹھویں جلد سیدنا علی کے سلسلے میں ضمیر پر مشتمل ہے اور اس کا اختتام ۳۷ھ تک کے واقعات پر ہوا ہے، سیدنا علیؑ کے بعد ان کے فرزند گرامی سیدنا حسنؑ نے امت کی صلح کا احتمام کر کے جس اولوالعزمی کا مظاہرہ کیا اور سیدنا معاویہؑ نے جس طرح پھر اسلام کے سلسلے میں بے پناہ کی روائی کا ظلم کیا، اس سے آگے بڑھ کر مقتل و قتل حسینؑ کی بات آئے گی۔ امیر زید کا تذکرہ ہوگا، امر واقعہ یہ ہے کہ یہ ایک ایسا موڑ ہے جہاں صدق و راستی سے لگنگو مشکل ہے، بڑے بڑوں کے پاؤں پھصل جاتے اور قلم لغزش کھا جاتے ہیں پھر ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہو جاتا ہے اور تاریخ کو عقیدہ کارنگ دے دیا جاتا ہے۔ یہی موڑ ہے جہاں پہنچ کر امت کی تاریخ ہلہبوں بن کر مسلسل افزاق اور عجمی سازشوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ ابن کثیر کا اللہ تعالیٰ بھلا کرے کہ انہوں نے بہت حد تک واقعات کی صحیح تصویر کشی کی اور نہ صرف اس قصہ کی بلکہ بنا میہ کے دوسرے مخلص حریف سیدنا عبد اللہ بن زیر ہنگوں کے واقعات کو بھی یہیں سمیت دیا ہے۔ اس طرح یہ جلد کو یا بڑی نازک بن کر رہ گئی ہے جسے عبور کرنا پل صراط کو عبور کرنے کے متراوف تھا۔ میرا خیال یہ ہے کہ ابن کثیر نے پوری نہیں تو واضح اکثریت سے کامیابی ضرور حاصل کی ہے۔

اس کے بعد جلد نمبر ۹، ۲۷ھ سے ۱۲۵ھ تک جلد ۱۰، ۱۲۶ھ سے ۲۲۸ھ تک جلد ۱۱، ۲۲۹ھ سے ۲۰۵ھ تک جلد ۱۲، ۲۰۵ھ سے ۵۸۸ھ تک جلد ۱۳، ۲۹۸ھ سے ۱۹۶ھ اور جلد ۱۴، ۲۹۸ھ سے ۲۶ھ تک اور جلد ۱۵، قرب قیامت کی نشانیوں اور جلد ۱۶، قیامت کے بعد کے مفصل حالات اور وقائع پر مشتمل ہے۔

آخری جلد گویا موصوف کی اپنی زندگی کے دور کی ہے اس لیے اس میں تفصیلات آپ کو ذرا زیادہ نظر آئیں گی۔ تاہم ایسی تفصیل کہیں بھی نظر نہیں آئے گی کہ آپ پریشان خاطر ہوں۔

حافظ ابن کثیر نے از خود ۳۷ھ تک کے حالات لکھے ہیں جب کہ اس کے بعد کے واقعات ان کے کسی شاگرد عزیز کے قلم سے ہیں۔ (المبدایہ والنهایہ ج ۱۲ ص ۱۸۲)

علامہ ابن کثیر کی طرح ان کی تاریخی کا دو شکوہ بھی قبول عام کا شرف حاصل ہوا اور اہل علم نے اسے اپنی دلچسپیوں کا مرکز بنایا۔ اہل علم میں سے بعض نے اس کی تتخیص کی جب کہ بعض نے اس پر ذیول لکھے۔ علامہ عینی کی ”تاریخ بدؤ“ کا حقیقی مأخذ البدایہ ہی ہے بلکہ فی الحقيقة وہ اس کی تتخیص ہے۔ احمد بن علی بن حجر (۸۵۲م) نے بھی اس کی تتخیص کی ہے اور محمود بن محمد بن دشاد نے ترکی زبان میں اس کا ترجمہ کیا (کشف الظنون ج ۱۸۷ ص ۱۸۲) شہاب الدین بن ججی (۸۱۶م) اور بحرانی (۸۳۵م) نے اس کے ذیول پر ذکر کیے ہیں۔ (تاریخ آداب اللغة العربیہ ج ۳ ص ۱۹۲)

”تاریخ آداب اللغة العربیہ“ کے فاضل مصنفوں ہی نے اس بات کی نشاندہی کی ہے کہ ابن کثیر کے اجزاء کتب خانہ

خدیومصر کے علاوہ یورپ کے مختلف کتب خانوں میں بھی موجود ہیں البتہ دوسری بنیادی تاریخی کتب کے بر عکس البدایہ مکمل شکل میں مصر سے ہی طبع ہوئی اس کی طباعت کا دور دس سال پر پھیلا ہوا ہے یعنی ۱۳۸۸ھ سے لے کر ۱۴۵۸ھ۔

اس کتاب کی نصوصیات میں سے سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے کہ جناب مصنف نے تحقیق واستناد کا بھر پور لحاظ رکھ کر کتاب و سنت اور علماء، مؤرخین کے مستند اقوال کو پناہ ماندہ بنایا ہے اور جیسا کہ پہلے گز رانلٹ روایات اور اسرائیلی خرافات نیز مر جو حادثہ قابل اعتبار اقوال سے بچنے کی پوری کوشش کی اور اس میں بڑی حد تک کامیاب ہوئے۔ اس سلسلہ میں مصنف کے مقدمہ کا حوالہ پہلے گذر چکا ہے اسے ایک بار پھر ملاحظہ فرمائیں۔

دوسری خوبی اور خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے اختصار اور جامعیت سے کام لیا ہے اور یہ بڑی خوبی ہے بعض مصنفین اختصار پر آتے ہیں تو اس طرح کہ ضروری امور بھی ترک کر دیتے ہیں اور محض جامعیت کے شوق میں اتنی طوالت سے کام لیتے ہیں کہ طبیعت اکتا جاتی ہے یہاں آپ کو اختصار و جامعیت کا حسین امتران نظر آئے گا کہ ہر ضروری امر کا ذکر کر دیا ہے لیکن طوالت سے بچ کر۔

تیسرا خوبی سن وار حالات کا معرض کتاب میں لانا ہے جس کی طرف اشارہ پہلے ہو چکا ہے سن وار گفتگو کرتے ہوئے اس دور کے مختلف طبقات کی ذمہ دار شخصیات مثلاً مشاہیر امراء سلطانیں، اکابر علماء، مفسرین، محدثین، فقہاء اور مؤرخین نیز ادباء، شعراء اور دوسرے ممتاز و نامور افراد کا ذکر آ گیا ہے۔

چوتھی خصوصیت یہ ہے کہ اس میں ساتویں صدی ہجری کے نصف آخر اور آٹھویں صدی کے نصف اول کی تفصیلات آگئی ہیں۔

قارئین آگاہ ہوں گے کہ یہ دور تاری حملوں کے سبب تاریخ اسلام کا اہم ترین دور ہے۔ اس دور میں عالم اسلام جن مصائب کا شکار ہوان کے تصور سے رو ٹکنے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ اسی دور کے متعلق جناب سعدی شیرازی کا مرثیہ ہے:

آسمان راحت بود گرخون بارد بر زمیں بر زوال ملک معتصم امیر المؤمنین

عرب ایلاد بغداد کی اینٹ سے ایسٹ بجادی گئی۔ مسلمانوں کا علی سرما یہ نذر دجلہ ہو کر رہ گیا۔ عباسی خلفاء کی رواداری یا سادہ لوگی کے سبب دربار میں دخیل راضی وزراء نے اپنے محسنوں کے ساتھ جو بد سلوکیاں کی وہ روافض کے تاریخی کردار کا حصہ ہیں۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ ستم رسیدہ قوم دوبارہ کبھی سرنہ اٹھا سکے گی۔

عبرت و موعظت کے لیے اس دور کی پوری تصویر سامنے ہونی ضروری ہے۔ گو کہ اس دور کے حوالہ سے اور بھی تاریخی سرما یہ ہے لیکن جتنی تفصیل اس میں ہے وہ کسی دوسری جگہ نہیں اس دور کی نسبت سے اور بھی بعض اہم کتابیں ہیں جیسے کامل ابن اثیر، لیکن البدایہ میں جو تفصیلات ہیں وہ اسی کا حصہ ہیں۔

جن حضرات نے مصنف کی تفسیر کو بہ نظر غائر دیکھا ہے وہ جانتے ہیں کہ انہوں نے اس کی ترتیب و مدونین میں کتنی عرق ریزی سے کام لیا اور کس طرح تمام ذخائر کتب سے استفادہ کر کے تحقیق و تلاش کا حق ادا کیا۔ بعینہ یہ حال آپ کو البدایہ میں نظر

آئے گا۔ اس دور میں مرحوم کو جو سرمایہ میسر آسکا اس سے انہوں نے کھلے دل سے استقادہ کیا اور اس کا اعتراف کیا۔ بطور خاص ”علم الدین برزای“ کی تاریخ جو صرف تاریخ و طبقات ہی نہیں بلکہ دلچسپ واقعات کا مجموعہ ہے اس سے بہت ہی اعتماد رکھا۔ بعض واقعات جو خاص اہمیت کے حامل ہیں یا کسی وجہ سے مصنف کو ان سے زیادہ دلچسپی ہے، ان کو بڑی تفصیل سے ذکر کیا ہے اور بڑے مزے لے لے کر انہیں بیان کیا ہے۔

اس سلسلہ میں سب سے پہلے تو رسول اکرم ﷺ کی سیرت طیہہ آتی ہے، جہاں مصنف کا قلم جوئے روائی کی طرح نظر آتا ہے واقعات کی صحت کے پورے اہتمام کے ساتھ عقیدت و احترام کا اندازہ ایک ایک سطر سے ہوتا ہے۔

اس کا سب سمجھنے کے لیے مولانا ابوالکلام آزاد (م ۱۹۵۸ء) کے سیرت نبوی پرمضا میں دلکشی پڑیں گے جو مولانا کے عاشق صادق مولانا غلام رسول مہر نے ”رسول رحمت“ کے نام سے مرتب کر کے چھپوائے۔ اس سے اندازہ ہو گا کہ حافظ ابن کثیر بھی اس ابتلاء کا شکار ہے جس کا ہر دور میں سنجیدہ مراج لوگ رہے ہیں۔ اہل علم کے کلامی مباحث اور جھگٹے اور فقہ و فتاویٰ کی خشک ابحاث ایک جویاۓ حق کے لیے سوہان روح بن جاتی ہیں۔

حافظ ابن کثیر جب اس ابتلاء کا شکار ہوتے ہیں تو مطہریت قلب اور تکمیل حال کے لیے بہت سے دروازوں پر دستک دیتے ہیں بالآخر حافظ ابن تیمیہ سے سابقہ پڑتا ہے تو اپنی الجھن ان کے سامنے بیان کرتے ہیں۔ حافظ ابن تیمیہ جو بہت سے مصلحین امت کی طرح صدیوں سے اصل زبغ و ضلای کی زبان طعن کا شکار ہیں۔ وہ سعادت مند شاگرد کو نصیحت فرماتے ہیں کہ ”سب ہی اطراف سے منہ موڑ کر سیرت رسول (علی صاحبہ الصلة والتسلیم) کو اپنا محرر و مرکز بنا لو، آنکھوں کی ٹھنڈک اور دل کا سکون میسر آئے گا تو اسی چشمہ صافی اور آب حیوان سے!“۔

چنانچہ موصوف اسی کے ہو کر رہ جاتے ہیں اور انہیں وہ گوہ مقصود ہاتھ آ جاتا ہے جس کی ایک عرصہ سے انہیں تلاش تھی۔

یہی سبب ہے کہ جب اپنی تاریخی کتاب میں وہ اس موڑ پر پہنچتے ہیں تو عقیدت و محبت میں ڈوبی ہوئی روح وہاں پہنچتی ہے جہاں اسے پہنچنا چاہیے۔ اپنے مسلکی امام، حضرت الامام محمد بن اور لیں الشافعی ع رضی اللہ عنہ اور اپنے استاد حضرت الامام ابن تیمیہ ع رضی اللہ عنہ کے مسلکی امام، الامام الجاہد الزاہد احمد بن حنبل قدس سرہ کے تذکرہ پر بھی عام تذکروں کے مقابلہ میں لحوالت نظر آتی ہے لیکن بے مقصد نہیں اور اپنے محسن و مرتب استاد امام ابن تیمیہ ع رضی اللہ عنہ کے لیے جس عقیدت، احترام اور محبت کا مظاہرہ ہے وہ پڑھنے سے تعلق رکھتا ہے۔

کتاب کے جلد وار مضا میں کی اجمالی فہرست ہم پہلے عرض کر چکے ہیں حقیقی معنوں میں اندازہ بالاستیعاب مطالعہ سے ہی ہو گا، تاہم نمونہ کے طور پر ہم بعض مقامات کی طرف توجہ دلانا چاہتے ہیں آسان وزیں کی تخلیق کے ضمن میں کئی آیات قرآنی جو اس موضوع سے متعلق ہیں، اُنکل کر کے فرماتے ہیں:

الف: جہور کے نزدیک چھوٹ دن سے ایسے ہی چھوٹ دن مراد ہیں جیسے ہمارے معمول کے ایام۔

ب: ابن عباسؓ، مجاهدؓ، فتحاکؓ اور کعبؓ احبار کی روایت کے مطابق ہر دن سے مراد ہزار برس کا دن ہے ابن جریر اور ابن ابی حاتم

نے اس کو قتل کیا امام احمد نے اپنی کتاب ”روحیت“ میں ابن جریر وغیرہ نے اس کو ترجیح دی ہے۔
ج: چھ دنوں میں پہلا دن کون ساتھ اس سلسلہ میں حافظ ابن جریر نے تین قول قتل کیے اہل تورات کے نزدیک اتوار عیسائیوں کے نزدیک پیر اور مسلمانوں کے نزدیک ہفتہ کا دن تھا۔ جب اللہ تعالیٰ نے تخلیق عام کی ابتداء کی۔

اس ایک مثال سے اندازہ ہو جائے گا کہ مصنف علامہ کا انداز کیا ہے۔ وہ قرآن مجید کو ہر چیز پر مقدم رکھتے ہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ کے ارشادات کو پھر آثار صحابہؓؓ کو پھر سلف کی نگارشات کو۔ اور ضرورت پڑنے پر بطور استشهاد اسرائیل روایات کا ذکر کرتے ہیں کہیں کہیں عقل و درایت سے کام لیتے ہیں اور جو کہ بھی کرتے ہیں ترجیحی روایات کا خصوص انداز میں ذکر کرتے ہیں اور اس طرح آئینہ سامنے رکھ دیتے ہیں۔

مصنف علامہ کہیں کہیں حقائق سے دور نظر آتے ہیں یا نہیں۔ قلم و زبان میں تخفی نظر آتی ہے تو اس کے بہر حال مختلف اسباب ہیں اور اتنے بڑے علمی کارنامہ میں ایسے چند مقامات زیادہ تشویش کا باعث نہ بننے چاہیں۔

اصل یہ ہے کہ ان کے ایام حیات تک عرب و غیرہ کا مسئلہ صاف نہ ہوا تھا کہ اہل بدعت بالخصوص رواضف وغیرہ اپنا کام کر چکے تھے سقوط بغداد کی شکل میں امت بڑے صدمہ سے دو چار ہو چکی تھی ابن تیمیہؓؓ جسے مرد جوی کے ساتھ نسبت و قتل نے خود مصنف کو ایک ایسی راہ پر لاڈا لاجہاں پھولوں کی تھی کے جایے قدم قدم کا نئے بکھرے پڑے تھے اس لیے تخفی تحریر کہیں کہیں نظر آتی ہے تو داخلی و خارجی اسباب کے تحت ایسا ہو جاتا ہے بہ حیثیت مجموعی زبان کی سلالت و روانی کے ساتھ حالات و واقعات کی صحت کا اہتمام اور دلائل سے گفتگو کرنے کی خوبوکتاب کی ایک ایک طریقے نظر آتی ہے اور معلوم ہوتا ہے کہ ایک بالغ نظر آدمی علمی سفر کر رہا ہے۔

انبیاء ﷺ کے بعد ہر شخص کی علمی کاوش میں کوئی نہ کوئی کمزوری ممکن ہے۔ صحابہؓؓ بوجوہ اس سے مستثنی ہیں۔ تاہم برائے نام کوتا ہیوں کے بجائے اجتماعی حالات کا جائزہ لینا ازبس ضروری ہے اور اس اعتبار سے ابین کثیر ہمارے محضن ہیں کہ انہوں نے ہمیں ایک مرتب تاریخ دی۔ اللہ تعالیٰ انہیں اپنی رحمتوں سے نوازے۔ جناب ناشر و مترجم کو اس خدمت کا بہترین صلدے۔ ان سطور کا رقم اپنے اور جملہ متعلقین کے لیے قارئین سے دعا کا محتاج ہے۔ وصلی اللہ علی النبی الکریم و علی آلہ و اصحابہ اجمعین۔

اللّٰهُمَّ رِبَّنَا تَقْبِلُ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ وَتَبْعَدُ عَنَّا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَابُ الرَّحِيمُ

فقیر محمد سعید الرحمن علوی

۱۲۔ اے شاہ جمال لا ہور۔

۲۳۔ رشعیان المعظم ۱۳۰۷ء

۲۲۔ اپریل ۱۹۸۷ء



مصنف کے حالات و کوائف حیات

نام:

عربی کی شہرہ آفاق تاریخی کتاب ”البداية والنهاية“ جو ۱۲ جلد دوں پر مشتمل ہے اس کے عالمی شہرت یافتہ محترم المقام مصنف کے نام کی تفصیل جو متعدد عربی کتابوں میں پائی جاتی ہے یہ ہے:
امام حافظ الحاج، مستند مؤرخ، مفسر، محدث، صاحب علوم و فضائل عmad الدین ابو الفداء اسماعیل بن عمر بن کثیر بن ضوء بن کثیر قرضشی دمشقی شافعی۔ و یہ مصنف موصوف اطراف و اکناف عالم کے علمی حلقوں میں عموماً ابن کثیر کے نام سے جانے پہچانے جاتے ہیں۔

ولادت:

ابن کثیر کی ولادت ”بصرے“ کی تلمذ و فریہ ”مجدل“ میں ہوئی۔ ان کے والد ماجد کا تعلق بصرے اور ان کی والدہ ماجدہ کا خاندانی تعلق قریہ ”مجدل“ سے تھا۔

حسب ونسب:

بزرگ عالم اور ماہر انساب عرب شیخ مزیٰ نے بخطاط حسب و نسب اشراف عرب میں شمار کیا ہے اور اس وجہ سے انہیں اکثر و بیشتر عربی کتابوں میں ”قرشی“ لکھا گیا ہے بلکہ خود انہوں نے اپنی کتاب البداية والنهاية میں اپنے والد ماجد کے نام کے ساتھ ”قرشی“ لکھا ہے۔ جہاں تک ابن کثیر کی تاریخ ولادت کا تعلق ہے اکثر کتب سیر میں اسے ۷۰۰ یا ۷۰۱ ہجری لکھا گیا ہے۔ نیز حافظ ابن حجر نے اپنی کتاب ”دور الکامنة“ میں کم و بیش کے اضافے کے ساتھ ان کا سال ولادت یہی بتایا ہے۔ ۷۰۰ یا ۷۰۱ ہجری میں ان کے سال ولادت کا ایک اور ثبوت خود ان کی اس تحریر سے ملتا ہے جس میں انہوں نے اپنے محترم والد کے حالات زندگی تلمذبند کرتے ہوئے ان کا سال وفات ۷۰۳ یا ۷۰۴ ہجری لکھا ہے، لیکن چونکہ عموماً کسی تین سالہ بچے کا سنین تو ٹھیک ٹھیک یاد رکھنا ایک امر محال معلوم ہوتا ہے اس لیے ظاہر ہے کہ ابن کثیر نے اپنے والد کا سال وفات اپنے اہل خاندان یا پڑو سیوں سے سن کر تحریر کیا ہوگا۔ لہذا اس میں بھی حافظ ابن حجر کی طرح کسی قدر ”کم و بیش“ کا اضافہ کر لینا مناسب ہوگا۔ بہر حال اس سے اتنا ضرور ثابت ہوتا ہے کہ خود ابن کثیر کی ولادت کی قدر کم و بیش ۷۰۰ یا ۷۰۱ ہجری میں ہوئی ہوگی اور وہ اپنے والد کی وفات کے وقت قریباً تین سال کے رہے ہوں گے۔

ابن کثیر کے والد ماجد ”الخطیب شہاب الدین ابو حفص عمر بن کثیر“ جو علام، فقہاء اور خطبیوں میں صفت اول کے صاحب علم و فضل سمجھے جاتے تھے اپنے بیٹے حافظ ابن کثیر کے بقول قریباً ۶۲۰ ہجری میں پیدا ہوئے تھے۔ (البداية والنهاية جلد ۱ صفحات ۳۳۲ تا ۳۳۳)

پھر جیسا کہ زیر نظر کتاب کے مصنف نے اسی کتاب میں لکھا ہے انہوں نے یعنی ان کے والد نے ابتدائی تعلیم اپنے ماموؤں کے پاس جن کا تعلق بنی عقبہ سے تھا اپنی جائے ولادت میں رہ کر حنفی عقائد کے مطابق حاصل کی تھی اور جملہ ابتدائی علوم کے علاوہ جو

انہوں نے حفظ یاد کر لیے تھے عربی صرف و نحو اور علم الالفاظ میں بھی کمال حاصل کیا تھا اور بہت سے تصانفوں مراٹی کہے تھے۔

ابن کثیر کے مطابق ان کے والد اپنی بجائے ولادت بصرے کے شماں حصے میں جو متبرک کعبہ تھا تین ہزار لوگوں میں ہبہ کے قام سے مشہور تھا (خدا جانے اس کا صحیح نام کیا تھا) کچھ عرصہ قیام کے بعد اس شہر کے مشرقی حصے میں بطور خطیب منتقل ہو گئے جہاں انہوں نے شافعی مذہب اختیار کر لیا۔

ابن کثیر نے یہ باتیں نواوی اور شیخ تھی الدین کے حوالے سے لکھی ہیں جن کا وہ بہت احترام کرتے تھے جیسا کہ علامہ ابن زمکانی نے بیان کیا ہے۔

ابن کثیر نے کورہ بالاحوالوں سے لکھتے ہیں کہ ان کے والد نے بصرے کے اس مشرقی حصے میں بطور خطیب ۱۲ سال قیام کیا اور مطالعہ کتب کے علاوہ درس و تدریس میں بھی مصروف رہے جس کے بعد وہ ابن کثیر کی والدہ ماجدہ کی جائے ولادت مجلد میں بطور خطیب منتقل ہو گئے اور وہاں ایک طویل مدت انہی مثالاً میں گزاری۔ اہل مجلد ان کے علم و فضل اور طرز خطابت کے علاوہ ان کی شیریں کلامی اور دیانت کے بڑے مدائح تھے اور ان کا بہت احترام کرتے تھے کیونکہ انہوں نے انہیں اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے کسب حلال میں ہمیشہ متدين پایا تھا۔

ابن کثیر کی والدہ ماجدہ اور اس سے قبل ان کی مرحومہ سوتیلی والدہ کے بطن سے کئی لڑکے اور لڑکیاں پیدا ہوئیں۔ ان کی مرحومہ سوتیلی والدہ کی اولاد میں سب سے بڑے اسماعیل تھے اور انہی کے نام پر ان کے والد نے اپنے سب سے چھوٹے بیٹے یعنی زیر نظر کتاب کے مصنف کا نام رکھا تھا۔

ابن کثیر کی حقیقی والدہ کے بطن سے انہی کے بقول ان کے بھائی عبد الوہاب، عبد العزیز اور کئی لڑکیاں پیدا ہوئیں، اپنے حقیقی بھائیوں میں سب سے چھوٹے ابن کثیر تھے جیسا کہ انہوں نے خود لکھا ہے۔

تعالیم:

حافظ ابن کثیر جیسا کہ وہ خود لکھتے ہیں اپنے والد کے انتقال کے بعد دمشق پلے گئے جہاں انہوں نے اپنی والدہ ماجدہ سے قرآن پاک حفظ کیا، عربی زبان کے قواعد صرف و نحو حفظ کیے نیز کتاب التہمیہ حفظ کی اور اس کی شرح کے لیے علامہ تاج الدین نزاری کے سامنے زانوئے تلمذ تھا کیا اور انہی سے اصول فقہ کے منتخب کی تحصیل کی۔ یہ بات ہمیں مصنف کے علاوہ بزرگ عالم ابن زمکانی نے بھی بتائی ہے۔

حافظ ابن کثیر ایک دوسری جگہ بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد ماجد بھی پہلے شام گئے تھے لیکن کچھ عرصہ بعد وہاں سے واپس آگئے تھے اور اپنے وطن مالوف میں ۳۰۷ھ بھری میں ان کا انتقال ہوا تھا۔ وہ مزید بیان کرتے ہیں کہ ان کے والد ماجد انہیں اپنی اولاد میں سب سے چھوٹا ہونے کی وجہ سے بہت چاہتے تھے نیز یہ انہوں نے اپنے بھپن میں بارہا خواب میں دیکھا تھا اور ان کے لیے دعائے مغفرت کی تھی۔ وہ یہ بھی لکھتے ہیں کہ وہ اپنے والد ماجد کی وفات کے بعد ۳۰۷ھ بھری میں دمشق گئے تھے اور وہاں اپنی

والدہ ماجدہ کے علاوہ زیادہ تر اپنے بڑے بھائی کمال الدین عبدالوہاب کی صحبت میں رہے جوان کے ساتھ بڑی محبت و شفقت سے پیش آتے تھے۔ پھر جیسا کہ انہوں نے بیان کیا ہے ان کے بڑے بھائی عبدالوہاب جن کی صحبت میں انہوں نے علمی میدان میں بہت کچھ حاصل کیا تھا۔ ۱۹۵۰ء بھری میں وفات پا گئے۔ آخر میں مصنف نے اپنے جملہ اسلاف صالحین کے حق میں دعائے مغفرت کی ہے۔

جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا گیا مصنف کتاب ہڈانے ابتداء میں اپنے بڑے بھائی کمال الدین عبدالوہاب کی صحبت میں علمی مشاغل جاری رکھے جس کے بعد انہوں نے مزید حصول تعلیم کے لیے دیگر علمائے عصر سے رجوع کیا۔ جیسا کہ انہوں نے خود بیان کیا ہے قرآن پاک انہوں نے ۱۹۷۷ء بھری میں حظک کر لیا تھا (البداية والنهاية: ج ۱۲، ص ۳۱۲) اور علم تجوید بھی حاصل کیا تھا۔

داودی^۱ نے انہیں قاریوں میں شمار کیا ہے اور انہی کے سلسلے میں ان کا ذکر کیا ہے^۲ اور یہ بھی لکھا ہے کہ ان سے قرأت و حدیث کا علم ان کے ہم عصر بہت سے لوگوں نے حاصل کیا ہے۔ یعنی ان سے قرأت و احادیث کی سماعت کی ہے جب کہ خداون کثیر نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے صحیح مسلم کادرس و مجالس میں شیخ نجم الدین عسقلانی سے لیا ہے اور ان احادیث کی قرأت وزیر العالم ابی القاسم محمد بن محمد بن سہل ازدي غرناطی اندکی نے کی تھی جن کی وفات قاهرہ میں ۲۲رمذان ۱۳۰۰ھ بھری میں ہوئی۔ مر جوم ۲۲

بھری میں دمشق ہوتے ہوئے حج کے لیے تشریف لے گئے تھے۔

ابن کثیر^۳ نے اپنے بزرگ استاد شہاب الدین الحجرا المعروف ابن شحنہ سے دارالحدیث اشرفیہ میں ایام تشویات کے دوران میں جیسا کہ انہوں نے ان کے ذکر کے ضمن میں بیان کیا ہے بالا جازت و ساعی حیثیت میں قریباً ۵۰۰ احادیث کی اجازت ابلاغ حاصل کی تھی۔ شیخ شہاب الدین الحجرا ابن شحنہ کی وفات تحقیق ۱۰۰ اسال بلکہ اس سے کچھ زیادہ عمر میں ہوئی تھی۔ ان کا سال وفات ابن کثیر نے ۳۰۷ھ بھری بتایا ہے۔ (التاریخ: ج ۱۲، ص ۱۵۰)

ابن کثیر^۴ نے فقہ کی تعلیم شیخین یعنی کمال الدین الفزاری اور کمال الدین بن قاضی شہید سے حاصل کی اور فروع شافعیہ میں کتاب التنبیہ مصنفہ شیرازی اور مختصرات الحاجب اصول میں پڑھے نیز حافظ ابوالحجاج مزی کے پاس رہ کران کی عظیم تالیف جو سیر الرجال کے موضوع پر ہے پڑھی۔ اس کتاب کا نام ”تهذیب الکمال“ ہے جس کے کچھ حصے ابن کثیر نے موصوف کی بیٹی نینب سے سنے۔ ویسے ابن کثیر شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے ارشد تلامذہ میں سے تھے اور انہوں نے علامہ موصوف سے بہت کچھ سیکھا ہے، انہوں نے علامہ موصوف کی آرائی کیا جس کی وجہ سے انہیں اکثر امتحانات سے گزرنا پڑا اور تکالیف اٹھانا پڑیں۔

^۱ شمس الدین محمد بن علی بن احمد داؤدی مصری متوفی ۹۸۵ھ بھری۔ واضح رہے کہ ابن جزری نے ابن کثیر کو طبقات قراء میں شامل نہیں کیا۔ (مرتب نسخہ بیروت لبنان)

^۲ جیسا کہ حوالے کی دوسری کتابوں سے پتہ چلتا ہے کہ جس ابن کثیر کا داؤدی نے ذکر کیا ہے وہ اس کتاب تاریخ کے مصنف ”ابن کثیر“ کے علاوہ دوسرے حافظ و مفسر ابن کثیر تھے جن کا شمار صفت اذل کے سات قاریوں میں ہوتا ہے۔ ان کا پورا نام عبد اللہ بن کثیر کی تھا اور وہ علم قرأت میں اہل مکہ کے امام تھے۔ وہ تابعین سے بھی قدیم شخصیت ہیں۔ ابن زبیر بن مالک نے ان کا سال ولادت ۲۷۵ھ بھری اور سال وفات ۱۲۰ھ بھری بتایا ہے۔ (مرتب نسخہ بیروت)

کتاب ہذا کے مصنف ابن کثیرؓ پنے ہم عصر علماء میں امتیازی حیثیت کے حامل تھے ان کے ساتھ ان کے بے شمار تلامذہ نے زانوئے تلمذت کیا ہے اور ان کی تعریف و توصیف میں ہمیشہ رطب اللسان رہے ہیں۔

علمی تحریر:

حافظ ذہبی نے حافظ ابن کثیرؓ کا ”طبقات الحفاظ“ میں ذکر کرتے ہوئے لکھا تھا کہ وہ ممکن ہے عنقریب میرے شیوخ میں شامل ہو جائیں (الطبقات الحفاظ ج ۲، ص ۲۹) اور حافظ ذہبی کی یہ پیشگوئی واقعۃ صحیح ثابت ہوئی کیونکہ حافظ ذہبی ابن کثیرؓ کی وفات سے بہت قبل وفات پا گئے۔ ان کی وفات ابن کثیرؓ کی وفات سے ۲۶ سال پہلے ہوئی۔ حافظ ذہبی نے اپنی مذکورہ بالا کتاب ”طبقات الحفاظ“ میں ابن کثیرؓ کو متعدد اوصاف سے متصف کرتے ہوئے لکھا ہے: ”میں نے انہیں فقیہ کے علاوہ ابن شحنة ابن الرداد اور دوسرے لوگوں سے مفتی محدث، ذی الفھائل، عماد الدین اسماعیل بن عمر بن کثیر بصروی شافعیٰ کہتے سنے ہے۔ لوگوں نے ان سے فقہ، علم الرجال وغیرہ میں بہت استفادہ کیا ہے۔ وہ متعدد کتب کے مصنف و مؤلف ہونے کے علاوہ فن انسباط و اخراج میں کمال رکھتے ہیں اور اپنے زمانے کے بہت بڑے مفسر ہیں۔“

حافظ ذہبیؒ نے انہیں ”معجم الحجض“، ”امام“، ”مفتی“، ”محدث البارع“، ”فقیہ“، ”مصنف محدث متقن“ اور ”مفسر ف قال“، لکھا ہے جب کہ ابن حجر وغیرہ نے ابن کثیرؓ کو حافظ ذہبیؒ کے حوالے سے ان جملہ صفات سے متصف کیا ہے۔

مصنف کے ایک شاگرد شہاب الدین بن حجی کہتے ہیں: ”ہم نے انہیں حفاظ میں افضل ترین پایا۔ کیونکہ ہم نے ان سے کتب احادیث کے متن بالکل اس طرح سنے چیز کوئی بہترین حافظ قرآن پاک کی تلاوت کرتا ہے نیز ہمیں ان کی علمی فضیلت اس طرح معلوم ہوئی کہ وہ مطالب و مفاهیم قرآن و حدیث کے اخراج میں کمال رکھتے ہیں اور انہیں اس کی صحت و اقسام پر مکمل عبور حاصل ہے جس کا اعتراض ان کی تقاریر سننے والے جملہ بزرگان علوم دین بھی کرتے ہیں، انہیں تمام تقاضا سیر و تواریخ زبانی یاد ہیں، وہ کسی بات کو بہت کم بھولتے ہیں، وہ حد سے زیادہ سمجھ رکھنے والے فقیہ اور صحیح الذہن عالم ہیں، انہیں کتاب العتمیہ ازاول تا آخر حفظ ہے، عربی زبان و ادب پر انہیں مکمل عبور حاصل ہے، وہ شعر گوئی میں بھی درج کمال پر فائز ہیں، میں نے اکثر اوقات ان کی محبت میں گزارے ہیں اور ان کے علم و فضل سے استفادہ کیا ہے۔“ (کتاب الدارس از نیمی)

ان کے ایک دوسرے شاگرد ”تذکرة الحفاظ“ میں ان کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں (تذکرة الحفاظ ص ۵۸) ”ہمارے بزرگ عالم ابوالحجاج نے اکثر و پیشتر ان کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ وہ ایک بڑے درجے کے مفتی، معلم، ناظر، فقہ و تفسیر و نحو میں منفرد و امتیازی حیثیت کے حامل اور علم الرجال و سیر رجال کے علاوہ متفقی استدلال میں کمال رکھتے ہیں۔“

حافظ ابن حجرؓ ابن کثیرؓ کا ذکر کرتے ہوئے اپنی کتاب ”الدرالکامنہ“ میں کہتے ہیں: ”مزی نے ان سے بہت استفادہ کیا، ان سے کتاب ”تهذیب الکمال“ پڑھی، وہ انہیں اپنی اکلوتی بیٹی پر ترجیح دیتے تھے، ان کی محبت کی وجہ سے ابن تیمیہ کی قربت حاصل کی جس کی وجہ سے مشکلات میں بھی پڑے۔ وہ خود یعنی ابن کثیر کثیر الاستحضار تھے، انہیں حسن مزاح سے کمال و اتفاق حاصل تھی، ان کی جملہ تصانیف ان کی زندگی ہی میں شہر شہر جا پہنچی تھیں، جن سے ان کی وفات کے بعد بھی لوگ استفادہ کرتے رہے، محمد شین و

مفسرین کے لیے قرآن و حدیث سے استخراج میں ان کے طریق عمل پر چلنا (قریباً) نامکن ہے، انہیں مسائل نقہ حل کرنے میں کمال حاصل ہے، انہوں نے ان مسائل اور ان کے جوابات کو مختصر اپنی کتاب "ابن الصلاح" میں سمجھا کر دیا ہے جس سے اکثر لوگ مستفید ہو رہے ہیں۔

سیوطی نے طبقات الحفاظ کے ذیل میں ابن حجر کی رائے نقل کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ "وہ (ابن کثیر) محدثین کی عام ڈگر پر نہیں چلے بلکہ استخراج و مفاتیح میں) ان سے الگ ایک نئی راہ نکالی۔" سیوطی نے اس کے بعد کہا ہے۔ "وہ علم حدیث میں کمال رکھتے ہیں،" انہیں احادیث کی صحیح معرفت حاصل ہے اور اضافی (من گھڑت) احادیث کو فوراً پہچان لیتے ہیں، انہیں ان میں اختلافات کے اسباب و علل کا علم بھی بدربارہ کمال حاصل ہے، وہ اس پر استدلال میں بھی کمال رکھتے ہیں، اہم اصول حدیث میں بھی ان کا قول حرف آخر ہوتا ہے اور یہ بات حقیقت پر منی ہے۔ سیوطی ہی نے یہ بھی کہا ہے۔ "ان کی تفاسیر ایسی ہیں کہ اس طرح کوئی دوسرا منہراں پر قادر نہیں ہو سکتا۔ ان کی عظیم تفسیر سے لوگ استفادہ کرتے ہیں جن کی مثالیں ہم نے بہت ہی مختصر دی ہیں نیز ان کے جملہ اوصاف کو بھی مختصر آہی بیان کیا ہے۔"

علامہ عینیؒ نے ابن کثیرؒ کے بارے میں جو کچھ کہا اسے ابن تغزی برداری نے اپنی کتاب "النجم الظاهرة" میں نقل کیا ہے۔ علامہ عینیؒ فرماتے ہیں: "وہ (ابن کثیر) قدوة العلماء والحفاظ تھے اور عمدة اہل معانی والفاظ تھے، انہوں نے جو کچھ سن اسے بطريق احسن مدون کر دیا، انہوں نے تصانیف پیش کیں اور (مختلف علوم کے) درس دیے۔ حدیث و تفسیر اور تاریخ میں ان کی معلومات لا جواب تھیں، وہ تدوین علوم و تحریر میں بے مثل شہرت رکھتے تھے، علم حدیث و تفسیر و تاریخ کی ان پر اعتماد ہو گئی، انہوں نے متعدد مفید تصانیف و تالیفات چھوڑی ہیں۔"

علامہ شمس الدین بن ناصر ان کی صفات بیان کرتے ہوئے اپنی کتاب "الردا الوافي"، میں فرماتے ہیں: "امام علامہ حافظ عمال الدین ثقة المحدث عمة المؤرخین اور عالم المفسدين تھے۔"

مصنف البداية والنهاية کے بارے میں ابن حبیب نے جو کچھ کہا اور جسے داؤ دی نے طبقات القراء میں اور ابن عمال نے اپنی کتاب "الشدرات" میں نقل کیا وہ یہ ہے:

امام ذوی التسیح والتمہلیل، زعیم ارباب التاویل (ابن کثیر) نے احادیث نئیں اور انہیں مدون کیا اور دوسری (متعدد) تصانیف پیش کیں، لوگ ان کی خطابت سے مسرو و مظہوظ ہوتے تھے۔ ان کی مرتب کردہ احادیث سے لوگوں نے استفادہ کیا اور وہ شہر شہر پھیل گئیں ان پر علم و تاریخ و حدیث و تفسیر کی ریاست گویا ختم ہو گئی۔

حافظ ابن حجرؓ نے "انباء والغمر" میں اور ابن العماد نے "شدرات" میں ان کے بارے میں جو تو صفحی و شعر پیش کیے ہیں وہ آج تک زبان زد خاص و عام ہیں۔

شیخ الاسلام ابن تیمیہ کی صحبت و خدمت میں رہ کر انہوں نے جو علمی و دینی اور اخلاقی تربیت حاصل کی اس نے نہ صرف انہیں علم و فضل میں ایک امتیازی حیثیت بخشی بلکہ اس سے دوسروں نے بھی بعد میں بہت استفادہ کیا۔

وہ اپنی رائے میں استحکام و استقلال رکھتے تھے وہی کچھ فرماتے تھے جن کا ثبوت و دلائل صحیح رکھتے تھے نہ اپنے مذهب و عقائد میں متعصب تھے نہ اس سلسلے میں دوسروں سے تعصب رکھتے تھے ان کی تفسیر جیل بڑی عظیم تصنیف ہے جس سے ہم نے ان کے شافعی المذهب ہونے کے بارے میں استفادہ کیا ہے کیونکہ انہوں نے اس تفسیر میں اپنے عقائد کے لحاظ سے ایک حرف بھی نہیں لکھا، وہ جوبات کہتے ہیں اس کے لیے ان کے پاس دلائل کی کثرت ہوتی ہے۔ انہوں نے مسئلہ طلاق پر گفتگو کرتے ہوئے بدلاں ثابت کیا ہے کہ ایک بار طلاق دینے سے طلاق ہو جاتی ہے اور ہم نے اسے ان کے دلائل کے تحت صحیح پایا ہے انہوں نے اس سلسلے میں بڑی اذیتیں برداشت کیں اور بڑے سخت امتحانوں سے گزرے لیکن ہمیشہ صابر و شاکر اور ثابت قدم رہے، ان کا صبر فی سبیل اللہ تھا۔

وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ کے خاص انصار میں شامل تھے اور یہ بھی جانتے تھے کہ ان کے شیخ یعنی شیخ الاسلام اور قاضی القضاۃ تقی الدین السکبی کے مابین وجوہ اختلاف کیا ہیں لیکن انہوں نے اس معاطلے میں سنتیوں پر سختیاں جھیلنے کے باوجود شیخ الاسلام سے اپنا فرد ایامہ و نیاز مندانہ تعلق نہیں توڑا۔ انہوں نے ان حادث کا ذکر جو انہیں ۲۳۷ھجری میں پیش آئےالتاریخ جلد ۱۲ میں وضاحت کے ساتھ کیا ہے۔ جب وہ دمشق میں قیام پذیرتھے تو ان سے جیسا کہ انہوں نے خود اپنی کتاب تاریخ میں بیان کیا ہے قاضی القضاۃ کے دارالاوقاف کی متعدد مجالس میں فتوؤں پر دخخط کے لیے خصوصاً تیمیوں کے مال میں غیر متحققوں کے حق میں تصرف کے بارے میں دخخط پر زورڈا لایا لیکن انہوں نے ان پر کبھی دخخط نہیں کیے جب کہ ان پر قاضی جلال الدین بن حسام الدین خنی کے دخخط موجود تھے اور اس کے بعد ان پر صرف قاضی القضاۃ تقی الدین السکبی شافعی نے دخخط کیے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے انہیں دمشق کی ان مجالس سے نجات دلا کر مصر بھیج دیا جہاں انہیں طلب کیا گیا تھا۔

یہ فقط اہل علم کے تقویٰ کا کمال ہو سکتا ہے:

جب ان کی شہرت مصر و دمشق سے دوسرے اسلامی ممالک تک پہنچ چکی تھی تو اسی زمانے (۲۶۳ھجری) کا ذکر کرتے ہوئے وہ خود بیان کرتے ہیں: (صح ۱۲، ص ۲۹۲-۲۹۵)

”ایک نوجوان بلاد تبریز و خراسان سے بظاہریہ ارادہ لے کر میرے پاس آیا کہ مجھ سے بخاری و مسلم جامع المسانید اور رزمتری کی کشف پڑھ لیکن وہ پہلے درس بخاری میں (غالباً) میرا امتحان لینے کے لیے شریک ہوا جس کے بعد مطہری ہو کر (دوسرے اس巴ق میں شرکت کے بعد) بولا:

اگر آپ کی اجازت ہو تو میں یہ احادیث (آپ کی تشریحات کے ساتھ) اپنے ہم وطنوں کو جا کر سناؤں کیونکہ آپ کے علم و فضل کی شہرت وہاں تک پہنچ چکی ہے۔“

ان سطور سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ”جامع المسانید“ بھی ابن کثیر کی کتابوں میں شامل ہے اور اس کی شہرت بھی بلاد مشرق تک پہنچی ہو گی جسے مذکورہ بالانو جوان نے ان سے سبقاً سبقاً پڑھا ہو گا اور پھر اپنے وطن پہنچ کر اسے حفظ کرنے کے بعد دوسروں کو سنائی ہو گی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ کتاب ابن کثیر کے مفہومات پر مشتمل ہے جسے ان کے شاگردان کی زبانی سن کر لکھ لیتے ہوں گے اور

پھر وہ اسی طرح نقل درنقل ہوتی ہوئی مذکورہ بادی شرق تک پہنچی تھی۔

ابن کثیر کے اوصاف میں اور ان کے کردار کی خوبیوں میں یہ وصف بطور خاص قبل ذکر ہے کہ ان سے جب بھی کسی ایسے مسئلے میں فتویٰ طلب کیا گیا جو بظاہر ارادے کے لحاظ سے صرف استفتاء تک محدود تھا لیکن اس میں فتوے کے خواہشمند کی درحقیقت کوئی سیاسی غرض بھی شامل تھی یا انہیں اس میں اس کی کسی ذاتی غرض کا ذرا سا بھی شبہ ہوا تو انہوں نے ہمیشہ اصول فقہ و شریعت کو پیش نظر رکھا خواہ اس میں فتویٰ طلب کرنے والا کوئی مبتدع حاکم ہی نہ رہا ہو۔ اور اس کے خلاف منشاء فتویٰ صادر کرنے میں اس کے بغض و غصب کا اندر یہ ہی کیوں نہ رہا ہو۔ ایسے ہی ایک واقعہ کا ذکر انہوں نے اپنے حالات ۲۲ ہجری میں کیا ہے حالانکہ اس فتوے پر بڑے بڑے قاضیوں اور مشائخ کے دستخط موجود تھے اور ان کے دستخطوں کے بعد باقی مفتیوں نے بھی دستخط کر دیے تھے لیکن چونکہ ان کے نزدیک طالب فتویٰ کی اس میں ذاتی غرض مضر تھی اس لیے انہوں نے اس پر دستخط کرنے سے صاف انکار کر دیا تھا۔ (ملاحظہ، ہواس تاریخی کتاب کی جلد ۱۲، صفحات ۲۸۱-۲۸۲)

ایسے ہی ایک دوسرے واقعے کا ذکر ان کے حالات کے ضمن میں ملتا ہے جو ۷۷ھ میں پیش آیا تھا۔ وہ واقعہ یہ تھا کہ اس سال باغی فرنگیوں کی ایک کثیر تعداد جبرا اس وقت اسکندریہ میں داخل ہو گئی تھی جب کہ وہاں نائب السلطنت اور اسلامی شکر موجود نہیں تھا۔ ان فرنگیوں نے اسکندریہ میں داخل ہو کر قتل و غارت کی انتہاء کر دی، کوئی گھران کی لوٹ مارنے نہیں پچا۔ انہوں نے ہزاروں مسلمان عورتوں اور بچوں کو قید کیا اور سمندر کے اسی راستے سے جس سے وہ اسکندریہ آئے تھے وابس چلے گئے۔ یہ خبر جب دمشق پہنچی تو وہاں ایک کہرام مج گیا، واعظوں نے مساجد کے منبروں سے شام کے مسلمانوں کے جذبات میں آگ لگادی جب کہ عوام پہلے ہی اس سانحہ فاجیہ پر شب و روز ماتم کر رہے تھے۔ ان حالات میں مسلمانوں کا مشتعل ہونا ایک فطری بات تھی چنانچہ انہوں نے شام کے نصرانیوں کے ساتھ وہی سلوک کرنا چاہا جو ان کے ہم مذہبوں نے اسکندریہ کے مسلمانوں کے ساتھ روا رکھا تھا بلکہ کچھ مسلمان توجہ باقی طور پر اس کے مرتب بھی ہو گئے۔ انہوں نے نصرانیوں کی عورتوں کو بھی اسی طرح تید کر لیا جس طرح فرنگیوں نے ان کی عورتوں کو قید کیا تھا اور پھر انہیں اپنے ساتھ لے گئے تھے۔

جب ان جذباتی طور پر عمل کرنے والے مسلمانوں کی اس کارروائی کے بارے میں حاکم دمشق نے قاضیوں اور مفتیوں سے فتویٰ طلب کیا تو ان میں سے اکثر نے بحالت غیض جذبات سے مغلوب ہونے والے ان مسلمانوں کی اس انتقامی کارروائی کو حق بجانب قرار دیا۔ ان کا مقصد بلاشبہ ان مسلمانوں کی تالیف قلوب کے علاوہ حاکم دمشق کی خوشنودی حاصل کرنا بھی تھا جس نے نصرانی خواتین میں سے ایک خوش حال خاتون کو اپنے لیے پسند کر لیا تھا لیکن حافظ ابن کثیر نے اس موقع پر بھی اسلامی شریعت کے مطابق اصول پرستی کا ثبوت دیا، انہوں نے ان مسلمانوں کی اس انتقامی کارروائی کے خلاف فتویٰ دیا اور تمام نصرانی خواتین کو اس مذکورہ بالاخوش جمال خاتون سمیت باعزت رہائی کو شریعت اسلامی کی رو سے لازمی قرار دیا تا کہ مسلمانوں پر نصرانیوں کا اعتماد متزلزل نہ ہونے پائے جیسا کہ اسلامی قوانین کی رو سے اس کی وضاحت احکام اسلام میں موجود ہے۔ یہ تھا حافظ ابن کثیر کا حقیقی مفتی کی حیثیت سے اسلامی کردار۔ انہوں نے اسی طرح ہمیشہ اسلامی احکام عدل کو پیش نظر رکھا اور ذاتی مفاد یا کسی حاکم کی ناراضگی

کا کبھی بھولے سے بھی خیال نہیں کیا۔ (ملاحظہ: وزیر نظرِ کتاب کی ج ۱۲، ص ۳۱۶، ۳۱۷، ۳۱۸ اور ۳۱۹)

انہوں نے ذمی نصرانیوں اور یہودیوں کے مطالبات و حقوق اور ان کی عبادت گاہوں کے تحفظ کی اسلامی احکام کی رو سے ہمیشہ حمایت و کا لست کی لیکن جب ان سے کچھ نصرانی پادریوں کی طرف سے ایک خط کے ذریعہ کچھ ایسے جانوروں کی حلت و حرمت کے بارے میں گدھے کی شمولیت کا شک ہوتا تھا فتنہ اسلامی کی رو سے فتویٰ طلب کیا گیا تو انہوں نے بلا جھگٹ اس کے خلاف فتویٰ تحریر کر کے صحیح دیا، گدھے کو نصرانی یہودی مذاہب میں بھی حرام تھہرا یا گیا ہے۔ (ملاحظہ: وزیر نظرِ کتاب کی ج ۱۲، ص ۳۱۹-۳۲۰)

ندہبی عقائد:

ابن کثیر[ؓ] نے اپنے ندہبی عقائد کے بارے میں کبھی بحث و مباحثہ کو دل نہیں دیا بلکہ صرف یہ کہنے پر اکتفا کیا کہ وہ شیخ الاسلام ابن تیمیہ[ؓ] کے شاگردوں اور ان کے معتقد رہے ہیں۔

ان کی فتوؤں کے سلسلے میں صاف گوئی و حق پرستی نے انہیں آخر عمر میں بھی اکثر مشکلات و نقصانات سے دوچار کیا لیکن جیسا کہ سطور بالا میں عرض کیا گیا انہوں نے ہر کام فی سبیل اللہ کیا اور ہر تکلیف پر صبر و استقامت کا ثبوت دیا۔ ان کا انتقال بروز جمعہ ۲۶ شعبان ۱۴۴۷ھ بھری کو ہوا اور ان کی مدفن ان کی وصیت کے مطابق شیخ الاسلام کے مقبرے کے پاس دمشق کے باہر مقبرہ ملومنیہ میں ہوئی۔ ابن ناصر کے بقول ”ان کے جنازے میں بے شمار لوگوں نے شرکت کی“، اللہ تعالیٰ جل شانہ، ان کی مغفرت فرمائے۔

تصنیفات و تالیفات:

ابن کثیر[ؓ] کی تصانیف و تالیفات بے شمار ہیں جن کی صحیح تعداد بتانا ہمارے لیے فی الحال ناممکن ہے کیونکہ ان میں سے اکثر اب مفقود ہیں اور اگر وہ کہیں موجود بھی ہیں تو اب تک ان کی نشاندہی نہیں ہو سکی۔ البتہ انہوں نے اپنی کتب تفسیر میں جگہ جگہ حسب موقع ان کی طرف اشارے کیے ہیں۔ بہر حال جو اس وقت دستیاب ہیں یا ان کی نشاندہی ہی ہمارے محترم القام بھائی علامہ شیخ محمد عبدالرزاق حمزہ نے اپنی کتاب ”اختصار علوم الحدیث“ میں کہی ہے ان کی فہرست و تفصیلات درج ذیل ہیں:

① التفسیر: ہم نے اس کتاب کا مختصر ایڈیشن شائع کیا ہے اور اس پر مقدمہ بھی لکھا ہے۔

② البداية والنهاية: یہ نہایت نفیس اور مشہور تاریخی کتاب پہلی بار ۱۳۵۸ھ بھری میں مصر میں طبع ہوئی۔ اسے خود مصنف نے ۱۳ جلدوں یا حصوں میں تقسیم کیا ہے اور جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے اس میں تخلیق کائنات سے لے کر اپنی وفات سے ۶ سال قبل تک یعنی ۱۳۶۵ھ تک کے تاریخی حالات درج کیے ہیں۔ اس کے بعد ۶ سال کے دوران میں اس کتاب میں شامل کرنے کے لیے اپنی وفات ۱۳۷۲ھ تک جو حصے مرتب کیے وہ ابھی تک کہیں سے شائع نہیں ہوئے لیکن اس کی طرف کتاب کے نام کے درسرے حصے ”النهاية“ سے اشارہ ملتا ہے ظاہر ہے کہ اگر مصنف موصوف بر رضائے اللہ ہے بھری میں وفات نہ پاجاتے تو یہ کتاب اپنے نام کے لحاظ سے کئی اور جلدوں پر اور حصوں پر مشتمل ہوتی۔

③ السیرۃ النبویہ: یہ کتاب ہماری نظر سے نہیں گزری لیکن مصنف موصوف نے اس کی طرف اپنی کتاب ”السیرۃ“ میں قرآن شریف کی سورہ احزاب کی تفسیر کرتے ہوئے اشارہ کیا ہے۔ اس طویل کتاب یعنی ”السیرۃ“ کو ہم نے کئی حصوں

میں مکمل شائع کیا ہے۔

④ **السیرۃ:** یہ مصنف موصوف کی مندرجہ بالا پہلی کتاب کا مختصر ایڈیشن ہے جو مصر میں "الفصول فی اختصار سیرۃ الرسول" کے نام سے ۱۸۵۸ء میں شائع ہوا۔ "السیرۃ" کا یہ مختصر ایڈیشن جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے یقیناً نامکمل ہے۔ خدا جانے یہ ایڈیشن خود مصنف موصوف نے مرتب کیا تھا یا اسے مصری مکتبہ نے مرتب کر کے شائع کیا ہے۔ البتہ اس مختصر ایڈیشن کے مقدمہ میں مصنف سے منسوب کردہ یہ الفاظ ملتے ہیں: "ایام نبوت اور تاریخ اسلام پر مشتمل یہ مکمل و مختصر حصہ میں نے اس زمانے کے بارے میں اپنی ابتدائی معلومات کی حد تک لکھا ہے۔" اس کے بعد مذکورہ بالا مقدمہ میں مصنف سے منسوب کردہ یہ الفاظ درج کیے گئے ہیں: "میرا رادا ہے کہ اس مختصر حصے کے بعد جو رسول اللہ ﷺ کے حسب و نسب آپ کے ایام نبوت اور تاریخ اسلام کے کچھ مابعد حالات پر مشتمل ہے اپنی زندگی کے آخری ایام ملک کے تاریخی حالات مکمل طور پر لکھوں۔" تاہم "السیرۃ" کا مطبوع خاص و عام وہی مکمل نہ ہے جسے مدینہ منورہ میں مکتبہ عارف حکمت نے شائع کیا ہے لیکن اس نئے کوئی کتابت و طباعت کے لحاظ سے یقیناً ناقص ہی کہہ سکتے ہیں۔

⑤ **اختصار علوم الحدیث:** یہ اس نام کی کتاب یعنی "علوم الحدیث" کا مختصر ایڈیشن ہے جو مکہ مکرمہ میں طبع اور وہیں سے شائع ہوا۔ اس کی اصطلاحات پرمنی مقدمہ ابن الصلاح نے لکھا ہے۔ ہم نے یہ نسخ مع شرح دوبار شائع کیا ہے جس کا ذکر ہم نے صفحہ ۲۷ پر کر دیا ہے۔

⑥ **جامع المسانید والسنن:** اس کتاب کا ذکر شیخ محمد عبدالرزاق حمزہ نے اپنی کتاب موسومہ "الهدهی والسنن فی احادیث المسانید والسنن" میں کیا ہے جس میں شیخ موصوف نے بقول خود "مندادام احمد" ، البزار، ابی یعلیٰ اور ابن ابی شیبہ میں درج احادیث کے علاوہ صحیحہ میں مندرج احادیث کو بھی سمجھا کر دیا ہے۔ لیکن ہمیں یہ بات بعد از قیاس معلوم ہوتی ہے کیونکہ شیخ موصوف نے اپنی مذکورہ بالا کتاب میں اس اعلان کے باوجود اسے مکمل نہیں کیا کیونکہ اس کتاب کی صرف چار جلدیں "دارالکتب مصریہ" نے شائع کی ہیں اور آخری جلد مندادی ہریرہ میں درج احادیث پرتفی ہے اور اس میں بھی مرتب نے مندادام احمد میں درج احادیث کے علاوہ حرف جم کے تحت تابعین کی بیان کردہ احادیث بھی "روایت ابی ہریرہ" کہہ کر شامل کر دی ہیں اور ان احادیث کے راویوں کے نام "جعفر بن عیاض مدینی" یعنی ابو ہریرہ نہیں اور امام احمد بتائے ہیں۔ یہ آخری جلد ۲۶۹ اور اقل پر مشتمل ہے اور اس میں بھی مندادی ہریرہ نہیں اور مندادام احمد سے منقول احادیث میں جگہ جگہ اکثر ویشرت اصلاحات شامل کر دی ہیں۔ تاہم ہم نے اس جلد میں کہیں "البزار، ابی یعلیٰ اور ابن ابی شیبہ" کا حوالہ نہیں پایا جب کہ اس میں صحیحہ ستہ کا بطور اشارات ذکر موجود ہے۔ اس کے علاوہ ہم نے اس جلد کے مسودے میں بھی کسی جگہ اصل مصنف کی قلم بند کردہ کوئی تحریر تلاش بیار کے باوجود نہیں پائی۔ اس لیے (محققین کے لیے) ضروری ہے کہ ان ساتوں جلدوں کے مسودات (قلمی نسخوں) کو سمجھا کر کے جو مجموعی طور پر ۲۲۸۰ صفحات پر مشتمل ہیں مزید تحقیق کی جائے۔

- ⑦ التکمیل فی معرفة الفقّات والضعفاء والمجاهيل: اس کتاب میں ابن کثیر نے اپنے دو شیوخ المزدی اور الذهبی کی علی الترتیب دو کتابوں ”تهذیب الکمال“ اور ”میزان الاعتدال“ کو بیجا کر کے ان پر جرح و تقدیل کے ذریعہ اسے درحقیقت ایک مستقل تصنیف بنادیا ہے۔
- ⑧ مسنند شیخین: ابی بکر و عمر (رضی اللہ عنہما)
- ⑨ رسالہ فی الجہاد: (یہ کتاب چھپ بجکی ہے)
- ⑩ طبقات شافعیہ: مع مناقب امام شافعی۔
- ⑪ الدخل الی کتاب السنن مصنفة بیہقی کے مختصر ایڈیشن کی ترتیب و تفہیح۔
- ⑫ المقدمات: اس کتاب میں مصنف نے مصطلحات پر تحقیقی مواد جمع کر دیا ہے۔
- ⑬ تخریج احادیث ادلة التنبیه فی فروع الشافعیہ.
- ⑭ تخریج احادیث مختصر ابن حاجب فی الاصول.
- ⑮ شرح صحیح بخاری: صحیح بخاری کی یہ شرح مصنف نے شروع کی تھی لیکن اسے تکمیل نہ پہنچا سکے جس کا ذکر انہوں نے اپنی (دوسری) کتابوں میں بار بار کیا ہے۔
- ⑯ کتاب الاحکام: یہ کتاب (اپنے موضوع کے لحاظ سے) ایک عظیم کتاب ہے لیکن (اسوس ہے کہ) اسے مصنف موصوف پا یہ تکمیل نہ پہنچا سکے۔ اور یہ عظیم کتاب احکام حج پر ختم ہو کر رہ گئی۔ (ترجمہ انسخہ بیروت لبنان)



كتابات

(مصنف کے سوانح حیات و تصنیفات کے مآخذ)

- | | |
|--|--|
| البداية والنهاية (ابن کثیرؒ کی عظیم تاریخی کتاب) | مطبوعہ مصر، ۱۳۵۸ھ
طبع حیدر آباد (دکن) ۱۳۳۲ھ |
| تذكرة الحفاظ مصنفوہ ہی | حصہ اول مطبوعہ دمشق ۱۳۶۷ھ |
| الدارس (تاریخ دارس) مصنفوہ نعیمی | حصہ اول مطبوعہ حیدر آباد (دکن) ۱۳۳۸ھ |
| الدرر الکامنہ مصنفوہ حافظ ابن حجر | مطبوعہ مصر، ۱۳۳۷ھ |
| ذیول تذكرة الحفاظ مصنفوہ حسینی | مطبوعہ مصر، ۱۳۳۷ھ |
| ذیول تذكرة الحفاظ مصنفوہ سیوطی | جلد ۱۱، مطبوعہ دارالکتب مصریہ ۱۳۶۹ھ |
| النجم الظاہرہ مصنفوہ ابن تخری بردی | جلد ۲، مطبوعہ مصر، ۱۳۵۱ھ |
| شذرات الذہب مصنفوہ ابن غماد | مطبوعہ مصر، ۱۳۲۹ھ |
| الرؤا الوارف مصنفوہ ابن یاصرا الدین | مطبوعہ مصر، ۱۳۷۰ھ |
| سوانح حیات مصنف علام شیخ محمد عبدالرزاق حمزہ جوان کی تصنیف
”اختصار علوم الحدیث“ میں بطور مقدمہ شامل ہے اور اس کی شرح
ہماری ہے۔ | (اخذ و ترجمہ از نسخہ بیرونی لبنان) |



باب ۱

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ

سب تعریف اللہ تعالیٰ جل جلالہ و عز شانہ کے لیے ہے جو اول دآخر ہے اول اس لیے کہ اس سے قبل کوئی چیز نہیں تھی اور آخر اس لیے کہ وہ قدیم ہونے کے علاوہ جملہ اشیائے کائنات کے مقابلے میں یعنی بر عکس جو مت جانے والی ہیں واجب الوجود اور لمیزیل ہے۔ اسی نے ہر چیز حیوانوں، انسانوں، جنوں اور فرشتوں کو تحلیق کر کے ان کی مقدار تقدیر میں یعنی کردی ہے۔

اسی نے آسمانوں کو بے ستون بلند کر کے ٹھہرایا اور انہیں کواکب اور دوسرے روشن اجرام سماوی سے مزین کیا، اسی نے آسمان میں چیکتے ہوئے چاند اور سورج بنائے، اسی نے آسمانوں سے اوپر عرش عظیم و عالی بالکریم مسکن کیا جسے ملائکہ کرام اٹھائے ہوئے ہیں اور اس کے گرد و پیش ملائکہ مقریبین عَلَيْكُمُ الْحَمْدُ حاضر ہتے ہیں۔ ان کے علاوہ اور بے شمار فرشتے ادھر اور ہر موجود رہتے ہیں نیز ایسے ستر ہزار فرشتے اور ہیں جو اس آسمان تک پہنچ کر لوٹتے نہیں اور دوسرے فرشتوں کی طرح اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تجلیل میں مصروف رہتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی نے دوسری مخلوقات عالم کے لیے پانی پر زمین کو ٹھہرایا اور اسے پہاڑوں سے مسکن کیا اور زمین میں پانی سے مخلوقات کے لیے رزق پیدا کیا۔ یہ سب تخلیق سعادتوں سے چار روز قمل پیدا کیا اور زمین پر ہر چیز کو جوڑوں میں پیدا کیا اور یہ سب کچھ بھی نوع انسان کے لیے پیدا کیا جن میں وہ حیوانات بھی شامل ہیں جو انسانوں کی خوراک کا ذریعہ ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہی نے انسان کو مٹی سے تخلیق کیا، پھر اسے مادہ منویہ سے درجہ بدرجہ گوشت پوست اور ہڈیوں میں تبدیل کر کے انسانی شکل بخشی نیز اسے ساعت و بصارت عطا فرمایا کہ ہر طرح مکمل فرمایا اور اس کی زندگی کے لیے کوئی چیز مطلق باقی نہ چھوڑی۔ اس کے علاوہ اسے علم کا شرف بخشنا۔

اللہ تعالیٰ ہی نے نوع انسانی کا آغاز تخلیق آدم سے کیا یعنی پہلے اس کا جسم بنایا۔ پھر اس میں روح پھونکی جس کے بعد فرشتوں نے آدم کو اس کے حکم سے سجدہ کیا۔ اس طرح حضرت آدم عَلَيْكُمُ الْحَمْدُ ابوالبشر ٹھہرے۔ پھر اللہ تعالیٰ نے انہی سے حضرت حوا کو پیدا کیا جو ام البشر ٹھہریں۔ پھر ان دونوں کو اپنی وحدت عطا فرمایا کہ جنت میں ٹھہرایا جس کے بعد انہیں زمین پر اتنا تارکر ان کی اولاد میں کثرت سے مردوزن پیدا کیے اور انہیں مختلف طبقات میں تقسیم کیا یعنی کسی کو بادشاہ بنایا اور کسی کو رعایا، کسی کو امیر بنایا اور کسی کو فقیر اور یہ سب کچھ اس نے اپنی خاص حکمت سے کیا کہ کسی کو آزاد پیدا کیا اور کسی کو اس کا غلام بنایا۔ اس نے بنی نوع انسان کو زمین کے طول و عرض پر اس کے اطراف و اکناف میں ہر طرف پھیلایا، انہیں ایک دوسرے سے مختلف بنایا، یہ بھی اسی کی حکمت ہے۔

اسی نے بنی نوع انسان کے لیے سمندر اور دریا نیز جھرنے اور چشمے پیدا کیے اور انہیں انکی ضروریات زندگی کے حصول کا

ذریعہ بنایا۔ اس نے انسان کے لیے زمین و آسمان اور ان کے اندر جو کچھ ہے مختصر کر دیا۔ اسی نے انسان کے لیے بادل پیدا کر کے ان سے بارش بر سائی اور اس سے اس کے لیے زراعت و آثار پیدا کیے، اس نے انسان کے حال و قال کے مطابق ہر چیز عطا فرمائی۔ یہ سب اس کا انسان پر احسان عظیم ہے۔ حیف صد حیف کہ انسان اللہ تعالیٰ کی ان ظاہر و باہر نعمتوں سے مستفید و مستفیض ہوتے ہوئے بھی اس سے مختصر ہو کر ظالم و جاہل تھہرا حالت کہ اس نے وقت فرما اپنے انہیاء و مرسلین کے ذریعہ بنی نوع انسان پر اپنے احکام و ہدایات پر مشتمل آسمانی صحائف نازل کیے اور کتابیں اور ان میں تخلیق کائنات سے لے کر یوم قیامت تک کی تمام تفصیلات شامل فرمادیں۔

چنانچہ وہ شخص بڑا سعادت مند اور خوش نصیب ہے جس نے ان قرآن پاک اور احادیث نبوی کے ذریعہ فراہم شدہ خبروں کی تصدیق کی اور انہیں صدق دل سے تسلیم کیا ہے۔ قرآن میں جواہر و نواعی موجود ہیں انہیں بخوبی قبول کر کے ان پر عمل پیرا ہوا جس کی وجہ سے اس نے جہنم کے دردناک عذاب سے نجات پائی۔

میں اس ذات پاک و بے ہمتا کا حدد رجہ شکرگزار ہوں جس نے ہم انسانوں کو زمین و آسمان کی بے شمار نعمتوں سے سرفراز فرمایا۔ اس کا کوئی شریک و سہیم ہے نہ عدیل و مثیل، اس کی بادشاہت قدیم اور ہمیشہ قائم رہنے والی ہے۔ اس کا کوئی عددید و ندید ہے اور نہ قیسم۔ میں گواہی دیتا ہوں کہ اس کے سوا کوئی معبد و نہیں اور وہ واحد اور لاشریک ہے۔ اس کی کوئی نظریہ اور نہ اس کا کوئی مصاحب و مشریک ہے۔ میں یہ بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد اس کے بندے اور رسول اور اس کے عجیب و غلیل ہیں۔ محمد مصطفیٰ عربوں کے شریف ترین شخص ہیں، مالک حوض کوثر اور شافع روز محشر ہیں، وہ خاتم الانبیاء ہیں جن کا پرچم روز قیامت اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے مقام محمود پر قائم ہوگا۔ جس کے سامنے میں پناہ لینے کے لیے مخلوق خداوندی صرف اسی طرف رُخ کرے گی حتیٰ کہ جملہ انبیاء و مرسیین حضرت ابراہیم خلیل اللہ سمیت آپؐ کے اس پرچم کے سامنے میں آنے کے خواہش مند ہوں گے۔ آپؐ کے صحابہ کرام پر سلام جنہوں نے آپؐ کی مکمل بیروتی کر کے ظلمت شب کروز روشن کے نور میں تبدیل کر دیا۔ وہ انبیاء علیہم السلام کے بعد خلاصہ کائنات ہیں رضی اللہ عنہم اجمعین۔

اس حمد و شکر کے بعد اب یہ بندہ ناچیز خدائے بزرگ و برتر کے حسن توفیق، اس کی امداد و اعانت اور اس کی بخشی ہوئی طاقت کے سہارے زیر نظر کتاب میں تخلیق کائنات و مخلوقات تخلیق عرش و کرسی و سادات، تخلیق زمین اور اس میں جو کچھ ہے، تخلیق ملائکہ و جنات و شیاطین، کیفیت تخلیق آدم علیہ السلام، قصص انبیاء اور بنی اسرائیل تک ان کے جملہ حالات و کوائف سے لے کر بنی کریم علیہم السلام کی نبوت تک تاریخی حالات بیان کرے گا جن سے امید واثق ہے کہ بنی نوع انسان کی شرح صد ور کے علاوہ ان کے باطنی و روحاںی امراض کا مدار اور صحیح علاج ممکن ہوگا۔ و ما توفیقی الا بالله۔

اس کے بعد ہم اس کتاب میں ان حالات و کوائف کا ذکر کریں گے جو ہمارے زمانے تک گزرے اور اس کے ساتھ حشو نشر اور روز قیامت کے حالات، دوزخ اور اس کی کیفیت، جنت اور اس کے حسین و جمیل مناظر نیز دوسری متعلقہ باتیں اور وہ جملہ باتیں جو احادیث نبوت اور علمائے کرام کے توسط سے ہم تک پہنچی ہیں بیان کریں گے۔

اس رائیلات کے بارے میں صرف وہی باتیں بیان کریں گے جنہیں بیان کرنے کی شارع اسلام علیہ السلام نے ہمیں اجازت دی ہے اور یہ کہ ان میں اور قرآن پاک میں بیان کردہ فصوص میں کوئی اتنا نہیں ہے تاہم ان کی تصدیق یا انکندیب کی ذمہ داری بحیثیت مؤرخ..... ہم پر عائد نہیں ہوتی ہم تو صرف اللہ تعالیٰ جل شانہ سے یہاں انہیں مختصر بیان کرنے کے لیے اس کی توفیق کے متدعی ہیں۔ وہ المستعن.

اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں یعنی قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ﴿كَذَلِكَ نَقْصُ عَلَيْكَ مِنْ أَنْبَاءٍ مَا قَدْ سَبَقَ وَ قَدْ أَتَيْنَاكَ مِنْ لَدُنَّا ذُكْرًا﴾ یعنی اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں اپنے نبی علیہ السلام کے لیے ازمنہ ماضی، اپنے اولیاء و اعداء کا ذکر فرمایا لیکن اسی حد تک جو آپ کی امت کے لیے بھی کافی اور وافی و شافی ہو۔ بہر حال آپ سے ہم تک جو کچھ پہنچا اسے ہی بیان کرنے پر ہم نے اکتفا کیا ہے اور وہی بیان کیا ہے جو امت مسلمہ اور نبی نوع انسان کے مفید مطلب ہو۔ البتہ ہم نے ان بیانات کو اس کتاب میں شامل کرنے سے احتراز کیا ہے جن میں علماء و مؤرخین سے سہواً غلطیاں سرزد ہوئی ہیں۔ یا ان میں اکثر و بیشتر باہمی اختلافات ہیں۔

آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث جسے امام بخاریؓ نے اپنی کتاب صحیح بخاری میں درج کیا ہے یہ ہے۔

ترجمہ: ”میری بیان کردہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو رسولوں تک پہنچا دو۔“ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ترجمہ: ”اگر اس میں کوئی قباحت نہ ہو تو بنی اسرائیل کا ذکر کرہو میرے بیانات کے بارے جھوٹ نہ بولو (کیونکہ) جس نے میرے بیانات کے بارے میں جھوٹ بولا اس کی مقداد آگ سے بھری جائے گی۔“ یہ بات آپ نے اسرائیلات کے اذکار کے بارے میں ارشاد فرمائی جن کے بارے میں ہمارا خاموش رہنا ہی مناسب ہے۔ ہمیں ان کی تصدیق یا انکندیب کی ضرورت نہیں، ہم نے اس کتاب میں جو کچھ لکھا ہے وہ اس کے مآخذ کے بارے میں اعتقاد و اعتبار پر مبنی ہے۔ البتہ شریعت کی رو سے ہمارے نزدیک جو باتیں مصدقہ ہیں ہم نے ان کو بیان کرنا ضروری سمجھا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ہمیں جو رسول بخشادہ سب رسولوں سے برتر ہے اور اس پر جو کتاب نازل فرمائی وہ سب کتب آسمانی سے برتو افضل ہے کیونکہ دوسری تمام کتب آسمانی میں تحریف و تغیر، خلط ملط او تبدیلیاں نیز تشنیخ اور اضافے ہو چکے ہیں۔

بخاری احتیاج وہ کلام ربانی ہے جو ہمارے نبی کریم ﷺ کی رسالت باسعادت سے ہم تک پہنچا اس کوئی اسے سمجھے یا نہ سمجھے جیسا کہ حضرت علی بن ابی طالب (رضی اللہ عنہ) نے ارشاد فرمایا: ”قرآن میں تم سے پہلے اور تمہارے بعد کی جملہ بھریں موجود ہیں اس میں جو احکام ہیں ان کے صدور کا فضل بھی ضروری تھا اور وہ بے محل نہیں ہے، جس نے اللہ تعالیٰ کی ہدایت کو قبول کیا وہی ہدایت یافتہ ہے اور جس نے اس کے علاوہ کسی اور کی ہدایت کو قبول کیا اور ان پر عمل کیا وہ گمراہ ہے۔“

حضرت ابوذر (غفاری) رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ”آنحضرت ﷺ نے اپنی وفات تک ہر بات سے آگاہ فرمایا حتیٰ کہ جو پرندہ اپنے پروں سے اڑتا ہے اس کے بارے میں بھی ارشاد فرمادیا اور اس سے ہمیں باخبر فرمایا۔“

امام بخاریؓ نے اپنی کتاب احادیث صحیح بخاری میں تخلیق کائنات کے آغاز میں ذکر کیا ہے۔ عیسیٰ بن موسیٰ غنجر سے بحوالہ

رقیہ، قیس بن مسلم اور طارق بن شہاب مردی ہے کہ آخراً الذکر نے انہیں بتایا کہ ایک روز جب رسول اللہ ﷺ ہم لوگوں کے ساتھ کھڑے تھے تو آپ نے تخلیق کائنات سے لے کر اہل جنت کے جنت میں داخل ہونے اور دوزخیوں کے دوزخ میں داخل ہونے تک تمام کو اکف ہم سے بیان فرمائے۔ بہر حال جس نے انہیں یاد کھا اور جس نے بھلا دیا بھلا دیا۔ یہ روایت ابو مسعود رشيقی اور امام بخاریؓ نے بھی بیان کی ہے جسے عیسیٰ غنچا رنے ابی حمزہ اور رقیہ کے حوالے سے پیش کیا ہے۔

یہی روایت امام احمد بن حنبلؓ نے اپنی مندوں میں یوں بیان فرمائی ہے:

”هم سے ابو عاصم^①، عذرہ بن ثابت، علبا بن احریشکری اور حضرت ابو زید انصاری نے بیان کیا: ”(ایک روز) رسول اللہ ﷺ نے ہمارے ساتھ صحیح کی نماز ادا فرمائی اس کے بعد آپ نبیر پر تشریف فرما ہو کر ظہر تک ہم سے خطاب فرماتے رہے۔ پھر ظہر کی نماز کے بعد اسی طرح ہم سے عصر تک خطاب فرمایا، پھر عصر کی نماز سے فراغت کے بعد مغرب تک اسی طرح ہم سے خطاب فرمایا اور اسی طرح مغرب اور عشاء کی نمازوں کے بعد ہم سے خطاب فرمایا۔ آپ نے اپنے ان جملہ خطبوں میں تخلیق کائنات سے لے کر تاقیام قیامت تمام کو اکف کا ذکر فرمایا اور ہم نے انہیں اپنے حافظے میں محفوظ کر لیا۔“

اسی روایت کو فریباً اسی طرح اپنے طریقے سے امام مسلم نے اپنی کتاب احادیث ”صحیح مسلم“ میں عنوان کتاب الفتن کے تحت یعقوب بن ابراہیم الدورقی، حاج بن شاعر کے حوالے سے بیان کیا اور یہ بھی بیان کیا کہ ان جملہ حضرات کی بیان کردہ یہ حدیث نبوی اصلًا یکے بعد دیگرے ابی عاصم ضحاک بن خلدونیل بن عذرہ، علبا، ابی زید بن عمر و بن الخطب بن رفاء انصاری نبی ﷺ سے مردی ہے۔



^① مصنف کے اس نسخے میں یہی معنی ابو عاصم لکھا ہے لیکن ایک دوسرے نسخے میں ابو عامر ہے جب کہ دونوں جگہ راویوں کے نام ایک ہی ہیں اس لیے اس نام کی تصدیق نہیں کر سکتے۔ (محمود الامام)

فصل: ۱

خالق وملحق:

الله تعالى نے اپنی عزیز و مقدس کتاب میں ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَاللَّهُ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَوِيلٌ﴾ اس لیے درحقیقت وہی ہر چیز کا خالق اور باقی تمام اشیاء اس کی مخلوق ہیں اور وہی ان جملہ مخلوقات کا منتظم حقیقی ہے اور اس کا عرش وہ چھپت ہے جو سطح ارضی سے تخت اٹھائی تک اس مخلوقات جامد و ناطق کے اوپر قائم و دامگ ہے اور اس کی ذات قدیم و لم یزل ان جملہ مخلوقات کی معبدوں ہے اور یہ مخلوقات اسی کے قہر و قدرت کے تحت مختلف کاموں پر مامور ہیں اور اسی کے تصرف اور مشیت کے تحت اپنے اپنے کام کر رہے ہیں اور وہی ذات پاک ہمہ وقت ان کے ساتھ ہے اور اسے ان کے ہر کام کی خبر اور بصیرت حاصل ہے:

﴿وَهُوَ مَعْكُمْ أَيْنَمَا كُنْتُمْ وَاللَّهُ بِمَا تَعْمَلُونَ بَصِيرٌ﴾

تمام بڑے بڑے عالم اس بات پر متفق ہیں اور انہیں اس میں مطلق شک نہیں کہ اللہ تعالیٰ نے یہ زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے چھروز میں تخلیق فرمایا۔ البتہ اگر اس ضمن میں ان کے درمیان کوئی بظاہر اختلاف ہے تو صرف اتنا کہ آیا ان چھ دنوں سے وہی دن مراد ہیں جن کا ہم اس دنیا میں شمار کرتے ہیں یا ان سے جیسا کہ بتایا گیا وہ ایام مراد ہیں جن میں سے ہر دن ایک ہزار سال کے برابر ہے نیز یہ کہ آیا زمین اور آسمانوں کے درمیان ان چھ دنوں سے قبل بھی کوئی شے تخلیق ہوئی تھی یا نہیں؟ اس موضوع پر ہم آگے چل کر مدلل گفتگو کریں گے جیسا کہ ہم اپنی تفسیر میں اس آیہ مبارکہ پر کہا چکے ہیں۔ ویسے بعض صلحاء یہ کہتے ہیں کہ زمین اور آسمانوں کی تخلیق سے قبل ان کے درمیان کوئی شے موجود نہیں تھی اور بعض یہ کہتے ہیں کہ تھی، اور اس کے ثبوت میں وہ قرآن سے یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ وَكَانَ عَرْشُهُ عَلَى الْقَبَاءِ﴾ یعنی اس نے زمین اور آسمانوں کو چھروز میں پیدا کیا جب کہ اس کا عرش پانی پر تھا۔

جیسا کہ حدیث عمران میں موجود ہے اور جس کا ہم آگے چل کر انشاء اللہ مفصل بیان کریں گے۔ قرآن شریف سے ثابت ہے کہ تخلیق کائنات سے قبل خدا کے سوا کوئی شے موجود نہیں تھی اور یکبارگی عدم سے وجود میں آئی۔ عمران بن حصین کی حدیث:

”کان اللہ و لم يكن قبله شيء و كان عرشه على الماء الخ“.

امام احمد^{رحمۃ اللہ علیہ}، حماد بن سلمہ، ابو یعلی، ابن عطاء و کعب بن جدہ اور ان کے پیغمبر زین القیظ بن عامر عقیلی کے حوالے سے روایت فرماتے ہیں کہ آخر الذکر نے ایک روز رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا: ”یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) زمین اور آسمانوں کی تخلیق سے قبل ہمارا رب کہاں تھا؟“ اس سوال کے جواب میں آپ نے فرمایا: ”وہ لامکاں میں تھا جس کے اوپر اور نیچے (بے نام) ہوائی خلا تھا پھر اس نے اپنا عرش پانی پر تخلیق فرمایا۔“

امام احمد^{رحمۃ اللہ علیہ} نے یہی روایت حدیث مبارکہ بیزید بن ہرون اور حماد بن سلمہ کے حوالے سے بیان کی ہے اور اس میں سوال اجواباً

وہی الفاظ مقرر کیے ہیں جن کا استخراج ترمذی نے کرتے ہوئے اسے روایت حسن کہا ہے تاہم ترمذی رحم اللہ نے یہ حدیث احمد بن منجع، ابن الجبہ، ابن بکر، بن ابی شیبہ اور محمد بن صباح کے الفاظ میں یزید بن ہارون کے حوالے سے بیان کی ہے۔ البتہ اس بارے میں علمائے دین میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے کوئی چیز تخلیق فرمائی۔ بہر حال کچھ علماء کے زدیک اللہ تعالیٰ نے سب سے پہلے قلم پیدا کیا اور اس کے بعد باقی تمام اشیاء تخلیق فرمائیں۔ ابن جریر اور ابن جوزی نے بھی یہی بات اختیار کی ہے جب کہ ابن جریر کہتے ہیں کہ قلم کے بعد اللہ تعالیٰ نے ریق بادل پیدا فرمایا، تاہم ان جملہ اصحاب نے اس حدیث مبارکہ پر اتفاق کیا ہے جو امام احمد، ابو داؤد، ترمذی اور عبادہ بن صامتؓ سے مردی ہے۔ وہ حدیث مبارکہ یہ ہے: ”آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے قلم تخلیق فرمایا اور قلم نے (اس کے حکم سے) پھر وہ تمام موجودات کوں و مکان جو روز اول سے تا قیام قیامت وجود میں آنے والی تھیں۔ رقم کر دیں۔“ اس حدیث مبارکہ کی روایت میں یہ امام احمدؓ کے الفاظ ہیں۔ تاہم اس حدیث کو حسن اور صحیح کے ساتھ غریب بھی لکھا ہے لیکن حدیث نبوی کے جن الفاظ پر جمہور علمائے دین کا اتفاق ہے اور جنہیں حافظ ابوالعلاء ہمدانی وغیرہ نے نقل کیا وہ ”آن العرش مخلوق قبل ذالک“ ہیں (سب سے پہلے یعنی قلم سے بھی پہلے عرش کی تخلیق ہوئی) یہ بہر حال ابن جریر کی روایت ہے جو انہوں نے ابن عباس کے حوالے سے پیش کی ہے اور اسی کی سند پر اسے مسلمؓ نے اپنی کتاب احادیث صحیح مسلم میں درج کیا ہے لیکن اس کے ساتھ یہ الفاظ بھی اضافہ کیے ہیں کہ ہم سے ابو طاہر نے یکے بعد دیگرے احمد بن عمر بن سرح، ابن وہب، ابوہانی خوارانی، ابن عبدالرحمٰن الحنفی اور عبد اللہ بن عمر ابن العاص کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کے بقول انہوں نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سن: ”اللہ تعالیٰ نے ارض و سماءوں کی پچاس ہزار سال میں تخلیق سے قبل جملہ موجودات کی تصاویر بنا دی تھیں۔“ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: ”ان جملہ مخلوقات سے قبل قلم کی تخلیق ہوئی۔“

اس حدیث کی تائید کرتے ہوئے بخاریؓ نے عمران بن حصین کے حوالے سے بیان کیا ہے جو کہتے ہیں کہ اہل یمن نے رسول اللہ ﷺ سے جب دریافت کیا کہ موجودات عالم میں سب سے پہلے کس چیز کی تخلیق ہوئی تو آپؐ نے فرمایا کہ وجود باری تعالیٰ سے قبل کوئی شے نہیں تھی۔ تاہم بعض روایات میں اس حدیث کے ساتھ یہ الفاظ بھی پائے جاتے ہیں:

و كان عرشه على الماء و كتب في الذكر كل شيء و خلق السموات والأرض.

البتہ تخلیق عالم کے سلسلے میں اہل یمن نے حدیث کے وہ الفاظ بیان نہیں کیے جو ابن رزین کی روایت کردہ حدیث میں ہیں جنہیں ہم نے سطور بالا میں مسموں عن نقل کیا ہے۔ البتہ ابن جریر اور متاخرین نے بیان کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عرش سے قبل پانی پیدا فرمایا تھا۔ سدی نے ابن مالک، ابن صالح، ابن عباس اور مرحہ ابن مسعود کے حوالے نیز متعدد دوسرے اصحاب رسول اللہ ﷺ کی زبانی بیان کیا ہے کہ: ان اللہ کان عرشه على الماء و لم يخلق شيئاً غير ما خلق قبل الماء۔ یعنی اللہ تعالیٰ کا عرش پانی پر تھا اور پانی سے قبل کوئی چیز اللہ تعالیٰ نے تخلیق نہیں فرمائی تھی۔

بہر حال ابن جریر ہی نے محمد بن الحنفی کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے کہ ”سب سے پہلے اللہ تعالیٰ عزوجل نے نور و ظلت تخلیق فرمائے پھر انہیں ایک دوسرے سے میز کرنے کے لیے ظلت کوشش تاریک اور نور کو روز روشن کی شکل عطا فرمادی۔“

ابن جریر کے علاوہ کچھ اور لوگوں نے بھی کہا ہے کہ ”ہمارے رب نے قلم کے بعد کرسی کے بعد عرش کی تخلیق فرمائی۔“

جس کے بعد ہوا اور ظلت پیدا کیے اور اس کے بعد پانی پیدا کیا اور اس پر اپنا عرش مقرر فرمایا۔، واللہ اعلم بالصواب

فصل: ۲

صفات عرش:

عرش وكرسي کی صفات جو قرآن شریف میں بیان ہوئی ہیں وہ یہ ہیں:

① ﴿الرَّحْمَنُ عَلَى الْعَرْشِ اسْتَوَى﴾

② ﴿هُرَفِعُ الدَّرَجَاتِ ذُوا الْعَرْشِ﴾

③ ﴿فَتَعَالَى اللَّهُ الْمَلِكُ الْحَقُّ لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ﴾

④ ﴿لَا إِلَهَ إِلَّا هُوَ رَبُّ الْعَرْشِ الْعَظِيمِ﴾

⑤ ﴿وَهُوَ الْغَفُورُ الْوَدُودُ ذُوا الْعَرْشِ الْمَجِيدُ﴾

⑥ ﴿ثُمَّ اسْتَوَى عَلَى الْعَوْشِ﴾

⑦ ﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبَّنَا
وَسَعَتْ كُلُّ شَيْءٍ بِرَحْمَةٍ وَعِلْمًا﴾

⑧ ﴿وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوْقَهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَّةٌ﴾

⑨ ﴿وَتَرَى الْمَلَائِكَةَ حَافِينَ مِنْ حَوْلِ الْعَرْشِ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَقُضِيَ بَيْنَهُمْ بِالْحَقِّ وَقِيلَ الْحَمْدُ لِلَّهِ
رَبِّ الْعَالَمِينَ﴾

دعائے کرب میں ذکر عرش:

اس کے علاوہ صحیح میں جو دعائے کرب آئی ہے اس میں عرش کا ذکر یوں آیا ہے:

لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ۝ لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ رَبُّ السَّمَاوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ رَبُّ
السَّمَاوَاتِ وَرَبُّ الْأَرْضِ رَبُّ الْعَرْشِ الْكَرِيمِ ۝

امام احمد فرماتے ہیں کہ ان سے عبد الرزاق اور یحییٰ بن علانے اپنے پیشا شعیب بن خالد کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر سے
سماک بن حرب نے عبد اللہ بن عییرہ احف این قیس اور عباس بن عبد المطلب کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک روز وہ آنحضرت
صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کے میں بیٹھے ہوئے تھے تو آپ نے آسمان کی طرف دیکھ کر بادل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے ان سے دریافت
فرمایا: یہ جو تم دیکھ رہے ہو؟ ذکورہ بالاصحاب نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ بادل ہیں“۔ اس کے بعد آپ نے دریافت
فرمایا: ”کیا ان میں مزن (بارش) نہیں ہے؟“۔ ہم نے عرض کیا:
”بی حضور بارش بھی ہے“۔ اس کے بعد آپ نے ہم سے پوچھا: ”اور عنان؟“۔

یہ سن کر ہم چپ رہے کہ اسے اللہ اور اس کا رسول جانتے ہیں۔ تو آپ نے فرمایا: ”صحاب و عنان میں پانچ سو سال کی مسافت ہے۔ اس کے بعد مذکورہ بالا صحاب کے بقول آپ نے فرمایا: ایک آسمان سے دوسرے آسمان تک راستہ کھلا ہوا (صاف) ہے اور ساتویں آسمان کے اوپر اور نیچے خلائی بحر ہے جیسا زمین اور پہلے آسمان کے درمیان ہے ساتویں کے اوپر آخر چڑھائیاں ہیں دیسی ہی جیسی زمین اور پہلے آسمان کے درمیان میں ہیں۔ جن کے بعد شیب و فراز ہیں عرش کی پہنائی ہے جو عرش الہی کہلاتی ہے اور اتنی بلندیوں سے اللہ تعالیٰ کو بنی آدم کے ہر عمل کا علم ہوتا رہتا ہے۔“

یہ حدیث مبارکہ امام احمدؓ کے الفاظ میں مروی ہے جسے ابو داؤد، ابن ماجہؓ اور ترمذؓ نے اپنے اپنے ہاں سماک کی بیان کردہ حدیث بتا کر نقل کیا ہے۔ اس حدیث مبارکہ کو ترمذؓ نے حدیث حسن بتایا ہے۔ ویسے اس حدیث کی روایت میں کئی دیگر حضرات شریک ہیں اور اس بات پر متفق ہیں کہ یہ حدیث اصلًا سماک کی روایت کردہ ہے جس میں جیسا کہ ہم نے ابھی بیان کیا کچھ الفاظ ابو داؤد کے ہیں۔

مذکورہ بالا جملہ باتوں کے بارے میں جب صحابہ کرام رض میں بحث چلی تو آپ نے فرمایا: افسوس ہے تم پر کیا تم عرش و فرش اور ارض و سماءات اور ان کے درمیان جو خلائی فضا وغیرہ ہے اس کے بارے میں اتنا نہیں سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ کا عرش ان سب پر میحط اور اس کی ذات پاک عظیم ترین ہے۔ (ترجمہ مفہومی۔ شادافی)

ابن بشار کی روایت اس حدیث کی لفظی توسعہ کے بارے ہیں ان اللہ فوق عرشہ فوق سموته ہے جس کے بعد حدیث نبوی ختم ہوتی ہے۔ اس حدیث کو عبد الاعلیٰ، ابن شنی اور ابن بشار نے بھی یعقوب بن عقبہ، جیبر بن محمد بن جیبر اور آخر الذکر کے والد اور دادا کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ ابو داؤد نے اس حدیث کو احمد بن سعید کے حوالے سے روایت کرتے ہوئے صحیح بتایا ہے۔ اس حدیث کی صحت پر جس جماعت کو اتفاق ہے ان میں میکی بن معین اور علی بن مدینہ بھی شامل ہیں۔ اس کے علاوہ جیسا کہ امام احمدؓ نے ذکر کیا ہے اس حدیث کو ایک اور جماعت نے بھی روایت کیا ہے۔ بہر حال احادیث کا جو نزدیکیں دستیاب ہوائے اس میں اس حدیث کو عبد الاعلیٰ، ابن شنی اور ابن بشار کی نہاد سے منسوب کیا گیا ہے اور اس سے استخراج ابو داؤد نے کیا ہے۔

بہر حال حافظ ابو القاسم بن عساکر دمشقی نے اس حدیث کے خلاف اور اس کی رد میں جزوی طور پر باقاعدہ ایک کتاب پر لکھا ہے اور اس کا نام ”بیان الوهم و التخلیط الواقع في حدیث الاطیط“ رکھا ہے اور اس کے روایوں میں سے صرف محمد بن الحنفی پر طعنہ زدنی کی ہے اور اس میں لوگوں کے کلام کا ذکر کیا ہے۔ حالانکہ اس لفظ کا ذکر ابن الحنفی کے علاوہ متاخرین کے ہاں اس حدیث کے سلسلے میں اکثر ملتا ہے مثلاً عبد بن حمید اور ابن حجرین نے اس کی شرح کرتے ہوئے اور ابن ابی عاصم اور طبرانی نے اپنی کتابوں ”کتاب السنۃ“ میں اسی عنوان سے اس حدیث کا ذکر کیا ہے نیز بزار نے اپنی منداور حافظ ضیا مقدسی نے اپنی کتاب ”محتر“ میں ابی الحنفی سعیی کے ذریعہ عبد اللہ بن خلیفہ اور حضرت عمر بن خطاب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ ”ایک عورت نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: یا رسول اللہ! (علیہ السلام) میرے لیے اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ وہ مجھے (مرنے کے بعد) جنت میں داخل فرمائے۔“ تو آپ نے اللہ تعالیٰ کی عظمت و بزرگی کا ذکر فرماتے ہوئے اس عورت سے فرمایا:

”کیا تم جنت اور خدا نے بزرگ و برتر کے عرش و کرسی کو اپنی دنیاوی فضا کی طرح کوئی محدود چیز سمجھتی ہے؟“ اور مذکورہ بالاراویوں کے بقول جنت اور عرش و کرسی کی پہنائی اور اس کی وسعت کا ذکر فرماتے ہوئے اسی لفظ ”اطیط“ کا اضافہ فرمایا۔ عبداللہ بن خلیفہ کے نزدیک بہر حال یہ حدیث غیر مشہور اور اس میں حضرت کا حوالہ محل نظر ہے اور جن دوسرے راویوں نے اس حدیث کی روایت کی ہے اسے ”حدیث مرسل“ سمجھ رہا ہے اور ہمارے خیال میں بھی اس میں غریب اضافے ہیں۔ واللہ اعلم

صحیح بخاری میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب تم اللہ تعالیٰ سے جنت کا سوال کیا کرو تو اس سے فردوس کا سوال کیا کرو جو جنت کے اعلیٰ واو سط درجات ہیں جن کے اوپر اللہ تعالیٰ کا عرش ہے؟“ اس حدیث نبوی کو ہمارے شیخ حافظ مزri نے ”حدیث حسن“ میں بتائے ہوئے لفظ ”فوقه“ کی جگہ ”اعلاہا“ اور اس کے بعد ”عرش الرحمن“ لکھا ہے۔ ویسے بعض کتب احادیث میں راویوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ ”اہل فردوس عرش کی طرف سے آئی ہوئی“ ”اطیط“ (آواز بھی سنیں گے جو (درحقیقت) اللہ تعالیٰ کی تسبیح و تعظیم ہوگی۔“ جس کا مطلب فردوس سے اللہ تعالیٰ کے عرش کی قربت ہے۔

مجموعہ احادیث صحیح میں درج ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”سعد بن معاذ کی موت سے عرش خوش ہوا۔“

حافظ بن حافظ محمد ابن عثمان بن ابی شیبہ اپنی کتاب صفت العرش میں بعض اسلاف حوالے سے لکھتے ہیں کہ عرش کی تخلیق یا قوت احرار (سرخ) سے ہوئی اور اس کا قطر ایک طرف سے دوسری طرف تک پچاس لاکھ سال کی مسافت کے برابر ہے اور جیسا کہ ہم نے ارشاد باری تعالیٰ عز اسمہ کے ارشاد ﴿تَعْرُجُ الْمَلَائِكَةِ وَ الرُّوحُ إِلَيْهِ فِي يَوْمٍ مِقْدَارَةُ خَمْسِينَ الْفَسَنَةِ﴾ کی تفسیر کرتے ہوئے عرض کیا ہے کہ ارشاد ربانی کے مطابق ملائکہ اور روح کے یومیہ صعود کی مسافت پچاس لاکھ سال کی مسافت کے برابر ہے۔ اور یہ کہ عرش سے زمین کی طرف فرشتوں اور روح کی یہ آمد و رفت ہر بار پچاس لاکھ سال کی مسافت کے برابر ہے۔ متكلمین میں سے بعض کے نزدیک عرش جو مستور ہے اپنی ہر جانب سے عالم پر محیط ہے اور اسی لیے عرش کو فلک نہم اور فلک اطلس واشیر کا نام دیا ہے لیکن یہ بات شرعاً سے مطابقت نہیں رکھتی کیونکہ عرش کو ملائکہ اٹھائے ہوئے ہیں اور اس کے پائے ہیں انہیں کوئی اٹھائے ہوئے ہیں جب کہ کسی آسمان کے پائے نہیں ہیں اور وہ بے ستون قائم ہیں یعنی انہیں کوئی اٹھائے ہوئے نہیں ہے۔ پھر یہ کہ عرش جنت کے اوپر ہے اور جنت آسمانوں کے اوپر ہے اور جنت کے سورجات ہیں اور ان کے ہر درجے کا درمیانی فاصلہ زمین و آسمان کے درمیانی درجے کے فاصلے کے برابر ہے۔ چنانچہ عرش و کرسی کے ما بین جو فاصلہ ہے اسے آسمان کے درمیانی فاصلے سے کوئی نسبت نہیں ہے۔ اس کے علاوہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ عربی لغت کے لحاظ سے عرش سریعی تخت کا ہم معنی لفظ ہے اور ویسا ہی تخت جیسا بادشاہوں کا ہوتا ہے اور اس کے متعلق اللہ تعالیٰ کا ارشاد ”عرش عظیم“ ہے جو قطعی طور پر فلک نہیں ہو سکتا ان اہل عرب اسے فلک سمجھ سکتے ہیں۔ چونکہ قرآن پاک عربی زبان میں نازل ہوا ہے اس لیے ظاہر ہے کہ اہل عرب عرش کو فلک کس طرح کہہ سکتے ہیں؟ اس لیے عرش واقعۃ ایک تخت ہے، اس میں پائے ہیں اور اسے فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں۔ اس کے علاوہ وہ جیسا کہ کہا گیا ہے ایک گنبد کی شکل ہے جو مخلوقات کی حیثت ہے۔ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَ مَنْ حَوْلَهُ يَسْبِحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَ يُؤْمِنُونَ بِهِ وَ يَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا﴾ یعنی وہ فرشتے ہیں جو عرش کو اٹھائے ہوئے ہیں اور

اس کے چار طرف اپنے رب کی حمد میں مصروف رہتے ہیں، اس پر ایمان رکھتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کے ان بندوں کے لیے اللہ تعالیٰ سے مغفرت طلب کرتے رہتے ہیں جو اس پر ایمان لاۓ ہیں۔ یہ فرشتے جیسا کہ ہم حدیث ادعال میں پہلے بیان کر چکے ہیں تعداد میں آٹھ ہیں اور عرش کو اپنی پتوں پر لیے ہوئے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿ وَيَحْمِلُ عَرْشَ رَبِّكَ فَوَّهُمْ يَوْمَئِذٍ ثَمَانِيَّةٌ ﴾ (اور تیرے رب کا عرش ہر روز آٹھ فرشتے اٹھائے رہتے ہیں)۔

شہر بن حوشب کہتے ہیں: عرش کو آٹھ فرشتے اٹھائے ہوئے ہیں یا عرش اٹھانے والے آٹھ فرشتے ہیں جن میں سے چار

فرشتے کہتے رہتے ہیں:

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلَى حِلْمِكَ بَعْدَ عِلْمِكَ.

اور چار فرشتے یہ کہتے رہتے ہیں:

سُبْحَانَكَ اللَّهُمَّ وَبِحَمْدِكَ لَكَ الْحَمْدُ عَلَى عَفْوِكَ بَعْدَ قُدْرَتِكَ.

جو حدیث اس بارے میں امام احمدؓ نے روایت کی ہے اس کے متعلق وہ فرماتے ہیں: ہم سے عبد اللہ بن محمد یعنی ابو مکبر بن ابی شیبہ اور عبدہ بن سلیمان نے محمد بن اسحاق، یعقوب بن عقبہ، عکرمہ اور ابن عباس کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے امیر یعنی ابن ابی صامت کے جن اشعار کو سن کر ”سچ کہا“، فرمایا وہ یہ ہیں:

رجل و ثور تحت رجل يمينه
و النسر الآخرى وليس مرصد

و الشمس تطلع كل آخر ليلة
حمراء مطلع لونها متورد

الامعذبة و إلا تجلد
تابى و لا تبل ولناس لها

ان اشعار کے بارے میں چونکہ آنحضرت ﷺ نے ”سچ کہا“، ارشاد فرمایا جو صحیح الاسناد راویوں اور شفہ اصحاب سے مردی ہے اس لیے ثابت ہوا کہ عرش الہی کے حامل چار چار فرشتے ہیں جو ہر روز کی بعد گیرے اسے اٹھائے رہتے ہیں۔ یا اللہ ان چار فرشتوں کے بارے میں ان کی تعداد و صفات کا جواب ثابت ہم نے ان اسناد کی بناء پر کیا وہ اگرچہ حدیث ادعال سے متعارض ہے لیکن اس کی ہم تردید بھی نہیں کر سکتے۔ واللہ اعلم

صفاتِ کرسی:

ابن جریر نے جو یہر کے ذریعہ حسن بصریؓ کے حوالے سے جو حدیث بیان کی ہے اسے ضعیف بتایا گیا ہے۔ آخرالذکر کہتے ہیں کہ درحقیقت کرسی ہی عرش ہے لیکن اس حدیث کی روایت حسن بصریؓ سے منسوب کرنا درست نہیں ہے کیونکہ کرسی کے بارے میں دیگر صحابہ کرام اور تابعین نہیں بلکہ خود حضرت بصریؓ نے کہا ہے وہ یہ ہے کہ کرسی عرش کے علاوہ دوسرا چیز ہے اور انہوں نے اس کے ثبوت میں قرآن کی آیہ شریفہ ﴿ وَسَعَ كُرْسِيَّةُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ ﴾ پیش کی ہے اور کہا ہے کہ کرسی وہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ کا علم محفوظ ہے۔ کرسی کے بارے میں صحیح حدیث کا مرجع ابن عباس ہے ہیں اور اس حدیث کو حاکم نے اپنی کتاب مسند رک میں بیان کیا ہے تاہم انہوں نے بتایا ہے کہ انہوں نے اس حدیث کو دوسروں کے علی الرغم سفیان ثوری کی طرح عمار دھنی

مسلم بطین، سعید بن جبیر اور ابن عباس (رضی اللہ عنہم) کے حوالے سے پیش نہیں کیا بلکہ اس کا استناد شیخین (رضی اللہ عنہم) سے کیا ہے اور انہوں نے یہ بھی بتایا ہے کہ کرسی کو موضع قدمنی کہہ سکتے ہیں لیکن عرش کی مقدار و وسعت کا علم اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کو نہیں ہے۔ اس روایت کو شجاع بن مخدل الفلاس نے اپنی تفسیر میں درج کرتے ہوئے اسے ”حدیث مرفوع“ بتایا ہے اور اس کی صحت کو ابن عباس (رضی اللہ عنہم) کے بیان پر موقوف ظاہر کیا ہے۔ ویسے کرسی کا بیان جوابن جریر سے ابو موسیٰ اشعریٰ، حجاج بن مزاحم، اسماعیل بن السدی الکبیر اور مسلم بطین کے حوالے سے مردی ہے اس میں السدی کے بقول کرسی کو عرش کے نیچے بتایا گیا ہے۔ السدی نے یہ بھی کہا ہے کہ زمین اور تمام آسمان کرسی کے درمیان بیس اور خود کرسی عرش کے درمیان ہے۔

ابن جریر نے ابن ابی حاتم اور حجاج کی طرح بیان کیا ہے کہ آسمان سات ہیں اور زمینیں بھی پہلے سات طبقات میں منقسم تھیں لیکن بعد میں ایک ساتھ جڑ کر کرسی کی وسعت میں (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) ایک جگہ سمٹ گئیں۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ ان سے یونس اور ابن دھب نے ابن زید کی زبانی بتایا کہ آخراً الذکر سے ان کے والد نے بیان کیا کہ ان کے والد کو ابوذر (رضی اللہ عنہ) نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بتایا کہ ”کرسی عرش سے ایک لوہے کے حلقت کی طرح ملحق ہے جسے میری کمر کے گرد دھا کی دائرة ہو اور کراس دائرے سے ملحق ہو“۔ لیکن یہ حدیث مرسل ہے اور ابوذر (رضی اللہ عنہ) کے بیان پر ختم ہو جاتی ہے اور ان سے بطریق موصول روایت کی گئی ہے۔

حافظ ابو بکر بن مردویہ اپنی تفسیر میں بیان کرتے ہیں کہ انہیں سلیمان بن احمد طبرانی، عبد اللہ بن دھب مغربی، محمد بن ابی سریر عسقلانی اور محمد بن عبد اللہ تھیں نے قاسم بن محمد ثقیقی، ابی ادریس خولاںی اور ابوذر رغفاری (رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے بتایا کہ آخراً الذکر نے رسول اللہ ﷺ سے کرسی کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے ارشاد فرمایا:

”جس ذات پاک کے قبضے میں میری جان ہے اس قسم کی سات آسمان اور سات زمینیں (زمیں کے سات طبقات) اس کے مساوا کو وہ کرسی کے گرد (زندیک) حلقت بنائے ہوئے ہیں (اور کرسی بھی اس حلقت میں) شامل ہے اور کچھ نہیں اس لیے جس طرح کسی اصل شے کو حلقت پر فضیلت ہوتی ہے اسی طرح عرش کو کرسی پر فضیلت حاصل ہے۔“

ابن جریر اپنی کتاب تاریخ میں بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابن دھب نے کہا کہ ان کے والد (رضی اللہ عنہ) ابین وکیع کے والد نے ان وکیع سے غیان، اعمش، منہاں بن عمر اور سعید بن جبیر کے حوالے سے بیان کیا کہ ان اصحاب نے ابن عباس (رضی اللہ عنہم) سے ان کے بیان کے بارے میں جوانہوں نے دھل کے حوالے سے بیان کیا تھا سوال کیا کہ آگر اللہ تعالیٰ کا عرش تخلیق عالم سے قبل پانی پر تھا تو پھر پانی کسی چیز پر تھا تو ابن عباس (رضی اللہ عنہ) نے جواب دیا کہ پانی ملن ہوا پر تھا اور جملہ آسمان زمینیں اور جو کچھ ان میں ہے وہ سب کا سب اس چیز کے گرد حلقة زدن تھا جسے کرسی کہا جاتا ہے مدبہ ابن ہیکل سے بھی اسی طرح کی ایک حکایت مردی ہے۔ ویسے دھب نے ہیکل کی تشریح یوں کی ہے کہ وہ ایسی چیز ہے جس کے گرد آسمانوں اور زمینوں نے فضا کے الحاق سے حلقة بنار کھا ہے جسے نساط کی طنابوں سے روک رکھا ہو اور یہی ہیکل کرسی ہے بعض ہیئت دان کہتے ہیں کہ کرسی سے درحقیقت آسمان آسمان مراد ہے جس میں ستارے شبت ہیں اور اسی لیے اسے ثوابت یعنی نھبہ رے ہوئے ستاروں کا آسمان کہا جاتا ہے اس خیال کو جو ہیئت دانوں نے

پیش کیا ہے۔ کچھ دوسرے لوگوں نے یہ کہہ کر محل نظر قرار دیا ہے کہ اگر یہ نظر یہ تسلیم کیا گیا تو اس کا مطلب یہ ہو گا کہ اس فلک ہشم کو باقی دوسرے سات آسمانوں سے بر اسلام کیا جائے جو حدیث نبوی سے اس بارے میں متضاد ہے۔ انہوں نے یہ بھی کہا کہ اس نظر یہ کو تسلیم کیے بغیر بھی وہ کرسی کو تمام آسمانوں اور زمین کے طبقات پر محیط سمجھتے ہیں لیکن یہ کوئی آسمان نہیں ہے۔ اس کے علاوہ عربی لفظ کرسی کو کسی عربی لغت میں فلک کا مترادف نہیں بتایا گیا۔ ویسے بھی اسلاف نے کرسی کو عرش کا درمیانی حصہ بتایا ہے اور اس سے بھی اس کا فلک ہونا ثابت نہیں ہوتا، دوسرے یہ کہ جسے فلک ہشم ان ہیئت دانوں نے ظاہر کیا ہے اس میں ستاروں کے جڑے ہونے کا کوئی ثبوت انہوں نے پیش نہیں کیا۔

لوح محفوظ کا ذکر:

جو جملہ نظریات اور ان کے بارے میں اختلافی نظریات بھی ان لوگوں کی متعلقہ کتابوں میں موجود ہیں۔ واللہ اعلم

حافظ ابو القاسم طبرانی فرماتے ہیں کہ ان سے محمد بن عثمان بن ابی شیبہ مخاబ بن حارث، ابراہیم بن یوسف اور زیاد بن عبد اللہ نے لیث، عبد الملک بن سعید بن جییر، ان کے والد اور ابن عباسؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ مذکورہ بالاحضرات سے ابن عباسؓ نے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے لوح محفوظ کو سفید موتو سے پیدا کیا ہے، اس کے صفات سرخ یا قوت کے ہیں، اس کا قلم نوری ہے جس نے اس لوح میں اللہ تعالیٰ کا ہر حکم اس کے نور سے لکھا ہے۔ لوح محفوظ میں ہر دن کے تین سو سالہ لمعتے ہیں جن میں تخلیق، رزق، رسانی، موت و حیات اور عروج و زوال کے بارے میں اللہ تعالیٰ کے احکام درج کیے جاتے ہیں اور ان کے علاوہ جو کچھ اللہ تعالیٰ چاہے وہ بھی لکھا جاتا ہے۔

احمق بن بشیر کہتے ہیں کہ انہیں مقاتل اور ابن جریح نے مجاہد اور ابن عباسؓ کے حوالے سے بتایا کہ ”لوح کے درمیان میں لا اله الا اللہ، وحدہ دینہ الاسلام و محمد عبده و رسولہ لکھا ہے یعنی اللہ کے سوا کوئی معبد نہیں، وہ واحد دیکتا ہے، محمد اس کے بندے اور رسول ہیں اور اس کا (قابل قبول) دین اسلام ہے۔ اس کے بعد ابن عباسؓ نے بتانے کہا کہ ”بس جو شخص خدا پر ایمان لایا، اس کے جملہ احکام قبول اور تسلیم کیے اور ان کا اتباع کیا اور اس کے رسولوں کے احکام بھی مانے وہ جنت میں جائے گا“۔ ابن عباسؓ نے بتایا کہ یہ سب کچھ لوح محفوظ میں درج ہے اس کے علاوہ مذکورہ بالاحضرات کو ابن عباسؓ نے یہ بھی بتایا کہ لوح محفوظ ایک لوح ہے جو سفید موتو سے بنی ہے، اس کا طول زمین و آسمان کے درمیان فاصلے کے برابر ہے اور اس کا عرض مشرق و مغرب کے درمیانی فاصلے کے برابر ہے اس کی جلد موتیوں اور یا قوت سے بنی ہے، اس کے اوراق بھی موتیوں اور یا قوت سرخ کے ہیں، اس کا قلم نوری ہے اور اس میں جو کلام درج ہے وہ عرش سے مقصود ہے اور اس کی اصل یعنی جڑ و دھیا پتھر کی ہے۔ آخر میں ابن عباسؓ نے بتایا کہ لوح محفوظ کے بارے میں یہ سب کچھ انہوں نے ان لوگوں کو آنحضرت ﷺ سے سن کر بتایا ہے۔

انس بن مالک کہتے ہیں کہ لوح محفوظ اسرافیل کے سامنے ہے۔ ان کے علاوہ کچھ پہلے لوگوں کے بقول بھی یہ لوح اسی ست میں ہے لیکن مقاتل کے بیان کے مطابق یہ لوح عرش کے دائیں جانب ہے۔

باب ۴

ارض و سماوات کی تخلیق اور ان کی درمیانی اشیاء کا ذکر بلحاظ تاریخ و بحوالہ نصوص

قرآنی و احادیث و تفاسیر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿الْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَجَعَلَ الظُّلُمَاتِ وَالنُّورَ ثُمَّ الَّذِينَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ يَغْدِلُونَ﴾ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ﴿خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَمَا بَيْنَهُمَا فِي سَيِّئَةِ أَيَّامٍ﴾ ان آیات قرآنی کی تفسیر میں مفسرین میں باہم اختلافی آراء پائی جاتی ہیں یعنی اس بارے میں کہ آیا ان چہ دنوں کی مقدار کیا ہے لیکن جمہور نے ان آیات قرآنی کو اسی طرح تسلیم کیا ہے جس طرح وہ نازل ہوتی ہیں اور ان چہ دنوں کو بھی وہی دن سمجھا جو ہماری اس دنیا میں ہوتے ہیں لیکن ابن عباس، مجاہد و ضحاک اور وہب الاحبار کہتے ہیں کہ ان میں سے ہر دن کی طوالت ہمارے ہزار سال کی طوالت کے برابر ہے۔ یہی روایت ابن حاتم اور ابن جریر کی ہے اور اسی کو امام احمد نے اپنی اس کتاب میں لکھا ہے جس میں انہوں نے فرقہ جمیہ کے دعاویٰ کی تردید کی ہے اور دوسرے بہت سے متاخرین نے بھی وہی تسلیم کیا ہے جو ابن عباسؓؑ وغیرہ نے بتایا ہے۔ واللہ اعلم ہم اس موضوع پر آگے جل کر ان شاء اللہ مدلل گفتگو کریں گے۔ ویسے ابن جریر نے ضحاک بن مزاہم وغیرہ کے حوالے سے ان چہ دنوں کے نام ابجد، ہوز، حلی، کلمن، سعفص اور قرشت بتائے ہیں۔ ابن جریر نے ان چھ ایام کے ابتدائی تین دنوں کے بارے میں تین اقوال پیش کیے ہیں اور محمد بن الحنفی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ اہل توریت کے بقول سب سے پہلے اللہ تعالیٰ نے تخلیق کی ابتداء یوم الاحد یعنی اتوار سے کی لیکن اہل انجیل (نصرانی) کے بقول ابتدائے تخلیق اللہ تعالیٰ نے پیر کے روز سے کی اور ہم مسلمان چیسا کر ہمیں آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی سے معلوم ہوا تخلیق کائنات کی ابتدائی پنجم کے دن سے بتاتے ہیں۔ یہی قول ابن اسحاق نے متعدد مسلم فقهاء و علمائے دین کے حوالے سے پیش کیا ہے جن میں شافعی لوگ بھی شامل ہیں۔ بہر حال ہم اس بارے میں حدیث نبوی پرمن ابو ہریرہؓؑ کی روایت خلق اللہ تربیۃ یوم النبیت اور اس کے علاوہ عنقریب وہ اقوال بھی پیش کریں گے جن میں ابتدائے تخلیق کائنات اتوار کے دن سے بتائی گئی ہے۔ ان اقوال کے راویوں میں ابن جریر ہیں جنہوں نے یہ اقوال السدی اور ابی مالک کے حوالے سے پیش کیے ہیں۔ ان دو حضرات کے علاوہ ابن جریر نے ابی صالحؓ، ابن عباسؓ، مرہؓ، ابن مسعود اور صحابہ کرامؓؑ کی ایک جماعت کے حوالے دیئے ہیں نیز انہوں نے ان میں عبداللہ بن سلامؓؑ کی روایت کو بھی شامل کیا ہے۔ چونکہ یہی دن توریت میں آیا ہے اس لیے اکثر علمائے اسلام نے بھی اس سلسلے میں یوم الاحد یعنی اتوار کے روز کو ترجیح دی ہے اور تکمیل تخلیق کا آخری دن روز جمعہ کو قرار دیا ہے جسے مسلمان عید کے دن کی طرح سمجھتے ہیں۔ یہ جملہ بیانات ہم آگے چل کر ان شاء اللہ عنقریب پیش کریں گے۔ البتہ یہاں وہ آیات قرآنی پیش کر رہے ہیں جن میں تخلیق کائنات کا اللہ تعالیٰ جل شانہ نے درج

بدرجذ کفر مایا ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ أَسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ فَسَوَّهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَهُوَ يَكُلُّ شَيْءٌ عَلِيمٌ﴾ اور اس نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ﴿قُلْ إِنَّكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِالَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَنْدَادًا ذَالِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ الخ﴾ ان آیات سے یہ ثابت ہوا کہ زمین آسمان سے قبل پیدا کی گئی اور تخلیق کائنات کی بنیاد ٹھہری، جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿اللَّهُ الَّذِي جَعَلَ لَكُمُ الْأَرْضَ قَرَابًا وَالسَّمَاءَ بَنَاءً وَصَوَرَ كُمْ فَأَحَسَّنَ صُورَكُمْ الخ﴾ پھر اس نے یہ بھی ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّمَا نَجْعَلُ الْأَرْضَ مِهَادًا وَالْجِبَالَ أَوْتَادًا الخ﴾ پھر اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا ہے ﴿أَوْلَمْ يَرَ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنَّ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ الخ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اس کے زمین و آسمان کے درمیان فصل پیدا کیا اور وہاں ہوا کہ اس سے پیدا کی اور پھر (آسمان سے) بارش بر سائی اور زمین پر چشمے جاری کر دیے نیز حیوان پیدا کیے۔ اللہ تعالیٰ نے یہ بھی فرمایا: ﴿وَجَعَلْنَا السَّمَاءَ سَقْفاً مَحْفُوظًا وَهُمْ عَنْ آيَاتِهَا مُغَرِّضُونَ﴾ آسمان میں اللہ تعالیٰ نے ٹھہرے ہوئے ستارے، سیارے، نجوم اور دوسرے روشن اجرام سماوی پیدا کیے جو خالق ارض و سماوات کی حکمت کی بین دلیل ہیں۔ جیسا کہ اس نے خود ارشاد فرمایا ﴿وَكَانُوا مِنْ آئِيهِ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ يَمْرُونَ عَلَيْهَا وَهُمْ عَنْهَا مُغَرِّضُونَ وَمَا يُوْمِنُ أَكْثَرُهُمْ بِاللَّهِ إِلَّا وَهُمْ مُشْرِكُونَ﴾ اس کے علاوہ یہ بھی اللہ تعالیٰ ہی کا ارشاد ہے: ﴿إِنَّمَا أَشَدُّ خَلْقَأَمِ السَّمَاءَ بَنَاهَا رَفَعَ سَمْكَهَا الخ﴾ چنانچہ بعض لوگوں نے ان آیات رباني کے مطابق یہ فیصلہ کیا کہ آسمانوں کی تخلیق زمین کی تخلیق سے قبل ہوئی۔ گویا معتقد ہیں نے اس بارے میں جو کچھ کہا وہ مندرجہ بالا دونوں آیات کی صريحی تردید کے علاوہ اس بات کا بھی صاف اظہار ہے کہ انہوں نے پہلی آیات شریفہ کے علاوہ اس آیہ قرآنی کا مفہوم بھی نہیں سمجھا۔ با اس ہمدرد کہ یہ آیت صریحاً اس بات کی مقتضی ہے کہ ابتداء میں وحی ارضی اور اس سے اخراج آب کو جو آج بھی ہمیں صاف نظر آتا ہے سمجھا جائے اور یہ سب پہلے تخلیق ارضی اور اس کے بعد تخلیق سماوات کا بین شوت ہے اور زمین کی یہ اقدار پہلے ہی سے بالقوہ ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿وَبَارَكَ فِيهَا وَفَدَرَ فِيهَا أَفْوَاتُهَا﴾ یعنی پہلے زراعت، چشمتوں اور دریاؤں کی جگہوں کی تخلیق ہوئی اور پھر اسی کے بعد عالم کی سفلی و علوی اشکال کی تخلیق ظہور پذیر ہوئی جب کہ خود وحی الارض اور اس سے خارج ہونے والی چیزوں یعنی غذائی اشیاء و اثمار وغیرہ اور اجرائے عيون و بخار کو ہیئت مل پچکی تھی جو بہت الزرع والا اثمار اور زمین سے اخراج آب مرعی اور ارسائے جبال اور زمین کے بارے میں جتنی دوسری چیزوں کا ذکر قرآن میں آیا ہے مثلاً ﴿وَالْأَرْضَ بَسَعَةً ذَالِكَ ذَحَاهَا أَخْرَجَ مِنْهَا مَاءً هَا وَمَرْعَاهَا﴾ اس سے صاف ظاہر ہے۔ اب اس آیہ شریفہ پر پھر ایک بار غور کیجیے ﴿وَالسَّمَاءَ بَنَيَنَاهَا بِأَيْدٍ وَإِنَّا لَمُؤْسِعُونَ وَالْأَرْضَ فَرَشَنَاهَا فِي قَمَعِ الْمَاهِدُونَ وَمِنْ كُلِّ شَيْءٍ خَلَقْنَا ذُو حِينٍ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ﴾ ”باید“ یعنی بقوت ”وَإِنَّا لَمُؤْسِعُونَ“ سے صاف ظاہر ہے کہ آسمانوں کا صعود و ہیں سے ہوا جہاں دوسری چیزوں اس کے نیچے تھیں اور انہی سے انہیں وسعت ملی۔ اس سے یہ بات بھی صاف ہو گئی کہ کرسی کا مقام آسمانوں سے بلند تر ہے اور وہ باقی تمام چیزوں سے وسیع تر ہے اور یہ بھی..... کہ عرش کری سمیت تمام دوسری چیزوں سے عظیم تر ہے۔ اس کے بعد اس قول باری تعالیٰ پر غور کیجیے ﴿وَالْأَرْضَ فَرَشَنَاهَا﴾ جس سے مراد ”بسطناها“ ہے اور جعلناها مهدہ ایک ساکن چیز غیر مضطرب جو تمہارے ”ماکنہ“ کی طرح نہیں

ہے اور قول رب العالمین ﴿فَيَعْمَلُ الْمَاهِدُون﴾ ہے۔ یہاں ہر جگہ حرف ”واد“ سے ترتیب و قوع نہیں ہے بلکہ اس سے لغت عربی کے مطابق مطلق خبریں مراد ہے۔ واللہ اعلم

بخاریؓ فرماتے ہیں ”مجھ سے عمر بن جعفر بن غیاث، میرے والد (یعنی راوی کے والد) اعمش اور جامع بن شداد نے صفوان بن محز کے حوالے سے یہ بتا کر کہ صفوان بن محز نے عمران بن حصین کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک روز آخر الذکر آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو اسی وقت وہاں کچھ اور لوگ بھی آگئے تو آپؐ نے ان کا خیر مقدم فرماتے ہوئے فرمایا: ”آؤ بنتیم“ اس کے بعد کچھ اہل یمن بھی آپؐ کی خدمت میں اس وقت حاضر ہوئے تو آپؐ نے ان کا بھی اسی طرح خیر مقدم فرمایا جس کے بعد وہ دونوں گروہ اجتماعی طور پر یوں گویا ہوئے: ”یا رسول اللہ (ﷺ) ہم آپؐ سے ایک بات پوچھنے کے لیے حاضر ہوئے ہیں اور وہ یہ ہے کہ کان اللہ و لم یکن شیء غیرہ و کان عرشہ علی الماء و کتب فی الذکر کل شی و خلق السموات والارض. کی وضاحت فرمادیجیئے“ ابھی آپؐ ان لوگوں کو ان کے سوال کا جواب دینے ہی وہاں تھے کہ کسی شخص نے باہر سے چلا کر کہا: ”اے ابن حصین! تمہارا اونٹ بھاگ گیا ہے اگر میں تمہاری جگہ ہوتا تو اسے ٹھیک سے باندھتا۔“

بخاریؓ نے کتاب المغازی اور کتاب توحید دونوں جگہ اس روایت کے بیان میں دونوں جگہ: ثم خلق السموات والارض. لکھے ہیں اور نساکی نے بھی یہی الفاظ لکھے ہیں۔

امام احمد بن حنبلؓ فرماتے ہیں کہ ان سے جاج اور ابن جرجیخ نے بیان کیا کہ انہیں اسماعیل بن امیہ نے ایوب بن خالد ام سلمہ کے غلام عبد اللہ بن رافع نے حضرت ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بتایا کہ آخر الذکر یعنی ابو ہریرہؓ نے کہا کہ (ایک روز) رسول اللہ ﷺ نے میراہا تھا اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا: ”اللہ تعالیٰ نے زمین سیخ کے روز پیدا کی، پہاڑ اتوار کے روز پیدا کی، درخت پیر کے روز پیدا کی، مکروہات منگل کے دن پیدا کیے روشی بدھ کے روز پیدا کی، چوپائے جھرات کو پیدا کیے اور اللہ تعالیٰ کی (اس سلسلے میں) آخری تخلیق حضرت آدم ﷺ تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے جمع کے روز آخری ساعتوں میں یعنی عصر سے لے کر رات کے درمیان جو وقت ہوتا ہے اس وقت پیدا کیا۔

یہ حدیث اسی ترتیب سے مسلم نے سرچ بن یونس اور ہرون بن عبد اللہ کے حوالے سے نساکی نے ہرون اور یوسف بن سعید کے حوالے سے اور محلہ بالا تینوں حضرات نے جاج بن محمد مصیحی الاعور اور ابن جرجیخ کے حوالے سے کم و بیش انہی الفاظ میں بیان کی ہے۔

نساکی نے اپنی تفسیر میں ابراہیم بن یعقوب جوز جانی، محمد ابن صباح، ابی عبد الحاد اخضر بن عجلان، ابن جرجیخ، عطاء بن ابی رباح اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ (ایک روز) آنحضرت ﷺ نے ابو ہریرہؓ کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا: اے ابو ہریرہؓ! اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان میں ہے سات دن میں پیدا کیا جس کے بعد وہ عرش پر ساتویں روز ممکن ہوا اور اس نے مٹی سیخ کے روز پیدا کی۔“ اس کے بعد باقی جملہ باقی اس حدیث کو نساکی نے اپنی تفسیر میں اسی ترتیب سے بیان کیا ہے جیسے پہلے مسلم کی روایت کردہ حدیث میں بیان ہو چکی ہے، تاہم اس حدیث کے راویوں

میں ابن حجر العسکری کے بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہر حال اس حدیث کو علی بن مدینی، بخاری، یہنی اور حفاظ میں کچھ دوسرے حضرات کے علاوہ بخاری نے کتاب تاریخ میں درج کیا ہے اور ان میں سے بعض نے کعب کا حوالہ بھی دیا ہے جو صحیح ترین ہے کیونکہ کعب اخبار اور ابو ہریرہ رض دونوں عموماً ساتھ ساتھ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر رہتے تھے چنانچہ جو حدیث ابو ہریرہ رض نے بیان کی وہ یقیناً کعب اخبار نے بھی سنی ہوگی، اس لیے کعب اخبار کا حوالہ اس کی یقینی صحت پر دلالت کرتا ہے اور اگر کعب نے ابو ہریرہ رض سے یہ حدیث سنی ہوگی تو انہوں نے یقیناً اس کی تصدیق آنحضرت ﷺ سے ضرور کی ہوگی لیکن اگر کعب نے اسے ابو ہریرہ رض کی تحریروں سے نقل کیا ہے تو ابو ہریرہ رض کے الفاظ کہ ”آنحضرت ﷺ نے ان کا ہاتھ اپنے دست مبارک میں لے کر فرمایا: ایک عجیب بات ہے اس لیے اس حدیث کو“ احادیث مرفع ”میں بھی شامل کیا جا سکتا ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث کے پورے متن میں شدید غرابت پائی جاتی ہے، کیونکہ اس میں تخلیق کائنات کے ساتھ ساتھ دن کا ذکر بھی ہے جو صریحاً اس آیہ قرآنی سے متضاد ہے جس میں ذکر کیا گیا ہے کہ زمین چاردن میں پیدا کی گئی پھر آسمان دو دون میں پیدا کیے گئے اور وہ آسمان دھوکیں سے پیدا کیے گئے جو پانی کے بخارات ہی ہو سکتے ہیں جو پانی کے اضطراب سے پیدا ہوتے ہیں اور باقی کا یہ اضطراب یقیناً اللہ تعالیٰ کی قدرت بالغہ کے ذریعہ زمین کی حدت سے پیدا ہو گا جیسا کہ اسماعیل بن عبد الرحمن السدی الکبیر نے ابی مالک، ابی صالح، ابن عباس، مزہہ ہمدانی، ابن مسعود اور دیگر صحابہ کرام رض کے حوالے سے ذکر کیا ہے اور رمضان آیات قرآنی ﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ أَسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ فَسُوْهُنَّ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ الْخ.﴾ کا حوالہ دیتے ہوئے تشریح بتایا ہے کہ حوت (محصل) پانی میں ہوتی ہے اور پانی صفات پر اور صفات ملک کی پشت پر اور ملک چنانوں پر اور چنانیں (نمجد) ہوا پر تھے اور صخرہ (چٹان) کے بارے میں کہا گیا ہے کہ وہ آسمانوں کے ساتھ یعنی گئی تھی نہ کہ زمین کے ساتھ پس جب حوت (محصل) حرکت میں آئی اور زمین متحرک ہوئی تو اسے پہاڑوں سے روکا گیا جس کے بعد وہ نہ ہگئی۔ اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں اور ان میں جو منافع بخش اشیاء ہیں ان سب کو منگل کے روز پیدا کیا، پھر اس نے بدھ کے دن پانی، مداہن، آبادیاں، خرابے وغیرہ پیدا کیے، پھر اس نے آسمانوں کو جو ایک ساتھ جڑے ہوئے تھے الگ الگ کر کے سات آسمان جو جمعرات اور جمعہ کو بنائے گئے۔ روز جمعہ کی وجہ تسلیہ یہ ہے کہ اس روز زمین و آسمان کی تمام مخلوقات ایک جگہ جمع ہوئیں اور انہیں ان کے جملہ امور تقویض کیے گئے۔

اس کے راوی نے مذکورہ حوالوں سے بیان کیا کہ آسمانوں کے ساتھ ہی ملائکہ، بحور، جبال، جو نہ تھے پیدا کیے۔ اس کے بعد راوی کہتا ہے کہ ان کے علاوہ باقی تخلیقاتِ عالم کا اسے علم نہیں اور انہیں خدا ہی بہتر جانتا ہے۔ البتہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں کو کو اک سے مزین کرنے کے علاوہ ان کے ذریعہ شیاطین کی راہ مسدود کی اور جب اللہ تعالیٰ اس حدتک تخلیق عالم سے فارغ ہوا تو عرش پر متکن ہوا۔

یہ تمام باتیں جنہیں السدی نے اسناد کے ساتھ بیان کیا ہے ان میں بہت عجیب و غریب باتیں شامل ہیں جو اسرا میلی تذکروں سے لی گئی ہیں۔

جب کعب احبار حضرت عمر بن الخطاب کے زمانے میں مسلمان ہوئے تو انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب کو اکثر و بیشتر وہ بتیں سنائیں جو اس وقت تک اہل کتاب میں مشہور تھیں اور انہوں نے ان باتوں کو ان سے اخلاق انسان لیا یعنی چند باتوں کے سوا جو شرع مطہر و نبین سے مطابقت رکھتی تھیں اہل اسلام سے بیان نہ فرمائیں بلکہ انہیں رد فرمادیا تاہم کعب ہی کے ذریعہ وہ اہل اسلام میں بھی مشہور ہو گئیں اور ان کا ذکر آج تک چلا آتا ہے حالانکہ اسرائیلیات میں اکثر و بیشتر غلط باتیں راہ پا گئی ہیں۔ یہی وجہ تھی کہ معاویہ بن خدیج نے اپنے دورِ امارت میں کعب احبار کی سماں ہوئی باتوں کو ”بچھلے اہل کتاب میں غلط طور پر مشہور پائیں“ کہہ کر قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا۔ ان میں سے ہم نے جو باتیں یہاں بیان کی ہیں ان میں اور اسلام میں قبول کردہ باتوں میں مطابقت پائی جاتی ہے چونکہ اسلام میں ان اذکار کا دار و مدار قرآن و احادیث نبوی پر ہے۔

اب ہم ان باتوں کا ذکر کریں گے جو آئمہ کرام نے متفقہ میں کے حوالے سے بیان کی ہیں تاہم ہم نے اس جملہ مواد کی تحقیق، احادیث صحیح سے کر لی ہے۔ *وما توفیقنا الا بالله*.

بخاریؓ فرماتے ہیں کہ ان سے قتبیہ اور مغیرہ بن عبد الرحمن قرشی نے ابی زناد اعرج کے حوالے سے ابو ہریرہ بن عوف کی زبانی یہ حدیث نبوی بیان کی۔ ابو ہریرہ بن عوف نے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”جب تخلیق عالم تمام ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے کتاب (لوح محفوظ) میں جو اس کے عرش کے قریب تھی لکھوایا: ”میری رحمت میرے غصب پر غالب ہے۔“ یہ روایت (حدیث) مسلم اور نسائی نے قتبیہ کے حوالے سے پیش کی جسے بعد میں بخاری نے اپنے ہاں درج کیا ہے۔



باب ۳

زمین کے سات طبقات کا ذکر

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بِنِنْهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ وَأَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحْاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾

بخاری فرماتے ہیں کہ اس آیہ شریفہ کی وضاحت کے سلسلے میں ہم سے علی بن عبد اللہ نے علی بن مبارک کے حوالے سے بیان کیا کہ ان سے یحییٰ بن ابی کثیرؓ نے محمد بن حارث، ابی سلمہ بن عبد الرحمن کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر اور دوسرے لوگوں کے درمیان زمین کی خصوصیات کے بارے میں جھگڑا رہتا تھا جو دشمنی کی حد تک جا پہنچا تھا اور ان سے اس کا ذکر کیا تو انہوں نے فرمایا: ”اے ابی سلمہ! زمین کے بارے میں جھگڑنے سے احتساب کرو کیونکہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے کہ جو بھی زمین کے سات طبقات کے بارے میں یعنی ان کے بارے میں جو کچھ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے اس کے متعلق جھگڑے کافر ایقون بنے گا قیامت کے روز بطور مزاساقوں زمینوں کو طوق بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔“ (ترجمہ مشہور و تشرییعی)

بخاریؓ نے اس حدیث مبارکہ کو کتاب المظالم کے تحت بھی درج کیا ہے اور مسلمؓ نے اسے اسی طرح یحییٰ بن کثیرؓ کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ امام احمدؓ نے اسے محمد بن ابراہیم کی زبانی ابی سلمہ نیز یوں، ابا ن، یحییٰ بن ابی کثیر، ابی سلمہ اور حضرت عائشہؓؑ کے حوالے سے اپنی مند میں لکھا ہے۔

بخاریؓ یہ بھی فرماتے ہیں کہ ان سے بشر بن محمد نے بیان کیا کہ آخر الذکر سے عبد اللہ بن موسیٰ بن عقبہ سالم اور ان کے والد کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر سے رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”جو شخص زمین کے اس حصے پر جو کسی دوسرے کا حق ہو غاصبانہ قبضہ کرے گا زمین کا وہی حصہ قیامت کے روز زمین کے ساتویں طبقات بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا جائے گا۔“

بخاریؓ نے کتاب المظالم میں مسلم بن ابراہیم، عبد اللہ یعنی ابن مبارک کے حوالے سے بھی یہ حدیث پیش کر کے اسے مذکورہ بالاطور سے درج کیا ہے نیز محمد بن سیرین کی زبانی عبد الرحمن بن ابو بکر شیخہ اور ان کے والد کے حوالے سے یہ حدیث بھی پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ”زمین اپنی فطری بیعت میں تخلیق سماوات کے دن زبانی اعتبار سے بارہ مہینے کے عرصے میں تخلیق کی گئی“، آنحضرت ﷺ کی مراد یہاں والله اعلم (شاید) ارشاد باری تعالیٰ ﷺ اے اللہ الہی خلق سبعة سماوات و مِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ ہے سے ہو گی یعنی عدوی لحاظ سے زمین و آسمان دونوں بارہ بارہ مہینوں میں پیدا کیے گئے جیسا کہ ہم آج کل ایک سال کو بارہ مہینوں میں تقسیم کرتے ہیں اور اس سے کلام الہی میں تخلیق زمین آسمان کے بارے میں زمانی و مکانی مطابقت پائی جاتی ہے۔ بخاریؓ ہی نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان سے عبید بن اما علیل اور ابو اسامہ نے ہشام اور ان کے والد سعید بن زید بن عمرو

اور نفیل کے حوالے سے بیان کیا کہ جب کسی نے اروپی یعنی بنت ابی اوس کی کچھ زمین کسی اور کو زبردستی دے دی اور اس میں بنت ابی اوس کا اشارہ دینے والے کے لیے مردان کی طرف تھا تو سعید بن عوف نے کہا تھا کہ ”میں نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنائے کہ جو شخص کسی کا حق زمین سے ذرا سمجھی مارے گا تو وہ سات زمینیں بنا کر قیامت کے روز اس کے لگے میں ڈال دیا جائے گا۔“

امام احمد فرماتے ہیں کہ ان سے حسن نے اور ابو سعید یعنی بنی ہاشم کے غلام عبد اللہ بن الجیعہ اور عبد اللہ ابن ابی جعفر نے ابی عبد الرحمن اور ابن مسعود کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کے بقول انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ سب سے بڑا ظلم کون سا ہے؟“ تو آپ نے ارشاد فرمایا: کسی مسلمان کا اپنے بھائی یعنی کسی دوسرے مسلمان کی ایک گز زمین پر بھی غاصبانہ قبضہ کرنا اور (اس کی سزا میں) زمین کا وہی حصہ قرار پسی تک قیامت کے دن اس کے لگے میں ڈال دیا جائے گا۔“ اور آپ نے (اس کے بعد) یہ بھی فرمایا کہ ”قرار پسی کو وہی جانتا ہے جس نے اسے پیدا کیا ہے۔“ یعنی خود اللہ تعالیٰ۔ اس حدیث کو امام احمد نے خصوصی طور پر پیش کیا ہے۔ اس حدیث کے بارے میں جو انسان پیش کی گئی ہے ان میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں ہے۔ امام احمد نے بیان کیا کہ ان سے عنان، وہیب اور سہیل نے اپنے والد اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بھی بھی حدیث انہی الفاظ میں بیان کی۔ امام احمد نے یہاں اس حدیث کے بیان کی ذمہ داری مسلم سے منسوب کی ہے۔

امام احمد نے اس حدیث کو مسلم کی ذمہ داری پر تھی کی زبانی جنہوں نے بیان کیا کہ ان سے ان کے والد نے اور ان سے ابو ہریرہؓ نے یہ حدیث بیان کی نیز مسلم ہی کی ذمہ داری پر عفاف اور ابو عوانہ کی زبانی عمر بن ابی سلمہ اور ابو ہریرہؓ (بنی هذفون) کے حوالے سے یہ حدیث اپنے ہاں پیش کی ہے۔ ان کے علاوہ امام احمد نے اپنے ہاں وہ جملہ احادیث بھی متعدد لفظ راویوں اور متعدد مستند حوالوں سے بیان کی ہیں جن میں یہ بتایا گیا ہے کہ ان راویوں سے مختلف مواقع پر آنحضرت ﷺ نے دریافت فرمایا کہ آیا وہ تخلیق کائنات کے سلسلے میں زمین و آسمان کے ہر طبقے کے درمیان خالق کائنات نے جو فصل رکھا ہے اسے جانتے ہیں اور ان کے اس جواب پر کہ اس کے متعلق خود اللہ تعالیٰ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں آپ نے فرمایا کہ زمین و آسمان کے ہر طبقے کا درمیانی فصل اللہ تعالیٰ نے سات سو سال کی مسافت کے برابر رکھا ہے۔ اس سلسلے میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ اس فصل کا جو سات سو سال کی مسافت کے برابر رکھا گیا ہے وہ ہمارے دنیا وی برسوں کی مسافت کے برابر ہے یادہ فصل ہے جو صرف اللہ تعالیٰ کے علم میں ہے یادہ فصل ہے جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے اور اسے اللہ تعالیٰ عز اسلام کے علاوہ اس کا رسول برحق ﷺ جانتا ہے۔

اس سے قبل عرش کی صفات کے سلسلے میں احادیث احوال کے تحت جو کچھ بیان کیا گیا ہے اس میں کسی کو اختلاف نہیں ہے یعنی یہ کہ عرش ساتوں آسمانوں کے اوپر ہے اور آسمان کا درمیانی فصل پانچ سو سال کی مسافت کے برابر ہے نیز جیسا کہ مشتملین نے بیان کیا ہے اور اس میں ارشاد باری تعالیٰ کے علاوہ حدیث نبویؐ کے الفاظ (طوقة من سبع ارضين) کا حوالہ دیا ہے زمین کے بھی سات طبقات ہیں اور اس کے سات طبقات سے مراد سات اقلیم ہیں لیکن یہ بیان میں طور پر آیات قرآنی اور احادیث نبویؐ کے وجود میگر مستند حوالوں کے علاوہ ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بھی صحیح طور پر بیان کی گئی ہیں خلاف ہے اور اس کی کوئی دلیل پیش نہیں کی گئی۔ واللہ اعلم و یہے جو احادیث پہلے بیان کی گئی ہیں اور ان میں زمین کے سات طبقات کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا

ارشاد کہ اس کے سات طبقات ہیں وہ مستند راویوں کے حوالوں سے پیش کی گئی ہیں نیز ان میں آسمانوں کے درمیانی فصل کے علاوہ زمین کے مختلف طبقات کے درمیانی فصل کا بھی ذکر آچکا ہے۔

اس کے علاوہ اہل کتاب اور ہمارے دینی علماء نے جو یہ ذکر کیا ہے کہ زمین کا اوپری طبقہ یعنی اس کی سطح مٹی کی ہے، اس کے نیچے دوسرا طبقہ لو ہے پر مشتمل ہے اور تیسرا طبقہ مجریات پر وغیرہ وغیرہ تو اس کے کوئی شواہد موجود ہیں زمان کے بارے میں انہیاء علی اللہ کا حوالہ دیا گیا ہے اس لیے ان بیانات کی ذمہ داری خود ان کے بیان کرنے والوں پر عائد ہوتی ہے۔ ویسے ان بیانات کے سلسلے میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ ان کے راوی یقینی ہیں جنہوں نے انہیں ابن عباس رض کے حوالے سے پیش کیا ہے اور خود ابن عباس رض نے انہیں یقیناً اسرائیلیات سے اخذ کر کے بیان کیا ہے۔ واللہ اعلم

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے اس کہانی سے یہ زید اور عوام بن حوشب نے سلیمان بن ابی سلیمان اور انس بن مالک کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر سے آخر خضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”جب اللہ تعالیٰ نے زمین پیدا کی تو اس کے استقرار کے لیے پہاڑ تخلیق فرمائے اور فرشتے پہاڑوں کی تخلیق پر بہت حیران ہوئے اور اللہ تعالیٰ سے عرض کیا: ”اے ہمارے رب! کیا تو نے پہاڑوں سے بھی سخت کوئی چیز پیدا کی ہے؟“ تو اللہ تعالیٰ نے اس کے جواب میں فرمایا: ”ہاں لوہا“، اس کے بعد فرشتوں نے پوچھا: ”یا رب! کیا تو نے لوہے سے بھی زیادہ سخت کوئی چیز پیدا فرمائی ہے؟“ تو جواب ملا: ”ہاں آگ“ اور جب فرشتوں نے پوچھا: ”اور آگ سے زیادہ شدید کوئی چیز؟“ تو جواب ملا: ”ہوا“، اس کے بعد جب فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے پوچھا: ”اور ہوا سے زیادہ بھی کوئی اور شدید چیز؟“ تو اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ”ہاں ہوا سے زیادہ شدید انسان ہے جو اپنے دائیں جانب کی چیزوں کی تصدیق کرتا ہے لیکن باعیں جانب کی چیزوں سے نگاہ چراتا ہے یا انہیں مخفی رکھتا ہے، اس حدیث کو امام احمد رحمۃ اللہ علیہ نے خصوصی طور پر پیش کیا ہے۔

ہیئت دانوں نے زمین پر پہاڑوں کی تعداد شرقاً غرباً ان میں سے ہر ایک کی وسعت و طوالت اور بلندی کا تفصیل سے ذکر کیا ہے جس کا یہاں بیان طوالت کلام کا باعث ہوگا۔ ویسے اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے رنگ سفید سرخ اور سیاہ وغیرہ فرمائے ہیں اور یہ بات روئے زمین پر پہاڑوں کو دیکھنے سے بغیر دلیل ثابت ہو جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں خاص طور پر جو دی یہ پہاڑ کا ذکر فرمایا ہے اور اس کی جگہ کا تعین بھی کیا ہے۔ یہ عظیم پہاڑ جزیرہ این عمر رض کے مشرق میں دریائے دجلہ کی سمت واقع ہے۔ موصل کی طرف اس کے حدود شمال سے جنوب کی جانب تین دن کی مسافت پر ہیں اور اس کی چوٹی تک پہنچنے کے لیے نصف دن درکار ہوتا ہے۔ یہ ایک سرسبز و شاداب پہاڑ ہے کیونکہ اس پر بلوط کے درخت کثرت سے ہیں جو اس سمتی تک پہنچلے ہوئے ہیں جسے آج کل ”قریۃ الشانین“ کہا جاتا ہے اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس بستی میں حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں نجات پانے والے لوگوں کی نسل کے لوگ آباد ہیں اور اس کا ذکر متعدد مفسرین نے بھی کیا ہے۔ واللہ اعلم



فصل: ۱

سمندر اور دریا:

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنے کلام پاک میں درج ذیل آیات شریفہ میں سمندروں اور دریاؤں کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ تم ان سے کھانے پینے کی چیزوں کے علاوہ ایسی چیزیں بھی حاصل کرتے ہو جن سے تم اپنے لباس بناتے ہو جو سمندروں میں کشتیوں کے ذریعہ سفر کرتے ہو اور آسمان کے ستاروں سے راستے کی صحیح سمت معلوم کرتے ہو وغیرہ وغیرہ جن کا تم شمار نہیں کر سکتے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے دریاؤں سے جنتیں انسانوں کو عطا فرمائی ہیں ان کا بھی ان آیات شریفہ میں ذکر فرمایا مثلاً:

① ﴿ وَهُوَ الَّذِي سَخَّرَ لَكُمُ الْبَحْرَ لِتَأْكُلُوا مِنْهُ الخ ﴾

② ﴿ وَمَا يَسْتَوِي الْبَحْرُ أَنْ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ سَائِنٌ الخ ﴾

③ ﴿ وَهُوَ الَّذِي مَرَّأَ الْبَحْرَيْنِ هَذَا عَذْبٌ فُرَاتٌ وَهَذَا مِلْخٌ أَجَاجٌ ﴾

بحرین سے مراد سمندر اور دریا ہیں کہ سمندر کا پانی نمکین اور بعض جگہ کڑا ہوتا ہے لیکن ان سے بھی خوراک (محچلیاں وغیرہ) حاصل ہوتی ہیں نیز وہاں سے ایسی اشیاء اور جانور وغیرہ بھی حاصل ہوتے ہیں جن سے انسان لباس بناتا ہے لیکن دریا کا پانی میٹھا ہوتا ہے اور دریا سے بھی جو شہروں کے قریب یا ان کے درمیان بہتے ہیں۔ خوراک کے علاوہ لا تعداد فوائد حاصل ہوتے ہیں مثلاً ان سے زراعت وغیرہ ہوتی ہے۔ ان تخلیقات کا ذکر فرمکر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ یہ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں اس لیے عطا فرمائی ہیں تاکہ تم اس کا ذکر کرتے اور اس کا شکر بجالاتے رہو۔ یہ تشریحات ابن جریح کے علاوہ متعدد ائمہ اسلام نے کی ہیں ان آیات کے علاوہ درج ذیل دوسری آیات میں بھی اللہ تعالیٰ نے انسان پر اپنی ان نعمتوں کا ذکر فرمایا ہے جو اس کے لیے فوائد ہی فوائد کا ذریعہ ہیں مثلاً: ① ﴿ هُوَ مِنْ آيَاتِهِ الْجَوَارِ فِي الْبَحْرِ كَالْأَغْلَامِ إِنْ يَسْأَلُ يُسْكِنُ الرِّبْيَعَ الخ ﴾ ② ﴿ إِنَّمَا تَرَأَنَ الْفَلْكَ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ بِنِعْمَةِ اللَّهِ الخ ﴾ ③ ﴿ إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَآخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفَلْكِ أَئِنْ تَجْرِي فِي الْبَحْرِ الخ ﴾ آپ نے یہ ارشاد فرمایا کہ ہو الظہور ماہہ الحل میستہ۔ ان آیات شریفہ کی جامعیت بیان فرمادی۔

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے جیسا کہ ان آیات شریفہ سے ظاہر ہے دریاؤں کے پانی کو صاف اور میٹھا بنایا اور ان کے متتابع زمین میں رکھے اور ان کے پانی کو ان کی آخری حد تک پھیلایا اور بھایا اور انسان کو ان کے پانی کو حسب منشاء پینے اور استعمال کرنے کا اختیار دیا اور اسے انسان کے رزق کا ذریعہ بنایا جس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور انسان پر اس کے رحم و کرم کا اظہار ہوتا ہے نیز اس سے اس کی حکمت کے علاوہ اس کا قابل بالاختیار ہونا بھی ثابت ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کے ارشاد ﴿ وَالْبَحْرِ الْمَسْجُورِ ﴾ کے بارے میں فخرین نے دو باتیں کہی ہیں ایک یہ کہ اس سے مراد وہ بحر ہے جو عرش کے نیچے ہے اور جس کا ذکر حدیث اوعیٰ میں آیا ہے یعنی وہ سات آسمانوں کے اوپر نیچے اور ایک آسمان سے دوسرے

آسمان کے درمیان بھی ہے۔ اس میں یہ بھی ذکر آیا ہے کہ وہاں سے زمین پر بارش ہوتی ہے جن کا ذریعہ بادل ہیں اور اس بارش سے زمین مردہ ہونے کے بعد پھر زندہ یعنی زراعت و نباتات کے لیے دوبارہ قابل نشوونما بنا دی جاتی ہے۔ یہ قول ریچ بن انس کا اختیار کردہ ہے جب کہ اس کے بارے میں دوسرا قول یہ ہے کہ تمام سمندر زمین ہی پر ہیں اور یہی قول متفق علیہ ہے۔

”بحر مکور“ کے بارے میں جو مفسرین نے مختلف تفاسیر پیش کی ہیں ان میں سے ایک تو یہ ہے کہ وہ بحر ”ملو“ ہے۔ دوسری یہ کہ وہ ”لیبر“ ہے آگ کی طرح اور قیامت تک اسی طرح رہے گا اور اپنے اہل موقوف کا احاطہ کرتا رہے گا جیسا کہ ہم نے اپنی تفسیر میں علی، ابن عباس، سعید بن جبیر اور ابن ماجہ وغیرہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔ اس کے علاوہ بعض مفسرین نے یہ بھی بتایا ہے کہ وہ بحر ”منوع“، ”مکفوف“، اور ”محروم“ ہے کہ جب اس میں طغیانی آتی ہے تو زمین میں زلزلہ آ جاتا ہے اور زمین پر جو کچھ ہوتا ہے وہ بھی متزلزل ہو جاتا ہے۔ یہ روایت والبی کی ہے جسے انہوں نے ابن عباس رض کے حوالے سے السدی وغیرہ کی زبانی بیان کیا ہے اور اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جسے امام احمد رض نے بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ ان سے یہ یہ عوام اور ان کے شیخ نے بیان کیا کہ یہ بحر (سمندر) اپنے سواحل سے مربوط ہے۔ اس سلسلے میں ان کے شیخ نے آنحضرت ﷺ کی زبانی یہ بھی بتایا کہ رات اس وقت تک نہیں ہوتی جب تک اس سمندر میں تین بار مدد و جزا کی کیفیت پیدا نہ ہو جائے۔ واللہ اعلم

یہ بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اپنے بندوں کے لیے ایک نعمت ہے کہ سمندر میں مدد و جزا و رکف پیدا ہوتا ہے اور سمندر کو اللہ تعالیٰ نے انسانوں کے لیے مال تجارت کے نقل و حمل کا ذریعہ بنایا ہے، اس میں اس کی خواراک کے لیے مچھلیوں کے علاوہ دوسرے کئی ایسے جانور بھی ہیں کہ اگر وہ مردہ نہ ہوں تو ان کا کھانا حلال ہے نیز سمندر میں اللہ تعالیٰ نے ایسے بیش بہا موتی اور جواہرات پیدا کر دیئے ہیں جو کہیں اور سے انسان کو دستیاب نہیں ہو سکتے۔ اور اسی میں سے انسان مچھلیوں وغیرہ کا شکار بھی کرتا ہے۔ یہ روایت امام احمد اور ابن ماجہ کی بھی ہے لیکن ان کے استاد محل نظر ہیں۔

حافظ ابو بکر بزار نے اپنی منڈی میں لکھا ہے کہ ان کی نظر سے ایک کتاب گزری جس میں معاویہ بغدادی کے حوالے سے بیان کیا گیا ہے کہ ان سے عبد الرحمن بن عبد اللہ بن عمر نے سہیل بن ابی صالح رض ان کے والد ابو ہریرہ رض کے حوالے سے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے شرقی و غربی دو سمندر تخلیق فرمائے ہیں جن میں سے ایک میں اس نے اپنے بندوں کے لیے خواراک وغیرہ کا سامان مہیا کر رکھا ہے اور دوسرے کو بحر مردار قرار دیا ہے جسے بار بار غرق کیا گیا ہے اور پھر ابھارا گیا ہے۔ ویسے ابو ہریرہ رض نے اور کچھ نہیں کہا۔ اس سلسلے میں جو حدیث سہیل سے عبد الرحمن بن عبد اللہ بن عمر رض کے حوالے کے علاوہ مردی ہے اسے حدیث منکر بتایا گیا ہے جب کہ خود سہیل کو بھی اس کی صحت سے انکار ہے۔

اس بارے میں سہیل نے عبد الرحمن بن ابی عیاش اور عبد اللہ بن عمر رض کے حوالے سے جو کچھ بیان کیا ہے اس کی صحت کو انہی روایوں کی اسناد پر مسروق بتاتے ہوئے کہا ہے کہ آخر الذکر کا بیان جو عبد اللہ بن عمر و بن عاص کے بیان پر مسروق ہے یہ ہے کہ آخر الذکر نے جنگ یموک کے موقع پر وہاں ان دو قوموں کے پاس جو اس مقام پر ملی جلی رہتی تھیں ایک کتاب دیکھی جس میں مخلوق خداوندی میں بے شمار اشیاء کا ذکر تھا جن کا اسرائیلیات میں ذکر پایا جاتا ہے اور جس میں سے بہت سی اب تک معروف و مشہور چلی آتی ہیں اور باقی کو منکر و مرد و ٹھہر ادیا گیا ہے۔ ان میں سے جو معروف ہیں انہیں عبد الرحمن بن عبد اللہ بن عمر و بن حفص بن

عاصم بن عمر بن خطاب نے روایت کے لیے چن لیا ہے، لیکن اس کے ماتحت مدینے کے قاضی ابوالقاسم مدینی کے بارے میں کہا ہے کہ ان باتوں میں سے ایک بھی ایسی نہیں جو انہوں نے قاضی مذکور کی زبانی نہیں ہو بلکہ اور بے شمار باتیں بھی نہیں لیکن چونکہ قاضی مذکور روایت احادیث کے بارے میں شفہیں سمجھے جاتے اس لیے باقی تمام باتوں کو جو انہوں نے بتائیں رد کر دیا گیا اس طرح ان تمام باتوں کو جو اسرائیلیات میں موجود ہیں ابن معین، ابو زرعة، ابو حاتم، جوز جانی، بخاری، ابو داود اور نسائی نے ضعیف اور خلافی واقعہ بتا کر رد کر دیا ہے۔ ابن عدی کہتے ہیں کہ اسرائیلیات میں مذکور قریبًا تمام باتیں احادیث منا کریں جن میں حدیث بحر بھی شامل ہے جسے ابن عدی نے ضعیف ترین بتایا ہے۔

علمائے تفسیر اور متكلّمین نے زمین کے طول و عرض، سمندروں، دریاؤں، پہاڑوں، جنگلوں، صحراؤں، دریانوں، شہروں، ان کی عمارتیں، اقلیم سبعد یعنی سات اقلیم جو درحقیقت ان کی اپنی اصطلاح ہے، متعدد مشہور ممالک، شہروں اور دیگر مقامات کے لمحاظ آب و ہوا خواص، وہاں کی نباتات اور جمادات جن میں جواہرات وغیرہ کی کامیں بھی شامل ہیں نیز جو تجارتی اشیاء جو وہاں دستیاب ہیں سب کا ذکر کیا ہے اور یہ بھی بتایا ہے کہ زمین کا چوتھائی حصہ سمندری سیلا یوں سے تباہ ہو چکا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے باقی کو اپنے بندوں کی زندگی اور ان کی گزر را وقات کے لیے باقی رکھا ہے جہاں حیوانات پرورش پاتے ہیں، زراعت ہوتی ہے اور وہاں کے باغوں میں تازہ پھل اور پھول پیدا ہوتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَالْأَرْضُ وَضَعَهَا لِلَّانِمِ فِيهَا فَإِكْهَةٌ وَالنَّخْلُ ذَاثُ الْأَكْمَامِ وَالْحُبْ ذُو الْعَصْفِ وَالرَّيْحَانُ فَبِأَيِّ
الْآِرْءَ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانَ﴾

کہا جاتا ہے کہ ابتداء سے زمین تین حصوں میں منقسم تھی اور اس کے ۲۵ درجات تھے، جہاں اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کے لیے آسانش اور ان کی گزر برسر کے لیے سمندروں کو وہاں سے الگ رکھا۔ اس نے سمندروں کو بھی تقسیم فرمایا، ان میں سے بحر غربی کو اوقيانوس کہا جاتا ہے۔ جہاں مغربی ممالک ادھر ادھر آباد ہیں اور ان کے درمیان کافی فصل ہیں اس سمندر میں جزاً بھی پائے جاتے ہیں لیکن اس سمندر میں کشتی رانی یا جہاز رانی قریباً بھی ناممکن سمجھی جاتی ہے اور اسی لیے اسے اموال تجارت کے حمل و نقل کا ذریعہ بھی نہ بتایا جاسکا کیونکہ یہ سمندر اکثر طوفانی رہتا ہے اور اس میں سر بفلک موجود موجیں اٹھتی رہتی ہیں اور تیز و تند ہوا کیم چلتی رہتی ہیں۔ چنانچہ وہاں شکار بھی ناممکن ہے۔ البتہ اس کے جنوب میں ”جهال القمر“ ہیں، جو دریائے نیل کا منبع کھلاتے ہیں اور اس کے قریب خط استوا ہے۔ یہ سمندر شرقی جانب زمین کے جنوبی حصے کو گھیرے ہوئے ہے۔ وہاں آج کل ”جزائر الراچ“ کے نام سے کچھ جزائر مشہور ہیں۔ لیکن اس کے سوالی علاقے دریان ہیں۔ یہ سمندر شرق اور شمال اپھیلتا ہوا بحر چین اور بحر ہند سے جاتا ہے تاہم مشرقی جانب زمین کی حدود تک پھیلتا چلا گیا ہے۔

سمندر جو آج کل بلاد چین تک پھیلتا چلا گیا ہے وہی چین کی مشرقی جانب بڑھ کر شمال کی طرف مڑ گیا ہے جہاں وہ دیوار آ جاتی ہے جسے ”یاجونج ماجونج کی دیوار“ (دیوار چین) کہتے ہیں۔ پھر یہی سمندر نا معلوم مقامات تک چلا گیا ہے لیکن اس کے مغربی اور شمالی جانب روی شہر ہیں، پھر مغربی اور جنوبی اطراف میں بڑھ کر جب مغربی سمت میں پھیلتا ہے تو اس زمین کے حصے تک چلا گیا ہے جو ارض زقاق کھلاتی ہے جس کے مغرب میں شام کے علاقے آ جاتے ہیں اور پھر یہی سمندر ارض روم کی طرف بڑھ کر

رومی شہروں قسطنطینیہ وغیرہ سے جاملا ہے۔ مشرقی سمندروں میں جزائر کثرت سے پائے جاتے ہیں اور بحر ہند تک اس میں سات سو جزیرے آباد ہیں اور باتی ویران پڑے ہیں۔ اس سمندر کو ”بحر اخضر“ کہا جاتا ہے جس کے مشرق میں ”بحر چین“، مغرب میں بحرین اور شimal میں بحر ہند ہے مگر اس کے جنوب کے علاقے اب تک نامعلوم و نامعروف ہیں۔

بتایا گیا ہے کہ بحر ہند اور بحر چین کے درمیانی فاصلے میں پہاڑ بھی واقع ہیں لیکن ان کی تنکنائے سے گزرتے ہوئے ہندو چین کے درمیان تجارتی اموال کی حمل و نقل ہوتی ہے۔ جس طرح زمین پر ہوتی ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَجَعَلْنَا فِي الْأَرْضِ رَوَاسِيَّاً أَنْ تَمْيِدَكُمْ وَجَعَلْنَا فِيهَا فِجَاجًا سُبْلًا لَعَلَّكُمْ تَهَذَّبُونَ﴾

بلیموس نے ہندوستان کے ایک بادشاہ کا ذکر اپنی کتاب ”جھٹی“ میں کیا ہے۔ اس کتاب کا عربی ترجمہ خلیفہ مامون الرشید عباسی کے زمانے میں ہوا تھا۔ بلیموس نے ہندوستان کے جس بادشاہ کا ذکر اپنی مذکورہ بالا کتاب میں کیا ہے اسی سے تمام دنیا کے سمندروں کی جغرافیائی معلومات اور ان کی تعداد کو منسوب کیا ہے۔ بلیموس نے اسی ہندی بادشاہ کے حوالے سے بتایا ہے کہ درحقیقت سمندر تو ایک ہی ہے لیکن وہ مژمر کر جہاں تک انقلاب ارضی کی بناء پر پھیلا ہے لوگوں نے ان علاقوں کے حاظے سے اس کے نام رکھ لیے ہیں جیسے بحر ہند، بحر قلزم، بحر روم، بحر فارس، بحر جاپان، بحر طبرستان وغیرہ اور انہیں سمندروں نے اپنی اکثر ساحلی بستیوں کے نام و نشان منا کر کر کھو دیے ہیں۔

بیت دان کہتے ہیں کہ اس واحد سمندر کو بحر متعدد ہر کہا جاتا ہے جس کی شکل اپنے طول کو ظاہر کرتی ہے لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ مثلث شکل کا تھا جو الگ الگ ناموں سے پکارا جانے لگا لیکن وہ اپنی جگہ ہنوز مفترضہ ہی ہے۔ اس کا طول آٹھ سو میل اور عرض چھ سو میل بتایا جاتا ہے اور اس کے بارے میں اور بھی بہت سی باتیں کہی جاتی ہیں۔ واللہ اعلم

یہی وہ سمندر ہے جس میں زیادہ تر بصرے کے قریب مدد جزر زیادہ ہوتا ہے۔ جس کی مثالیں بلا و مغرب میں بھی ملتی ہیں۔ یہاں آغاز ماہ سے چودھویں رات تک سمندر۔ چڑھتا ہے جسے ”م“ کہتے ہیں۔ اس کے بعد گھننا شروع ہوتا ہے اور مہینے کی آخری باریخ تک گھنٹا رہتا ہے جس کو ”جزر“ کہا جاتا ہے۔

مورخین نے سمندر کی حدود اور اس کی امتداد انتہا بتا کر زمین پر بحیروں اور جملہ دریاؤں کی تعداد اور ان کے کوائف بتائے ہیں۔ انہوں نے دنیا کے بڑے بڑے دریاؤں کے نام بھی بتائے ہیں اور ان کے متالع و مخارج کا ذکر بھی کیا ہے لیکن ہم صرف ان کا ذکر کریں گے جن کامآخذ حدیث ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید فرقان حمید میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَخْرَجَ بِهِ مِنَ الشَّمَرَاتِ... إلخ﴾

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) قادة کی روایت انس بن مالک اور مالک بن صالح کے حوالے سے بیان کی گئی ہے۔ آخر الذکر نے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے سدرۃ المحتشمی کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ”اس کی جڑ سے دو دریا پوشیدہ طور پر اور دو دریا ظاہری طور پر نکلتے ہیں، جو دو دریا پوشیدہ طور پر سدرۃ المحتشمی کی جڑ سے نکلتے ہیں وہ جنت میں بہتے ہیں اور جو دوسرے دو دریا ظاہری طور پر نکلتے ہیں وہ نیل و فرات کی شکل میں زمین پر بہتے ہیں۔“ بخاری فرماتے ہیں کہ جیسا کہ مذکورہ بالا حدیث سے پتہ چلا ہے

جنت میں بہنے والے دریاؤں کی شکل و صورت اور کیفیات ایک دوسرے سے بالکل مختلف ہیں۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ ان سے ابن نعیم اور یزید نے بیان کیا اور محمد بن عمرو نے ابی سلمہ اور ابو ہریرہؓ، کے حوالے سے بتایا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جنت سے جاری ہونے والے چار دریائیں، فرات، سیون و چیخون ہیں۔ یہ اسناد صحیح ہیں جنہیں مسلم نے بھی اپنے طور پر صحیح تسلیم کیا ہے۔ غالباً اللہ اعلم مذکورہ بالا چار دریاؤں کو آنحضرت ﷺ کا جنت کے دریا فرمانا ان کے صاف و شفاف اور بیٹھے پانی کی اور ان کی روائی کی وجہ سے ہو گا جیسا کہ ایک اور موقع پر آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جنت کے دریاؤں کا پانی زہر سے شفا کا باعث ہے۔ اس حدیث نبوی ﷺ کو سعید بن عامر نے محمد بن عمرو ابی سلمہ اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بیان کیا اور اسے ترمذی نے روایت کیا ہے جس کی صحت کی سند مسلم نے بھی دی ہے۔ تاہم اس حدیث سے درحقیقت یہی نتیجہ اخذ کیا جاسکتا ہے کہ آنحضرت نے کچھ پھلوں کو جنت کے پھلوں سے تشبیہ دی اس طرح مذکورہ بالا چاروں دریاؤں کو بھی جنت کے دریاؤں سے تشبیہ دی حالانکہ یہ چاروں دریاؤں میں پربتیہ ہیں اور ان کے متتابع بھی زمین ہی کے حصے ہیں۔ اسی طرح آپؐ نے گرمی کی شدت کو جہنم کی گرمی سے تشبیہ دی اور ارشاد فرمایا کہ اسے پانی سے مٹھندا کرو۔ جب کہ زمین پر پڑنے والی وہ شدت کی گرمی بھی درحقیقت جہنم کی گرمی یا اس کی آگ نہ تھی۔

جہاں تک دریائے نیل کا تعلق ہے وہ جبال القمر (سغید پہاڑوں) سے نکل کر ازاول تا آخر اپنے پانی کے شیریں ہونے اور صفائی میں دنیا کے دوسرے دریاؤں میں اپنی نظیر نہیں رکھتا۔ یہ دریا زمین کے مغربی حصے میں خط استوا سے ذرا ادھر جنوب کی طرف ہو کر بہتا ہے اور اس کا مشاہدہ کرنے والا ہر شخص اس کے مذکورہ بالا اوصاف میں آج تک رطب اللسان ہے۔ اسے دریاؤں کا ستارہ بھی کہا جاتا ہے۔ جبال القمر سے نکلنے کے بعد اس میں پانچ دوسرے چھوٹے دریا شامل ہو کر بہتے ہوئے سمندر میں جا گرتے ہیں اور وہاں سے یہ چھ دریا ہو کر پھیلتا ہوا سوڈان سے گزرتا ہے اور وہیں اسے دریائے نیل کا نام دیا جاتا ہے۔ جو اصلًا دریائے احمر تھا۔ یہ دریا جب شے گزر کر جب آگے بڑھتا ہے تو اس کے راستے میں سب سے بڑا شہر و مقلہ آتا ہے جس کے بعد یہ اسوان سے ہو کر مصری علاقے میں داخل ہوتا ہے اور جب شے میں بھی ان تمام مقامات کو سیراب کرتا چلا آتا ہے جہاں بارشیں کم ہوتی ہیں اور لوگ پانی کی بوند بوند کوترستے ہیں۔ یہ اپنی رخیز منی سے بھی جو اس کے پانی کے بہاؤ کے ساتھ بالائی علاقوں سے آتی ہے راستے کے بہت سے علاقوں کو سر سبز و شاداب بناتی چلی آتی ہے۔ اس کا بھی یہی کرشمہ ہے جس کی مثال رب العزت نے یوں دی ہے:

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا أَنَّا نَسُوقُ الْمَاءَ إِلَى الْأَرْضِ الْجُرُزِ فَنُخْرِجُ بِهِ رُزْعًا تَأْكُلُ مِنْهُ الْعَامِهُمْ وَ اَنْفُسُهُمْ أَفَلَا يُعْصِرُونَ﴾

دریائے نیل مصر سے کسی قدر آگے بڑھ کر ایک بستی کے قریب جسے شطوف کہتے ہیں دو حصوں میں بٹ جاتا ہے، پھر اس کا مغربی ٹکڑا دوبارہ دو حصوں میں بٹ کر اور شرید سے گزر کر سمندر میں جا گرتا ہے اس کا مشرقی ٹکڑا جو جر کے قریب پھر دو ٹکڑوں میں بٹ جاتا ہے، پھر اس کا بھی غربی حصہ مغرب میں دمیاط سے گزر کر سمندر میں جاتا ہے اور اس کا دوسرا شرقی حصہ بھی اشمون کی طرف سے گزرتا ہوا بحیرہ مشرقی دمیاط میں جاتا ہے۔ اس بحیرے کو بحیرہ دمیاط کے علاوہ بحیرہ تنسیں بھی کہا جاتا ہے۔ دریائے نیل کی اتنی طویل گز رگا ہوں کی وجہ سے اس کی عظمت کا اندازہ لگانا چند اس دشوار نہیں ہے اور اس کی لطافت میں کوئی کلام نہیں ہو سکتا۔ این سینا نے دریائے نیل کی اس خصوصیت کے علاوہ دوسرے دریاؤں کے مقابلے میں اس کے کچھ اور اوصاف بھی بیان کیے ہیں۔

یہ دریا ان دنوں میں بھی جب دوسرے دریا کم و بیش خشک ہو جاتے ہیں اپنی اپنی اسی چال سے بہتار ہتا ہے۔ تاہم جن موئیں اور دوسرے مصنفوں نے دریائے نیل کے مخرج کو ”جہاں قمر“ سے بھی کسی بلند تر جگہ بتایا ہے اور اس کی تجھی و تصوراتی نشان دہی کی ہے وہاں کے دامغوں کی اختراقات سے زیادہ اور ضرایفات سے کم نہیں ہیں۔

عبداللہ بن لبیعہ قیس بن ججان کے حوالے سے نیز جس شخص نے قیس بن ججان کو یہ بات بتائی اس کی زبانی پیان کرتے ہیں کہ جب حضرت عمر بن الخطاب کے زمانے میں عمرو بن عاص نے مصر فتح کیا توہاں کی نواحی بستیوں خصوصاً سب سے بڑی آبادستی قبطی کے لوگوں نے ان کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا: ”یا امیر اوریائے نیل سال کے دوران میں کچھ عرصے کے لیے خشک ہو جاتا ہے تو ہم لوگ پانی کی تلاش میں ادھراً دھرمارے مارے پھرتے ہیں اور اس دریا میں اس وقت تک دوبارہ پانی نہیں آتا جب تک ہم اس میں خوبیات اور نیضیں ترین پارچہ جات نہیں ڈالتے“۔ ان لوگوں کی یہ بات سن کر عمرو بن عاص نے ان کی توہم پرسی کے پارے میں خلیفہ وقت حضرت عمر بن الخطاب کو تحریری اطلاع دی۔ اس کے جواب میں حضرت عمر نے عمرو بن عاص کو جو خط لکھا اس کے ساتھ کاغذ کا ایک اور ٹکڑا بھی رکھ دیا جس میں انہوں نے دریائے نیل کو یوں مخاطب کیا: ”اے دریائے نیل اگر تو اپنی مرضی سے بہتا اور خشک ہوتا ہے تو خیر لیکن اگر تو اللہ تعالیٰ کی مرضی سے بہتا ہے تو اس کی مرضی اپنے بندوں کی بھلانی کے لیے یقیناً یہ ہے کہ تو ہمیشہ بہتار ہے اور کبھی خشک نہ ہو اور میں بھی اس سے تیرے ہمیشہ جاری رہنے کی دعا کرتا ہوں“۔ راوی کا بیان یہ ہے کہ جیسا حضرت عمر بن الخطاب نے عمرو بن عاص کو حکم دیا تھا انہوں نے کاغذ کا ٹکڑہ بالا پر چہ دریائے نیل میں جو اس زمانے میں خشک تھا ڈال دیا تو نیل میں فوراً ہی پانی آ گیا اور اس کے بعد سے آج تک پھر دریائے نیل سال کے کسی عرصے میں بھی خشک نہیں ہوا۔ راوی نے آخر میں بیان کیا کہ عمرو بن عاص نے حضرت عمر بن الخطاب کی طرف سے لکھا ہوا وہ پرچہ جمعہ کا دن گزرنے کے بعد رات کے وقت دریائے نیل میں ڈالا تھا جو اس وقت خشک تھا لیکن سینچر کی صبح اٹھ کر کیا دیکھتے ہیں ہیں کہ دریا میں ۱۶ گز تک اونچا پانی بہرہ رہا ہے۔ عمرو بن عاص کے بقول انہوں نے حضرت عمر بن الخطاب کا وہ پرچہ سیوطی کی موجودگی میں دریائے نیل میں ڈالا تھا۔

جہاں تک دریائے فرات کا تعلق ہے تو اس کا مخرج روم کے شمالی سطح مرتفع میں ہے جہاں سے نکل کر وہ پہلے ملطيہ سے گزرتا ہے اور پھر شماط کی طرف رخ کرتا ہے، پھر وہ بیرہ سے گزرتا ہو ام شرق کی طرف باس، قلعہ بیبر اور رود سے گزرتا ہو رجبہ کے شمال میں عان تک چلا جاتا ہے پھر ہیئت کی طرف مڑک کوفہ کا رخ کرتا ہے جہاں سے عراق کے مختلف علاقوں سے گزرتا ہے جہاں مختلف نہروں کی شکل میں بٹ جاتا ہے جن میں بہت سے چھوٹے بڑے دریائیں یا شامل ہیں۔

رہائیجان جسے سیجون بھی کہا جاتا ہے تو اس کا مخرج بھی روم میں ہے وہاں وہ شمال اور مغرب سے جنوب اور مشرق کی طرف جا لکھتا ہے جہاں اس سے ٹھوڑے فاصلے پر جیجان یا چیجن بھی بہتا ہے۔ یہ علاقہ جو بلاد سیس کے نام سے مشہور ہے کبھی اسلامی قلمروں میں شامل تھا لیکن مصر پر فاطمیوں کا قبضہ ہونے کے بعد جب تغور ارمی نے انہیں شکست دی تو یہ علاقہ تین سو میل کی حدود تک کچھ شامی علاقوں سمیت اس کے قبضہ میں چلا گیا اور اب تک اسی قوم کے قبضے میں ہے۔ دریائے چیجن بھی جس کا قدیم نام جاہاں ہے روم سے نکلا ہے۔

بہر حال سیجون اور چیجن اذنه کے قریب ایک دوسرے میں مل کر اور کچھ دور ایک ساتھ بہرہ کرایاں و طرطوس کے درمیان بحر روم میں جاگرتے ہیں۔

فصل: 2

مظاہر قدرت:

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ اللَّهَ الَّذِي رَفَعَ السَّمَاوَاتِ بِغَيْرِ عَمَدٍ تَرَوُنَهَا ثُمَّ أَسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ كُلُّ يَجْرِي لِأَجْلٍ مُسَمًّى يُذَبِّرُ الْأَمْرَ يَقْصِلُ الْآيَاتِ لَعَلَّكُمْ بِلِقَاءَ رَبِّكُمْ تُؤْفَقُونَ الخ﴾

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّمَا خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ وَأَنْزَلَ لَكُمْ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَانْبَثَتَا بِهِ حَدَّاً إِنَّمَا ذَاتَ بَحْجَةٍ مَا كَانَ لَكُمْ الخ﴾

پھر ارشاد فرمایا:

﴿هُوَ الَّذِي أَنْزَلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً لَكُمْ مِنْهُ شَرَابٌ وَمِنْهُ شَجَرٌ فِيهِ الخ﴾

ان آیات شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے زمین و آسمان میں مظاہر قدرت کا (محضرا) تذکرہ فرماتے ہوئے ہر آیہ شریفہ کے آخر میں نوع انسانی سے دریافت فرمایا کہ آیا ان مظاہر قدرت کو دیکھ کر جن کا وہ صبح و شام اور رات دن مشاہدہ کرتے ہیں کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ ان کی تخلیق میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور شریک ہو سکتا ہے؟ اور یہ بھی فرمایا کہ ان مظاہر قدرت میں صرف ان اقوام کے لیے نشانیاں ہیں جو بطور انصاف ان پر اللہ تعالیٰ کی بخشی ہوئی عقل اور اس کی عطا کردہ غور و فکر سے کام لیتے ہیں۔ پھر یہ بھی ارشاد فرمایا کہ نبی نوع انسان کے علاوہ جملہ حیوانات کے لیے رزق بھی صرف اسی نے اتنا رہا ہے جس کا نقشیلی ذکر اس کی روشن کتاب (قرآن) میں موجود ہے، جیسا کہ مندرجہ ذیل آیہ شریفہ سے ظاہر ہوتا ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿وَمَا مِنْ ذَآبَةٍ فِي الْأَرْضِ إِلَّا عَلَى اللَّهِ وِرْقُهَا وَيَعْلَمُ مُسْتَقْرَهَا وَمُسْتَوْدَهَا كُلُّ فِي كِتَابٍ مُبِينٍ ﴾
حافظ علی محمد بن عثیمین، عبید بن واقد، محمد بن عیسیٰ بن کیسان، محمد بن مکندر، جابر اور عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہم) کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ آخراً ذکر نے آنحضرت ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ ”اللہ تعالیٰ نے ایک ہزار قسم کی مخلوق یید افرمائی ہے جن میں سے چھ سمندر میں پائی جاتی ہیں اور چار زمین پر موجود ہیں۔ ان میں سے ہر ایک یکے بعد دیگرے پیدا ہوتی اور ہلاک ہوتی رہتی ہیں تا آنکہ ایک روز یہ سلسہ منقطع ہو جائے گا۔“

اس حدیث کو اگرچہ ابو عباد بصری، حاتم، عدی، الغناس، بخاری، ابو زرعة، دارقطنی خصوصاً ابن عدی نے عام مرسل کہہ کر ضعیف بتایا ہے اور اس کے متعلق دیگر دلائل بھی پیش کیے ہیں لیکن مندرجہ ذیل آیہ قرآنی میں اس کی صحت کا ثبوت ملتا ہے۔ واللہ اعلم

﴿وَمَا مِنْ ذَآبَةٍ فِي الْأَرْضِ وَلَا طَائِرٌ يَطِيرُ بِجَنَاحَيْهِ إِلَّا أُمَمٌ أَمْثَالُكُمْ مَا فَرَّطَنَا فِي الْكِتَابِ مِنْ شَيْءٍ ثُمَّ إِلَى رَبِّهِمْ يُحْشَرُونَ ﴾

باب ۴

تجليق سموات اور ان میں موجودات سے متعلق

مزید آیات قرآنی کا ذکر

ہم پہلے عرض کرچکے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے زمین آسمانوں سے قل تجلیق فرمائی جیسا کہ مندرجہ ذیل آیہ شریفہ سے صاف ظاہر ہوتا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَ لَكُمْ مَا فِي الْأَرْضِ جَمِيعًا ثُمَّ أَسْتَوَى إِلَى السَّمَاءِ فَسَوْهُنَّ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَّهُوَ بِكُلِّ شَيْءٍ عَلِيمٌ﴾

زمین کی تجلیق کے حوالے سے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی یاد رکھنے کے قابل ہے:

﴿فُلُّ أَنْتُكُمْ لَتَكْفُرُونَ بِاللَّذِي خَلَقَ الْأَرْضَ فِي يَوْمَيْنِ وَتَجْعَلُونَ لَهُ أَنْدَادًا ذَالِكَ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾

اسی سلسلے میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد بھی یاد رکھنا چاہیے:

﴿وَجَعَلَ فِيهَا رَوَاسِيَ مِنْ فَوْقِهَا وَبَارَكَ فِيهَا وَقَدَرَ فِيهَا أَقْوَاتَهَا الخ﴾

اللہ تعالیٰ نے اس سلسلے میں یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿أَأَنْتُمْ أَشَدُّ خَلْقًا أَمِ السَّمَاءُ بَنَاهَا رَفِعَ سَمْكَهَا فَسَوَّاهَا وَأَغْطَشَ لَيْلَهَا وَأَخْرَجَ صَحَاهَا وَالْأَرْضَ بَعْدَ ذَالِكَ دَحَاهَا﴾

اس آیہ شریفہ سے پتہ چلتا ہے کہ زمین کا پھیلاوہ آسمانوں کی تجلیق سے بعد کی بات ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿تَبَارَكَ الَّذِي بَيَّدَهُ الْمُلْكُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ الَّذِي خَلَقَ الْمَوْتَ وَالْحَيَاةَ لِيُلْوِثُكُمْ أَبْكُمْ أَخْسَنَ عَمَلًا وَهُوَ الْعَزِيزُ الْغَفُورُ الخ﴾

اللہ تعالیٰ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّمَا تَرَوُ كَيْفَ خَلَقَ اللَّهُ سَبْعَ سَمَوَاتٍ وَمِنَ الْأَرْضِ مِثْلَهُنَّ يَتَنَزَّلُ الْأَمْرُ بِيَنْهُنَّ لِتَعْلَمُوا أَنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ أَنَّ اللَّهَ قَدْ أَحَاطَ بِكُلِّ شَيْءٍ عِلْمًا﴾

ان آیات کے علاوہ تجلیق سموات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے جن آیات شریفہ میں ذکر فرمایا وہ درج ذیل ہیں:

① ﴿تَبَارَكَ الَّذِي جَعَلَ فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَجَعَلَ فِيهَا سِرَاجًا وَقَمَرًا مُبِيرًا، وَهُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ

خَلْفَةٌ لِمَنْ أَرَادَ أَنْ يَدْكُرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا

﴿إِنَّا زَيَّنَّا السَّمَاوَاتِ الدُّنْيَا بِزِينَةِ الْكَوَافِرِ وَ حِفْظًا مِنْ كُلِّ شَيْطَنٍ ... إلخ﴾ ②

﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاوَاتِ رِزْقًا جَاءَ وَ زَيَّنَاهَا لِلنَّاظِرِينَ وَ حِفْظَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ إِلَّا مَنْ اسْتَرْقَ

السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ مُبِينٌ﴾

﴿وَالسَّمَاوَاتِ بَنَيَّنَاهَا بِأَيْدٍ وَ إِنَّا لَمُوسِعُونَ﴾ ④

﴿وَجَعَلْنَا السَّمَاوَاتِ سَقْفًا مَحْفُوظًا وَ هُمْ عَنِ آيَاتِهَا مُعْرَضُونَ وَهُوَ الَّذِي خَلَقَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ وَالشَّمْسَ

وَالقَمَرَ كُلًّا فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾ ⑤

﴿وَآتَاهُمُ اللَّيْلَ نَسْلَحَ مِنْهُ النَّهَارَ فَإِذَا هُمْ مُظْلِمُونَ وَالشَّمْسُ تَجْرِي لِمُسْتَقْرَلَهَا ذَالِكَ تَقْدِيرُ الْغَرِيزَ

الْعَلِيمُ وَالقَمَرُ قَدْرُنَا مَنَازِلَ حَتَّىٰ عَادَ كَمَا لَعَرْجُونِ الْقَدِيمُ لَا الشَّمْسُ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تُدْرِكَ الْقَمَرُ وَلَا

اللَّيْلُ سَابِقُ النَّهَارَ وَ كُلُّ فِي فَلَكٍ يَسْبَحُونَ﴾ ⑥

﴿فَالَّقِيلُ الْأَصْبَاحُ وَ جَعَلَ اللَّيْلَ سَكَنًا وَالشَّمْسَ وَالقَمَرَ حُسْبَانًا ذَالِكَ تَقْدِيرُ الْغَرِيزُ الْعَلِيمُ وَهُوَ الَّذِي

جَعَلَ لَكُمُ النُّجُومَ لِتَهْتَدُوا بِهَا فِي ظُلُمَاتِ الْبَرِّ وَالْبَحْرِ قَدْ فَصَلَّا إِلَيْهِمْ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ﴾ ⑦

﴿إِنَّ رَبَّكُمُ اللَّهُ الَّذِي خَلَقَ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضَ فِي سِتَّةِ أَيَّامٍ ثُمَّ أَسْتَوَى عَلَى الْعَرْشِ يَعْشِي اللَّيْلَ النَّهَارَ

يَطْلُبُهُ حَيْثُنَا وَالشَّمْسُ وَالقَمَرُ وَالنُّجُومُ مُسْخَرَاتٍ بِأَمْرِهِ أَلَا لَهُ الْخُلُقُ وَالْأَمْرُ تَبَارَكَ اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ ⑧

پہلی آیات اور ان آیات کے علاوہ اس موضوع پر کثرت سے قرآن شریف میں آیات آئی ہیں جن سب کی تفسیر ہم نے

اپنی کتاب تفسیر میں کی ہے۔

ان آیات کی شان نزول آسمانوں کی تخيّق ان کی رفت اور ان میں جو قدرت خداوندی کے آثار پائے جاتے ہیں۔ اہل بصارت و بصیرت کو ان سے آگاہ کرنا تھا۔ اس سے تخيّق اور اس کی بے مثال قدرت کے بارے میں خود رب العزت نے ارشاد فرمایا: ﴿وَالسَّمَاوَاتِ دَارِ الْحُبُكَ﴾ یعنی یہ سب تخيّق کے لحاظ سے بہترین اور عدیم النظر تخيّق ہے اور اس میں یہ بھی اضافہ فرمایا کہ اگر کوئی اس میں کسی قسم کا نقش معلوم کرنے کے لیے مدت العراسِ دیکھتا ہے تو اس کی بصارت چلی جائے گی لیکن وہ اس میں کسی قسم کا نقش دریافت نہیں کر سکے گا۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ آسمان دنیا کو ستاروں سے زینت بخش گئی ہے تاکہ اہل عالم انہیں دیکھ کر خوش محسوس کر سکیں لیکن اس کے ساتھ یہ بھی ارشاد فرمایا کہ اس میں شہابوں کی تخيّق اس لیے کی گئی کہ اگر شیاطین آسمان کی طرف آنا چاہیں تو ان کی شعاعیں اس میں مانع ہوں اور یہ بات بھی اپنی خوبی کے لحاظ سے زینت سادات کے علاوہ اپنی جگہ بے نظر ہے۔

بخاریؓ نے اپنی کتاب احادیث میں تخيّق کائنات کی ابتداء پر تفصیل سے گفتگو کی ہے اور قادہ نے آسمان کو ستاروں سے مزین کرنے کے بارے میں لکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے ساتھ جو تمیں کو اکتب تخيّق فرمائے ہیں وہ آسمان دنیا کی ترکیم کے

علاوہ شیاطین کی عالم بالا کی طرف مراجحت کے لیے ہیں، اگر کوئی شخص ان کے بارے میں کچھ اور کہتا ہے یا یہ کہتا ہے کہ دنیا میں حادث ان ستاروں کے زیر اثر ظہور پذیر ہوتے ہیں تو وہ سراسر غلط کہتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے مندرجہ بالا آیات میں سے ایک آیہ شریفہ میں آسمان اول کو زمین کی مشتمل حصت فرمانے کے علاوہ ستاروں سے اس کی ترمیم کو جہاں اہل نظر کے حیرت و استغاب اور نمرت کا باعث فرمایا ہے وہیں یہ بھی فرمایا ہے کہ ان کی تخلیق کا ایک سبب یہ بھی ہے کہ ان کے ذریعہ اہل عالم بری و بحری سفر میں اپنی صحیح سمت کا پتہ لگائیں۔ ان بالتوں کے علاوہ مفسرین نے بھی اس کی وضاحت کے سوا اور کچھ نہیں کہا اور جیسا کہ ہم نے ابھی عرض کیا کہ جو لوگ زمین پر رونما ہونے والے حادثات کو ان ستاروں کے اثرات سے منسوب کرتے ہیں وہ سراسر غلط کہتے ہیں۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے مطابق اس نے سات آسمانوں کی تخلیق میں طبقات رکھے ہیں یعنی انہیں ایک کے اوپر ایک بنایا ہے: ﴿خَلَقَ سَبْعَ سَمَاوَاتٍ طَبَاقًا﴾ لیکن ہیئت دن کہتے ہیں کہ ان آسمانوں کے درمیان خلاء نہیں ہے جب کہ جیسا کہ ہم نے اس سے قبل متعدد مستند حوالوں سے حدیث اوعال پیش کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ جب متعدد صحابہ رضی اللہ عنہم سے آنحضرت ﷺ سے دریافت فرمایا کہ آیا وہ جانتے ہیں کہ سات آسمانوں میں کیا ہے اور انہوں نے جواباً عرض کیا کہ اسے اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ آسمان اول سے پانچویں آسمان تک ہر آسمان کا درمیانی فاصلہ پانچ سو میل کی مسافت کا فاصلہ ہے اور اسی طرح پانچویں آسمان سے ساتویں آسمان تک ہر آسمان کا درمیانی فاصلہ پانچ سو میل کی مسافت کا فاصلہ ہے اور اسی طرح پانچویں آسمان سے ساتویں آسمان تک ہر آسمان کا درمیانی فاصلہ اسی قدر ہے۔ اس کے علاوہ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ آسمانوں کے درمیانی فاصلوں میں کثافت ہے یعنی وہاں آب و ہوا جیسی کوئی لطیف شے نہیں ہے۔

اس حدیث کو بہ تمام و کمال احمد، ابو داؤد، ابن ماجہ اور ترمذی نے روایت کیا ہے اور اسے حدیث حسن بتایا ہے۔

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں انس کی روایت کردہ حدیث اسرائیل راوی نے بتایا کہ جب آپ شبِ معراج پہلے آسمان سے گزرے تو وہاں آپ کو حضرت آدم ﷺ ملے اور آپ کے دریافت فرمانے پر حضرت جبریل ﷺ نے بتایا کہ یہ ابو بشر ہیں۔ اس پر آپ نے انہیں سلام کیا اور اس کے جواب میں حضرت آدم ﷺ نے آپ کا خیر مقدم کرتے ہوئے آپ کو معراج پر مبارکبادی۔ پھر اس طرح آپ دوسرے تیرے چوتھے پانچویں، چھٹے اور ساتویں آسمان سے گزرتے ہیں عالم بالاتک تشریف لے گئے۔ ظاہر ہے کہ حدیث اوعال اور حدیث امرا آپ کے مشاہدات ہی پر مبنی ہیں اور مذکورہ بالا راویوں نے آسمانوں کے بارے میں آپ کے حوالے سے جو کچھ بیان کیا ہے وہ بھی مستند احادیث کے حوالے سے کہا ہے: وَاللَّهُ أَعْلَم

ابن حزم، ابن نسیر اور ابو الفرج ابن حوزی نیز بہت سے دوسرے علمائے دین کا متفقہ بیان یہ ہے کہ آسمان ایک کرہ مستدیر ہیں جس کے ثبوت میں انہوں نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد ﴿كُلُّ فِي فَلَكٍ يَسْبُحُونَ﴾ بطور دلیل پیش کیا ہے اور اس میں حسن نے ”یَسْبُحُونَ“ کا مطلب ”یدورون“، یعنی گھون منے والے بتایا ہے۔ ابن عباس نے انہیں تکلی سے تشبیہ دی ہے جو ایک ہی دائرے میں گھوم کرہیں چلی جگہ آتا رہتا ہے۔ دوسرے علماء نے اس کے ثبوت میں گردش آفتاب کو پیش کیا ہے جو شام کو مغرب میں غروب

ہو کر صبح کو پھر مشرق سے طلوع ہوتا ہے۔

اس سلسلے میں امیہ ابن ابی صلت کے دو مشہور شعر بھی یاد رکھنے کے لائق ہیں۔ وہ دو شعريہ ہیں۔

حمراء مطلع لونها متورد	والشمس تطلع كل آخر ليلة
لا معذبة والا تحلى	تابى فلا تبدو لنا في رسالها

”یعنی ہم سورج کو مشرق سے طلوع ہوتے اور مغرب میں غروب ہوتے ہوئے تو دیکھتے ہیں لیکن بعد از غروب اس کی گردش کو نہیں دیکھ سکتے، بس اسے اگلی صبح اسی آب و تاب سے دوبارہ طلوع ہوتا ہوا دیکھتے ہیں۔“

طلوع و غروب آفتاب کے بارے میں جو حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) بخاری، محمد ابن یوسف، سفیان، اعمش، ابراہیم تمیی اور ان کے والد اور ابوذر کے حوالے سے پیش کی ہے وہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دن آپ آخراں الذکر یعنی ابوذر ہنفیؓ سے دریافت فرمایا کہ آیا وہ جانتے ہیں کہ سورج غروب ہونے کے بعد کہاں جاتا ہے؟ تو انہوں نے عرض کیا:

”اللہ اور اس کا رسول ہی جانتے ہیں۔“

ان سے یہ کہا پے نے فرمایا:

”وہ (سورج) مغرب میں غروب ہو کر عرش کے نیچے چلا جاتا ہے اور اللہ تعالیٰ کی اجازت سے اسے سجدہ کرتا ہے لیکن

اس خیال سے کہ شاید اس کا سجدہ قول ہوایا نہیں بار بار اس سجدے کی تکرار کرتا رہتا ہے۔“ (ترجمہ مفہومی)

اور یہی مفہوم اس آیہ شریفہ کا ہے:

﴿وَالشَّمْسُ تَحْرِي لِمُسْتَقْرَرٍ لَهَا ذَالِكَ تَقْدِيرُ الْغَرِيزُ الْعَلِيُّمُ﴾

اس بات کا ذکر اللہ تعالیٰ نے تخلیق کائنات کی ابتداء کے سلسلے میں بھی فرمایا ہے جس کی تفسیر مختلف تقاضیں موجود ہے نیز اس کا ذکر حدیث توحید میں بھی آیا ہے جس کو اعمش نے روایت کیا ہے اور اسے مسلم نے عنوان ”ایمان“ کے تحت اعمش اور یونس بن عبید کے حوالے سے اور ابو داؤد نے حکم بن عقبہ کے حوالے روایت کیا ہے لیکن ان دونوں کی روایات کامآخذ ابراہیم بن یزید بن شریک اور ان کے والد اور ابوذر کی روایت کردہ حدیث ہے جسے ترمذی نے ”حدیث حسن“ بتایا ہے۔ ترمذی کے بقول اس ”حدیث حسن“ اور اس سلسلے کی دوسری احادیث میں کوئی تضاد نہیں ہے اس لیے ہم نے گردش افلاک کے بارے میں جو کچھ عرض کیا ہے وہ بھی بعید از قیاس یا صرف قیاسی نہیں ہے۔ چنانچہ جن لوگوں نے گردش افلاک کے بارے میں کچھ اور کہا ہے وہ قطعی غیر مدلل ہے۔

سورج کا مشرق سے اذن باری تعالیٰ کے بعد مشرق سے طلوع ہو کر مغرب میں غروب ہونا جسے ہم دیکھتے ہیں اور اس کا تحت العرش سجدہ کرنا جسے ہم نہیں دیکھتے وہ بھی بعید از قیاس نہیں ہو سکتا کیونکہ سورج کا نصف النہار تک پہنچ کر مغرب کی طرف جھکتے ہوئے عرش کے نیچے سجدہ ریز ہو جانا اور اپنی گردش کی یومیہ تجھیل کے لیے اذن باری تعالیٰ کا منتظر ہنا اور پھر اس کا جاری رکھنا جسے ہم شام تک دیکھتے ہیں اور رات کے اووقات میں اس کا اپنی گردش جاری رکھنا جسے ہم نہیں دیکھ سکتے وہ سب قرآن و احادیث

سے ثابت ہے۔

جب نظام کائنات کے بارے میں جو ہماری نگاہوں کے سامنے ہے متعدد آیات قرآنی اور احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کی رو سے یہ بات پایہ ثبوت کو پہنچ چکی کہ یہ سب کچھ دست قدرت میں ہے اور اللہ تعالیٰ کے احکام کے تحت چل رہا ہے تو اس امر سے عقلانی بھی کس طرح انکار کیا جاسکتا ہے کہ جب قرب قیامت سورج اپنی حسب معمول یومیہ گردش کورات تک مکمل کر کے دوبارہ مشرق سے طلوع کرے گا تو اسے تادریجیاً اجازت نہ ملے گی اور جب اجازت ملے گی تو اس حکم کے ساتھ کہ وہ اب مشرق سے طلوع ہونے کے بجائے اپنے مغربی مستقر سے طلوع ہو گا اور جب سورج خلاف معمول مغرب سے طلوع ہو گا تو اہل دنیا جو اللہ تعالیٰ کے وجود اور اس کی قدرت کاملہ کے منکر ہوں گے۔ خداۓ تعالیٰ اور اس کی قدرت پر ایمان لانے کا دعویٰ کریں گے لیکن اس وقت ان کا یہ دعویٰ اور ان کے سابقہ اعمال کی توبہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک قبل قبول نہ ہو گی۔ سورج کی گردش اور اس کا مشرق و مغرب میں بالترتیب طلوع و غروب ہمارے سامنے ہے اور امیہ بن صامت نے اپنے مندرجہ بالا اشعار میں اسی حد تک بات کی ہے جسے ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

یہی بات اللہ تعالیٰ نے آیہ شریفہ ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ خِلْفَةً لِمَنْ أَرَادَ أَن يَذَّكَّرَ أَوْ أَرَادَ شُكُورًا﴾ میں ارشاد فرمائی یعنی رات اور دن یکے بعد یگرے اس کے حکم کے تحت آتے جاتے رہتے ہیں لیکن ایک حد تک پہنچ کر اس کے حکم کے تحت یہ سلسلہ منقطع ہو جائے گا یعنی دنیا اپنے اختتام کو پہنچ جائے گی۔ یہی بات آخر حضرت ﷺ نے ارشاد فرمائی۔ آپؐ نے ارشاد فرمایا:

إذَا أَقْبَلَ اللَّيْلُ مِنْ هَهْنَا وَإِذْبَرَ النَّهَارُ مِنْ هَهْنَا وَغَرَبَ السَّمْسَ فَقَدْ افْطَرَ الصَّائِمُ .

یعنی رات اور دن یکے بعد یگرے آتے جاتے رہتے ہیں اور دن کو جب آخر قاب غروب ہو جاتا ہے تو روزہ دار روزہ افطار کرتے ہیں۔ اس لیے محققین کے لیے لازم ہے کہ سورج کی گردش کے بارے میں ان بدیہی حقائق سے تجاوز نہ کریں۔ یہ جو راتیں اور دن نظام قدرت کے تحت بالترتیب اول ربع سے آخر ربع تک اور اول غریف سے آخر غریف تک گئتے بڑھتے رہتے ہیں اور پھر اعتدال پر آ جاتے ہیں۔ یہ سب اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے بندوں کی ضروریات اور ان کی سہولت کے لیے ہوتا رہتا ہے۔

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں سفیان بن عینہ کی زبانی زہری، سعید بن مسیتب اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے مردی ہے کہ آخر حضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ ”ابن آدم اپنی سوچ بوجھ کے لحاظ سے زمانے کو برآ کھتا ہے حالانکہ زمانوں کا رد و بدل یعنی رات کو دن میں اور دن کو رات میں تبدیل کرنا میرے قبضہ قدرت میں ہے اور یہ میرے ہی حکم سے ہوتا ہے“۔ بعض روایات میں یہ الفاظ ہیں کہ انا الدهر اقلب لیله و نهارہ یعنی میں خود زمانہ (دہر) ہوں اور میں خود ہی رات کو دن میں اور دن کو رات میں بدلتا رہتا ہوں۔ امام شافعی، ابی عبد القاسم بن سلام وغیرہ کہتے ہیں کہ اس قول خداوندی میں ”انا الدهر“ سے مراد ”فاعل دہر“ ہے جس کے حکم سے زمانے بدلتے رہتے ہیں لہذا جو انسان دہر یا زمانے کو برآ کھتا ہے وہ گویا اس کے فاعل کو برآ

کہتا ہے ورنہ دھریاز مازن تخلق ہے جو کسی طرح خالق کی حیثیت اختیار نہیں کر سکتا۔

راتوں اور دنوں کے تغیر و تبدل اور مہینوں اور سالوں کا جو حساب ہم ان کے لحاظ سے لگاتے ہیں اس کے سلسلے میں ذرا ان آیات پر غور کیجیے جن میں اس کی وضاحت موجود ہے:

① ﴿فَلِلَّهِمَّ مَا لِكَ الْمُلْكُ تُؤْتَى الْمُلْكُ مَنْ تَشَاءُ وَ تُعْزِّزُ مَنْ تَشَاءُ وَ تُذْلِلُ مَنْ تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرٌ إِنَّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ، تُولِّجُ اللَّيلَ فِي النَّهَارِ وَ تُولِّجُ النَّهَارَ فِي اللَّيلِ وَ تُخْرِجُ الْحَيَّ مِنَ الْمَيِّتِ وَ تُرْزُقُ مَنْ تَشَاءُ بِغَيْرِ حِسَابٍ﴾

② ﴿هُوَ الَّذِي جَعَلَ الشَّمْسَ ضِيَاءً وَ الْقَمَرَ نُورًا وَ قَدْرَةً مَنَازلَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السَّيْنِينَ وَ الْحِسَابَ مَا خَلَقَ اللَّهُ ذَاكَ إِلَّا بِالْحَقِّ يُفَصِّلُ الْآيَاتِ لِقَوْمٍ يَعْلَمُونَ إِنَّ فِي اخْتِلَافِ اللَّيلِ وَ النَّهَارِ وَ مَا خَلَقَ اللَّهُ فِي السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضِ لَآيَاتٍ لِقَوْمٍ يَتَفَقَّهُونَ﴾

ان آیات میں پہلی آیہ شریفہ سے صاف ظاہر ہے کہ کائنات کی ہر شے اللہ تعالیٰ کے قبضہ قدرت میں ہے جسے جو چاہے بخش دے اور جس سے چاہے لے لے وہی عزت دینے والا ہے اور وہی جسے چاہے ذلت سے ہمکار کر دئے روز و شب کا تیرو و تبدل اسی کے دست قدرت میں ہے اور وہ ہرشے پر قادر ہے مردہ سے زندہ اور زندہ سے مردہ کر دیا اسی کے دست قدرت میں ہے اور وہ جسے چاہے بے حساب رزق عطا فرمادے جب کہ دوسرا آیہ شریفہ سے صاف پتہ چلتا ہے کہ اللہ تعالیٰ ہی نے سورج کو ضیاء اور چاند کو نور بخشنا ہے اور ان کے منازل مقرر فرمادیے ہیں تاکہ اس کے بندے یعنی ہم انسان ان کے ذریعہ اپنے شین (برسون) کا حساب رکھ سکیں نیز یہ اس نے جو کچھ پیدا کیا ہے یعنی ہر چیز کی تحقیق میں اس کی قدرت کے ساتھ اس کی حکمت کا ملہ شامل ہے۔ اس نے اپنی یہ نشانیاں انسانوں کے سمجھنے کے لیے بنائی ہیں اور دن رات کا اختلاف بھی ان کے سامنے اس لیے رکھا ہے تاکہ وہ لقوٹی اختیار کریں۔ سورج اور چاند کے لیے اس نے جو بالترتیب الفاظ ضیاء اور نور استعمال فرمائے ہیں ان کا راز یہ ہے کہ اس نے سورج کو شعاعیں بخشی ہیں جن سے چاند اکتاب نور کرتا ہے اور ہر مہینے کے آغاز میں ہلال کی شکل میں نمودار ہو کر پندرھویں شب تک بڑھتا رہتا ہے جس کے بعد آخراً تک گھٹتے گھٹتے آخري روز غائب ہو جاتا ہے اور اگلے مہینے کی پہلی تاریخ سے قبل کی شب میں دوبارہ ہلالی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ چاند کا یہ ہٹھا بڑھنا اس کے سورج سے قرب و بعد کو ظاہر کرتا ہے اور یہ بات اب ہم سب جان گئے ہیں کہ سورج کے طلوع و غروب سے رات اور دن کے علاوہ مہینوں اور برسوں کا حساب رکھنا آسان ہے خصوصاً چاند کے نمودار ہونے اور اس کے آسمان سے غائب ہو جانے سے بالترتیب ہر مہینے کی ابتداء اور انہا معلوم ہوتی ہے جیسا کہ ایک جگہ قرآن میں خود ارشاد فرمایا:

﴿وَ جَعَلْنَا اللَّيلَ وَ النَّهَارَ آيَتَينَ فَمَحَوْنَا آيَةَ اللَّيلِ وَ جَعَلْنَا آيَةَ النَّهَارِ مُبَصِّرَةً لِتَبَغُّوا فَضْلًا مِنْ رَبِّكُمْ وَ لِتَعْلَمُوا عَدَدَ السَّيْنِينَ وَ الْحِسَابَ وَ كُلُّ شَيْءٍ فَصَلَّنَاهُ تَفْصِيلًا﴾

ہم نے یہ سب باتیں ان آیات کی تفسیر کرتے ہوئے اپنی کتاب تفسیر میں تفصیل سے بیان کی ہیں۔

آسمانی کواکب میں سے علماء تفسیر نے سات کو سیارے بتایا ہے جنہیں مفسرین کی اصطلاح میں متھیرہ کہا گیا ہے۔ ان مفسرین کے دعوے جو علم الاحکام کے خلاف نہیں درست ہیں بلکن جو اس کے برعکس ہیں وہ یقیناً باطل ہیں کیونکہ اپنے ان دعاویٰ کے لیے دلائل پیش کرنے سے وہ اب تک قادر رہے ہیں۔ بہر حال ان کے بتائے ہوئے سات سیاروں کے نام یہ ہیں:

- ① قمر (چاند) جو آسمان دنیا میں ہے۔
- ② عطارہ جو دوسرے آسمان میں ہے۔
- ③ زهرہ جو تیرے آسمان میں ہے۔
- ④ شمس (سورج) جو چوتھے آسمان میں ہے۔
- ⑤ مرخ، جو پانچویں آسمان میں ہے۔
- ⑥ مشتری جو چھٹے آسمان میں ہے۔
- ⑦ رحل جو ساتویں آسمان میں ہے۔

باقی کواکب یا ستارے جنہیں وہ ثوابت کہتے ہیں ان کے نزدیک آٹھویں آسمان میں ہے لیکن اکثر متاخرین نے اسے "کرسی" بتایا ہے تاہم زمانہ ماضی قریب کے محققین کے نزدیک یہ جملہ ستارے اور سیارے آسمان اول ہی میں ہیں لیکن اس کے ساتھ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کے ایک دوسرے کے اوپر نیچے ہونے میں کوئی تباہت نہیں ہے۔ یہ آخری محقق اپنے وعدے کے ثبوت میں بطور دلیل مندرجہ ذیل دو آیات قرآنی پیش کرتے ہیں:

﴿وَلَقَدْ زَيَّنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ وَ جَعَلْنَاهَا رَجُومًا لِلشَّيَاطِينِ﴾ ①

﴿فَقَضَاهُنَّ سَبَعَ سَمَوَاتٍ فِي يَوْمٍ وَ أُوْحَى فِي كُلِّ سَمَاءٍ أَمْرَهَا وَ زَيَّنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحٍ وَ حِفْظًا﴾ ②

ذالِكَ تَقْدِيرُ الرَّحْمَنِ الْعَزِيزِ الْعَلِيمِ ﴾

وہ ان آیات قرآنی سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آسمانوں میں سے زینت و آرائش کے لیے آسمان دنیا کو مخصوص کیا ہے۔ لیکن ان ستاروں کے باہم زیر و بالا ہونے سے ان کی پیش کردہ دلیل میں کوئی کوتاہی واقع نہیں ہوتی۔ واللہ اعلم ان محققین کے نزدیک ساتوں بلکہ آٹھویں آسمان اپنے ستاروں اور سیاروں سمیت مشرق سے مغرب کی طرف گردش کرتے ہیں۔ ان کا کہنا یہ بھی ہے کہ چاند جو پہلا سیارہ ہے اپنی گردش ایک ماہ میں اور سورج جو چوتھا سیارہ ہے ماہ بارہ بارہ مرتبہ کر کے اپنی گردش پوری کرتا ہے جب کہ رحل جو ساتوں سیارہ ہے آسمان دنیا کی بیانائش کے لحاظ سے اپنی پوری گردش تیس سال میں کامل کرتا ہے اور اس لحاظ سے سورج کی گردش آسمان کے دائرے میں بارہ بھینیوں میں ۳۶۰ مرتبہ ہوتی ہے اور ایک سال کے یہی یعنی ۳۶۰ دن ہوتے ہیں۔

علم کلام کے (نامنہاد) ماہرین نے ستاروں کے مقامات، ان کی حرکات و گردش اور ان کی وسعت پر گفتگو کرنے کے بعد علم

الا حکام پر روشی ڈالنے کی کوشش کی ہے اور بتایا ہے کہ حادث ارضی پر ان کے کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ لیکن ان کی اکثریت اس سلسلے میں کم سواد معلوم ہوتے ہیں۔ رہے یونانی تو وہ قبل مسح علیہ السلام میں سکونت پذیر تھے اور انہوں نے اس سلسلے میں بہت سا علمی سرمایہ چھوڑا ہے۔ یہ لوگ عموماً شہر دمشق میں رہے جہاں انہوں نے اس شہر کے سات دروازے بنوائے تھے اور ہر دروازے کے ساتھ ایک بیکل (عبادت گاہ) تعمیر کرائی تھی جو سات ستاروں کی جدا گانہ صفات سے موسم کی تھی۔ ان ساتوں ہیکلوں میں وہ عبادت کرتے تھے اور ان کے الگ الگ ستاروں سے اپنی اپنی بھلائی کے لیے دعا مانگتے تھے۔ یہ جملہ باقی مورخین نے لکھی ہیں خصوصاً ”سر المکتوم“ کے مصنف نے چند سورج اور دوسرے کو اکب کے حوالے سے علمائے حنفیین یعنی عہد قدیم کے حران کے فلسفیوں کا ذکر کیا اور بتایا ہے کہ وہ سب مشرک تھے اور سات ستاروں کی پرستش کرتے تھے۔ ان کا گروہ صائبین کا گروہ کہلاتا تھا۔ انہی کو اکب پرستوں کے شرکانہ اعمال کے حوالے سے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

﴿وَ مِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَ النَّهَارُ وَ الشَّمْسُ وَ الْقَمَرُ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَ لَا لِلْقَمَرِ وَ اسْجُدُوا لِلَّهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيمَانًا تَعْبُدُونَ﴾

”یعنی رات اور دن کی طرح مش و قمر بھی اللہ تعالیٰ کی نشانیوں (ظاہر قدرت) میں سے ہیں (اس لیے) مش و قمر کو بجدہ کرنے کے بجائے اسے بجدہ کرو جو ان کا خالق ہے۔“

اسی طرح قرآن شریف میں ایک جگہ ہدہ کا ذکر کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ وہ پرندہ بکن کی ملکہ سبا اور اس کے لئکر کی خبر لے کر حضرت سلیمان علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہوا یہ انہیں اس کے حسن و جمال اور کثرت جاہ و مال کی بھی خبر دی۔ اس کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ہدہ کی زبانی یوں فرمایا:

﴿إِنِّي وَجَدْتُ اُمَّرَأَةً تَمْلِكُهُمْ وَأُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ وَلَهَا عَرْشٌ عَظِيمٌ وَجَدْتُهَا وَقَوْمُهَا يَسْجُدُونَ لِلشَّمْسِ مِنْ دُوْنِ اللَّهِ وَرَبِّنَ لَهُمُ الشَّيْطَانُ أَعْمَالَهُمْ فَصَدَّهُمْ عَنِ السَّبِيلِ فَهُمْ لَا يَهْتَدُونَ الخ﴾

الله تعالیٰ نے عبادت کے حوالے آگے یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿إِنَّمَا تَرَأَنَ اللَّهَ يَسْجُدُ لَهُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَمَنْ فِي الْأَرْضِ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ وَالْجِبَانُ وَالشَّجَرُ الخ﴾

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ قرآن میں فرمایا:

﴿أَوَلَمْ يَرَوْا إِلَى مَا خَلَقَ اللَّهُ مِنْ شَيْءٍ يَنْفَعُهُ ظِلَالُهُ عَنِ الْيَمِينِ وَالشَّمَائِيلِ سُجَّدًا لِلَّهِ وَهُمْ ذَاخِرُونَ الخ﴾

اور ایک جگہ فرمایا:

﴿وَلِلَّهِ يَسْجُدُ مَنْ فِي السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ طَوْخًا وَكَرْهًا وَظِلَالُهُمْ بِالْغُدُوِّ وَالاَصَالِ﴾

اور یہ بھی ارشاد فرمایا:

﴿تَسْبِحُ لَهُ السَّمَاوَاتُ السَّبْعُ وَالْأَرْضٌ وَمَنْ فِيهِنَّ وَإِنْ مَنْ شَاءَ إِلَّا يُسْبِحُ بِحَمْدِهِ وَلِكُنْ لَا تَفْقَهُونَ تَسْبِيْحُهُمْ إِنَّهُ كَانَ حَلِيمًا غَفُورًا﴾

اس موضوع پر قرآن میں کثرت سے بڑی اہم آیات ملتی ہیں۔

ایسی اکثر چیزیں زمین اور آسمان پر ہمارے مشاہدے میں شب و روز آتی ہیں جن میں اجرام فلکی خصوصاً چاند اور سورج بھی شامل ہیں جو اس لحاظ سے بڑے معتبر ہیں کہ ان کی چمک دمک میں کسی حیثیت سے تردید نہیں کی جاسکتی اور جنہیں دیکھ کر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کی الوہیت اور ان کے معبد ہونے کی تردید کی اور ان کی عبادت کو باطل تھا ہر ایسا جس کا تذکرہ خود اللہ تعالیٰ نے یوں فرمایا:

﴿فَلَمَّا جَنَّ عَلَيْهِ اللَّيْلُ رَأَى كُوْكَبًا قَالَ هَذَا رَبِّيْ فَلَمَّا أَفْلَى قَالَ لَا أُحِبُّ الْأَفْلَيْنَ (غَاب ہونے والے) فَلَمَّا رَأَى الْقَمَرَ بَارِغًا قَالَ هَذَا رَبِّيْ فَلَمَّا أَفْلَى قَالَ لَئِنْ لَمْ يَهْدِنِي رَبِّيْ لَا تَكُونَ مِنَ الْقَوْمِ الصَّالِيْنَ الخ﴾

اس آیہ شریفہ سے بطور برهان قطعی معلوم ہوتا ہے کہ اجرام سماوی میں جن کو اکب اور چاند سورج کا ہم مشاہدہ کرتے ہیں وہ الوہیت کے لحاظ سے کسی حیثیت کے حامل نہیں ہیں کیونکہ وہ سب اللہ کی مخلوق ہیں اور اپنی گردش کے لحاظ سے بھی سخر ہیں یعنی جن کاموں پر مامور ہیں انہی کو بجالانے کے پابند ہیں اپنی طرف سے کچھ کر سکتے ہیں نہ اپنی حدود سے ذرہ بھر تجاوز کر سکتے ہیں۔ یہ اس بات کا تقابل تردید شوہوت ہے کہ دیگر اشیائے کائنات کی طرح کو اکب اور شمس و قمر بھی مخلوقات خداوندی میں شامل اور سخر ہیں اور احکام خداوندی کے پابند ہیں جیسا کہ قرآن میں ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿وَمِنْ آيَاتِهِ اللَّيْلُ وَالنَّهَارُ وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ﴾

اور پھر سورج اور چاند کی پرستش سے منع کر کے صرف اپنی پرستش کا حکم دیا:

﴿وَأَنْجِلُوا إِلَيْهِ الَّذِي خَلَقْهُنَّ إِنْ كُنْتُمْ إِيمَانًا تَعْبُدُونَ﴾

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں جو حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) صلات کسوف (سورج گرہن کی نماز) کے تحت درج ہے جسے ابن عمر نے ابن عباس عائشہ اور چند مگر صحابہؓؓ کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ ایک روز آنحضرت ﷺ نے اپنے خطبے کے دوران میں فرمایا:

ان الشّمْسِ وَالْقَمَرِ آيَاتُ اللّٰهِ عَزُوْجَلٍ وَانهُمَا لَا يَنْكِسْفَانَ لِمَوْتٍ اَحَدٌ وَلَا لِحَيَاةٍ.

”یعنی سورج اور چاند اللہ تعالیٰ کی نشانیوں میں سے دونوں نیاں ہیں اور وہ کسی کی موت یا پیدائش پر گہن میں نہیں آتے۔“

بخاریؓؓ نے مدد عبدالعزیز بن مختار، عبد اللہ واثانج اور ابو سلمہ کی زبانی ابو ہریرہؓؓ کے حوالے سے تخلیق کائنات کے بارے میں جو حدیث نبویؓؓ پیش کی ہے وہ میں آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد درج کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ سورج اور چاند مقامت کے دن اپنی روشنی سے محروم ہو جائیں گے۔

اس حدیث کو بخاریؓ نے خصوصی طور پر تخلیق کائنات کا تذکرہ کرتے ہوئے بیان کیا ہے:

حافظ ابو بکر البزار نے اس حدیث کی روایت میں تمہیداً تفصیل میں جاتے ہوئے ابراء بن زیاد بغدادی یونس بن محمد عبد العزیز بن مختار کی زبانی عبد اللہ الداناج کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر یعنی عبد اللہ الداناج نے کہا کہ انہوں نے خالد بن عبد اللہ قسری کے زمانے میں ابوسلمہ بن عبد الرحمن کو کہتے سنا کہ ایک روز وہ یعنی ابوسلمہ مسجد کوفہ میں بیٹھے تھے کہ وہاں جناب حسن تشریف لے آئے تو باتوں باتوں میں ابوسلمہ نے انہیں ابوہریرہؓ کے حوالے سے مندرجہ بالا حدیث نبوی یوں سنائی۔ کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ: (ان الشمس و القمر ثوران في النار يوم القيمة) ابوسلمہ سے یہ حدیث سن کر جناب حسن نے ان سے پوچھا: ”ان کا دین کیا ہے؟“ یہ سن کر ابوسلمہ بولے: ”میں آپ سے روز قیامت سورج اور چاند کی انتہا کے بارے میں آنحضرت ﷺ کی خدمت بیان کر رہا ہوں کہ وہ قیامت کے روز آگ (نار جہنم) میں شامل کردیئے جائیں گے اور آپ مجھ سے ان کے دین کے بارے میں پوچھ رہے ہیں۔“ اس کے بعد البزار نے کہا کہ انہوں نے یہ حدیث ابوہریرہؓ کے حوالے سے صرف اس واقعے کی وجہ سے روایت کی ہے۔ عبد اللہ الداناج نے بھی ابوسلمہ کے حوالے سے اس حدیث کے علاوہ کوئی دوسری حدیث روایت نہیں کی۔

حافظ ابویعلى موصلىؓ نے جو حدیث نبوی ﷺ (ان الشمس و القمر ثوران عقiran في النار) یزید رقاشی کے حوالے سے بیان کی ہے اور اس میں انس کا حوالہ بھی دیا گیا ہے ضعیف بتائی گئی ہے۔

اس کے علاوہ قرآن الفاظ ﴿إِذَا الشَّمْسُ كُوْرَثَ﴾ کی وضاحت کے سلسلے میں ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ان سے ابوسعید الشعیع، عمر بن عبد اللہ ازدی اور ابواسامہ نے مجالہ اور شیخ مجید کے حوالے سے بیان کیا کہ ان الفاظ قرآنی کی وضاحت ابن عباس شیخ محدث نے یوں کی کہ اللہ تعالیٰ سورج، ستاروں اور چاند کو روز قیامت سندر میں ڈبو کر ان کی روشنی زائل فرمادیں گے، پھر اس کے بعد ایک گرم ہوا چلا کر انہیں حرارت بخیشیں گے اور پھر انہیں آگ (آتش دوزخ) میں شامل فرمادیں گے۔

اس سے ثابت ہوتا ہے کہ سورج، چاند اور ستارے سب کے سب دوسری اشیائے کائنات کی طرح مغلوق خداوندی ہیں، جس طرح اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے کامل ارادے کے تحت تخلیق کیا اسی طرح جو سلوک ان کے ساتھ جب چاہیں گے فرمائیں گے جو سب اس کی حکمت بالغ پرمنی ہو گا اس لیے کسی کو اس کے علم اور حکمت کے بارے میں سوال کرنے کی گنجائش نہیں ہے۔

امام محمد بن الحنفی بن یسار نے اپنی کتاب ”كتاب السيرة من الشعر“ کے آغاز میں آسان زمین سورج، چاند، ستاروں اور کائنات کی دیگر اشیاء کی تخلیق کے بارے میں یزید بن عمر بن نفیل کے بڑے خوبصورت اشعار درج کیے ہیں جن کے بارے میں این ہشام کی رائے یہ ہے کہ وہ اشعار امیہ ابن ابی صامت کے ہیں۔

بہر کیف مندرجہ بالا آیات قرآنی، احادیث نبوی (ﷺ) اور دیگر مستند روایات کے مطالعہ کے بعد اس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں رہتی کہ آسمانوں، زمینوں کو اکب یعنی سیاروں اور ثوابت دیگر کو اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا اور انہیں اپنے حکم سے ان کے متعلقہ کاموں پر جس طرح چاہا مامور فرمایا اور ان کے ساتھ آخر کار جو چاہے گا کرے گا۔

اکثر مفسرین نے ستاروں اور سیاروں کے تذکرے اور قصہ ہاروت و ماروت کو زہرہ پہلے ایک عورت تھی جسے دو فرشتوں ہاروت و ماروت نے زمین پر آ کر اور اس کے حسن بے مثال سے متاثر ہو کر اسے اسم اعظم سکھادیا تھا جسے پڑھ کر وہ ستارہ بنی اور آسمان پر چلی گئی لیکن یہ صرف خیالی باتیں ہیں جسے اسرائیلیات سے اخذ کیا گیا ہے۔ یہ بھی ممکن ہے کہ معتقد میں نے یہ بات کعب احبار سے سن کر محض ایک کہانی کے طور پر بیان کروی ہوا اور اس کا مأخذ اسرائیلیات کو بھی بتایا ہو۔ امام احمد اور حبان نے اس حکایت کو اپنی کتابوں میں درج کیا ہے لیکن احمد نے یہی ابن بکیر کی زبانی زہیر بن محمد، موسیٰ بن جبیر، نافع اور ابن عمر بن دعمن کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس حکایت کو آخر الذکر نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے تفصیلاً سنا تھا جو یہ تھا کہ ہاروت و ماروت یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس حکایت کو آخر الذکر نے آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے تفصیلاً سنا تھا جو یہ تھا کہ اسے اسم اعظم لکھا دیا جائے جو ہاروت و ماروت نے اسے سکھا دیا۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ زہرہ اسے پڑھ کر ستارہ بنی اور آسمان پر چلی گئی اور ہاروت و ماروت اللہ کے نزدیک سزا کے مستحق شہرے لیکن جہاں تک اس حکایت میں آنحضرت ﷺ کے حوالے کا تعلق ہے تو وہ روایت ہی ایک تو انہائی ضعیف ہے اور بفرض محال درست بھی ہو تو یقیناً آپؐ نے اسے بیان فرمایا کہ اس کے بارے میں ساتھ ہی اسے اسرائیلیات کے من گھڑت افسانوں میں شامل فرمایا ہوا گا تاہم جیسا کہ سطور بالا میں ہم نے عرض کیا یہ بھی کسی نہ کسی طرح معتقد میں کی روایات میں شامل ہو گیا ہے لیکن اسے صرف ایک کہانی ہی سمجھنا چاہیے۔

ہماری اس گزارش کا سب سے بڑا بین ثبوت یہ ہے کہ عبد الرزاق نے اپنی تفسیر میں یہ قصہ بیان کرتے ہوئے ثوریؓ، موسیٰ بن عقبہؓ اور سالمؓ کے حوالوں کے آخر میں کعب احبار کا حوالہ دیا ہے اور کعب احبار انجلیل کے عالم ہونے کے ساتھ ساتھ اسرائیلیات میں شامل کچھ ایسے قصے بھی بیان کیا کرتے تھے جو ظاہر ہے کہ اسرائیلیات کے دوسرے من گھڑت افسانوں کی طرح درحقیقت خلاف واقعہ ہوتے تھے۔

ہماری ان گزارشات کا ایک اور مدلل ثبوت یہ ہے کہ جن راویوں نے اس قصے کی روایت کو دوسرے متعدد راویوں کے حوالے سے احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) تک پہنچایا ہے ان جملے احادیث کو اکثر ثقہ محدثین نے کمزور اور غیر معتقد بتایا کہ جیسا کہ ہم پہلے عرض کر چکے ہیں کعب احبار کے بیان کردہ دوسرے اسرائیلی افسانوں میں شامل کیا ہے حتیٰ کہ بخاری اور نسانی جیسے ثقہ و معتقد محدثین نے اس سلسلے میں احادیث کی حد تک ان کی صحیت سے انکار کیا ہے اور اس قصے کو اسرائیلیات کی خرافات سے منسوب کیا ہے۔



مجرہ اور قوس قزح کا ذکر

ابوالقاسم طبرانی کہتے ہیں کہ ان سے علی بن عبد العزیز، عارم ابو نعیمان اور ابو عوانہ نے ابی بشر، سعید ابن جبیر اور ابن عباس نے ہمہ کے حوالے سے بیان کیا کہ رومی حکمران ہرقل نے معاویہ شیخوں کو ایک خط لکھ کر ان سے درخواست کی تھی کہ وہ ان چند چیزوں کے بارے میں اسے لکھیں جن کے متعلق اکثر لوگ اس سے سوالات کرتے ہیں بشرطیکہ انہیں (معاویہ کو) عہد بنت میں کسی نے ان کے بارے میں بتایا ہو۔ ابوالقاسم طبرانی مزید کہتے ہیں کہ ہرقل نے اپنے مذکورہ بالا خط میں معاویہ سے خاص طور پر مجرہ اور قوس قزح کے بارے میں پوچھا تھا اور معاویہ نے ہرقل کا وہ خط ابن عباس نے ہمہ کو سمجھ دیا تھا تاکہ وہ اس کی طرف سے اس خط کا جواب دے دیں۔ چنانچہ ابن عباس نے ہرقل کے ان سوالات کے جواب میں لکھا تھا کہ قوس قزح وہ ذریعہ ہے جس کی وجہ سے اہل زمین کمکل طور پر غرق ہونے سے محفوظ رہتے ہیں اور مجرہ آسمان کا وہ وہ دروازہ ہے جو آسمان اور زمین کی حد فاصل ہے۔

چونکہ ہرقل نے اس بقعنور کے بارے میں بھی سوال کیا تھا جہاں سورج کی براہ راست شعاعیں دن میں صرف ایک لمحے کے لیے پہنچتی ہیں اس لیے ابن عباس نے اس کا جواب بھی دیا تھا اور وہ یہ تھا کہ جس روشنی و تمازت میں مل کر سورج کی شعاعیں بوقت نصف النہار زمین پر منکس ہوتی ہیں وہ خط استوا ہے جس کے نیچے زرافا صلے سے بحر بنی اسرائیل کا آغاز ہوتا ہے۔ یہ جملہ اسناد ابن عباس نے تک صحیح تسلیم کی گئی ہیں لیکن اس سلسلے کی ایک دوسری روایت میں جو طبرانی ہی سے بحوالہ البراءہم بن مخلد، فضل بن مختار، محمد بن مسلم طاہی، ابی تیجی، مجاهد اور جابر بن عبد اللہ مروی ہے بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جب معاذ کو اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کے پاس بھیجا تھا تو ان سے فرمایا تھا کہ ”میں تمہیں اہل کتاب کے پاس سمجھ رہا ہوں لیکن اگر وہ تم سے (اور سوالات کے علاوہ) یہ بات دریافت کریں کہ آسمانی مجرہ کیا چیز ہے تو انہیں بتانا کہ وہ عرش کے نیچے ایک جاندار عاب ہے۔“

اس روایت میں جس حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا حوالہ دیا گیا ہے اس سے جملہ ثقہ راویوں نے جن میں حافظ ابوالثّقہ از دی شاہیں ہیں انکا کرتے ہوئے اس کو ”حدیث منکر“ میں شامل کیا ہے اور بتایا ہے کہ اس حدیث کا اصل راوی فضل بن مختار یعنی ابو سہل بصری ہے جو بصرے سے مصر چلا گیا اور ابو حاتم رازی کے بقول وہ ایک مجہول سا آدمی تھا جس نے بہت سی احادیث گھٹلی تھیں جو سراسرنا قابل اعتبار ہیں کیونکہ ان میں کوئی مستند حوالہ تک نہیں ہے۔ اس کے بارے میں یہی بات ابن عذری نے بھی کہی ہے اور اس کی روایت کردہ جملہ احادیث کو من گھڑت اور ناقابل اعتبار بتایا ہے جب کہ اس سلسلے میں نیز دیگر تخلیقات ارضی و سمادی کے بارے میں مندرجہ ذیل آیات قرآنی بالکل واضح ہیں:

① ﴿هُوَ الَّذِي يُرِينَكُمُ الْبَرْقَ حَوْفًا وَ طَمَعًا وَ يُنْشِيءُ السَّحَابَ النَّقَالِ وَ يُسَبِّحُ الرَّعْدُ بِحَمْدِهِ وَ الْمَلَائِكَةُ مِنْ خِيفَتِهِ وَ يُرْسِلُ الصَّوَاعِقَ فَيُصِيبُ بِهَا مَنْ يَشَاءُ وَ هُمْ يُحَاجِدُونَ فِي اللَّهِ وَ هُوَ شَدِيدُ الْمَحَالِ﴾

② ﴿إِنَّ فِي خَلْقِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَ أَخْتِلَافِ اللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَالْفُلْكِ الَّتِي تَجْرِيُ فِي الْبَحْرِ بِمَا يَنْفَعُ النَّاسَ وَمَا أَنْزَلَ اللَّهُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ رُزْقٍ فَأَخْيَا بِهِ الْأَرْضَ بَعْدَ مَوْتِهَا وَ بَئَثَ فِيهَا مِنْ كُلِّ ذَآبَةٍ وَ تَصْرِيفُ الرِّيَاحِ﴾

وَالسَّحَابِ الْمُسْخَرِبِينَ السَّمَاءَ وَالْأَرْضَ لَتَابَتِ الْقُوَمُ يَعْقُلُونَ ﴿٤﴾

اس کے علاوہ امام احمدؓ نے یزید بن ہرون، ابراہیم بن سعدؑ ان کے والد اور بنی غفار کے ایک بزرگ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آخراً الذکر نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ:

ان الله ينشيء السحاب فينطق أحسن النطق ويصحك أحسن الصحك.

اس حدیث کو موسیٰ بن عبیدہ بن سعد بن ابراہیم کو روایت کرتے ہوئے یہ بھی بتایا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ:
”اس کا (بادل کا) نطق رعد کی آواز اور اس کی تفہیک برق ہے۔“

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ انہوں نے اپنے والد اور ہشام سے عبید اللہ رازی اور محمد بن مسلم کے حوالے سے سنائے کہ انہیں باوثوق ذرائع سے معلوم ہوا کہ برق ایک فرشتہ ہے جس کے چار منہ ہیں۔ اس کا ایک منہ انسان کے منہ کی طرح دوسرا منہ کی طرح، تیسرا گدھ کی طرح کے ایک پرندے کے منہ کی طرح اور چوتھا منہ کی طرح ہے۔ جب وہ فرشتہ اپنے جسم کے پچھلے حصے کو جبکش دیتا ہے تو اس سے جو چمک پیدا ہوتی ہے وہی برق ہے۔

امام احمدؓ سے مردی ایک روایت کو ترمذی، نسائی اور بخاریؓ نے ”كتاب الادب“ کے تحت بیان کیا ہے نیز حاکم نے اپنی کتاب ”مدرس“ میں لکھا ہے کہ حاجج بن ارطاة کے بقول انہیں ابن مطر بن سالم اور ان کے والد کے حوالے سے بتایا کہ جب آنحضرت ﷺ رعد کی گرج اور برق کی کڑک سنتے تو فرماتے:

اللَّهُمَّ لَا تقتلنا بغضبك و لَا تهلكنا بعذابك و عافنا قبل ذالك.

ابن جریر نے لیٹ کی زبانی اور ایک اور شخص اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ رعد کی آواز سن کر فرمایا کرتے تھے: ”سبحان من يسبح الرعد بحمده“ جب کہ حضرت ﷺ کے بقول آپ آواز رعد سن کر ”سبحان من سبحت له“ فرمایا کرتے تھے۔

حضرت ﷺ کی زبانی بھی کہی جدید ایک اور عباسؓ نے ”رسول ﷺ اسود بن یزید اور طاؤسؓ وغیرہ سے مردی ہے جب کہ مالک نے عبد اللہ بن عمرؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ (بارش میں) رعد کی گرج سنتے تو باقیں کرنا موقوف فرماد کر فرماتے: ”سبحان من يسبح الرعد بحمده و الملائكة من خيفه“ پھر اس کے بعد ارشاد فرماتے: ”ان هذا وعيد شديد لا هل الأرض“ یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف سے زمین والوں کے لیے شدید تنبیہ ہے۔

امام احمدؓ ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ (برق و رعد کے بارے میں) یہ بھی فرمایا کرتے تھے کہ یہ اللہ تعالیٰ کے اپنے بندوں کے لیے فرمان ہیں کہ:

”اگر تم میرے بندے ہو تو میری اطاعت کرو کہ میں راتوں کو بھی انہیں بارش سے سیراب کرتا ہوں اور تمہارے لیے دن کو سورج طلوع کرتا ہوں۔ تو جب تم رعد کی آواز سن کرو تو اللہ کا ذکر کیا کرو (کیونکہ) اللہ اپنے ذکر کرنے والوں کو بھی کسی مصیبت میں بچانا ہیں کرتا۔“

یہ سب کچھ تفاسیر میں تفصیل کے ساتھ بیان کیا جا چکا ہے۔ وَلِلَّهِ الْحَمْدُ وَالْمُنْتَهَى

باب ۵**تخليق ملائكة عزائم اور ان کے اوصاف**

اس باب کے آغاز میں ہم وہ آیات قرآنی درج کر رہے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ نے نصاریوں کے عقیدے کے (نحوہ بالله) حضرت عیسیٰ علیہ السلام خدا کے بیٹے ہیں اور صفاتِ الہیہ اور فرشتوں کے اوصاف کا ذکر فرمایا ہے نیز یہاں وہ احادیث بھی پیش کی جا رہی ہیں جن میں آنحضرت علیہ السلام نے شبِ معراج آسمانوں پر اپنے مشاہدات کا ذکر فرمایا:

ارشاداتِ باری تعالیٰ:

- ① ﴿وَقَالُوا تَحْذِّرُ الرَّحْمَنَ وَلَدًا سُبْحَانَهُ بَلْ عِبَادُ مُكَرَّمُونَ لَا يَسْبُقُونَهُ بِالْقَوْلِ وَهُمْ بِأَمْرِهِ يَعْمَلُونَ ۝ يَعْلَمُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفَهُمْ وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنْ أَرْتَضَى وَهُمْ مِنْ حَشْيَتِهِ مُشْفِقُونَ ۝ وَمَنْ يَقُلُّ مِنْهُمْ إِنَّهُ مِنْ دُونِهِ فَذَلِكَ نَجْزِيَهُ جَهَنَّمَ كَذَلِكَ نَجْزِي الظَّالِمِينَ﴾
- ② ﴿تَكَادُ السَّمَاوَاتِ يَنْفَطَرُنَّ مِنْ فَوْقِهِنَّ وَالْمَلَائِكَةُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِمَنْ فِي الْأَرْضِ إِلَّا إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْغَفُورُ الرَّحِيمُ﴾
- ③ ﴿الَّذِينَ يَحْمِلُونَ الْعَرْشَ وَمَنْ حَوْلَهُ يُسَبِّحُونَ بِحَمْدِ رَبِّهِمْ وَيُؤْمِنُونَ بِهِ وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبِّنَا وَسَعَتْ كُلُّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَعِلْمًا فَاعْفُرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقَهْمَ عَذَابُ الْجَحِيمِ ۝ رَبِّنَا وَآذِنْ لَهُمْ جَنَّاتٍ عَدْنَ الْتَّيْ وَعَدْتُهُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ أَبَانِهِمْ وَأَزْوَاجِهِمْ وَذَرَّيَّاتِهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ﴾
- ④ ﴿فَإِنِ اسْتَكْبَرُوا فَاللَّذِينَ عِنْدَ رَبِّكَ يُسَبِّحُونَ لَهُ بِاللَّيْلِ وَالنَّهَارِ وَهُمْ لَا يَسْتَهِنُونَ وَمَنْ عِنْدَهُ لَا يَسْتَكْبِرُونَ عَنِ عِبَادَتِهِ وَلَا يَسْتَحِسِرُونَ ۝ يُسَبِّحُونَ اللَّيْلَ وَالنَّهَارَ لَا يَقْتُرُونَ﴾
- ⑤ ﴿وَمَا مِنَنَا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ . وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّاغِرُونَ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ﴾
- ⑥ ﴿وَمَا نَنَزَّلُ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِينَا وَمَا خَلْفَنَا وَمَا بَيْنَ ذَلِكَ وَمَا كَانَ رَبُّكَ نَسِيًّا﴾
- ⑦ ﴿وَإِنَّ عَلَيْكُمْ لَحَافِظِينَ كَرَامًا كَاتِبِينَ يَعْلَمُونَ مَا تَفْعَلُونَ﴾
- ⑧ ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُودُ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ﴾
- ⑨ ﴿وَالْمَلَائِكَةُ يَدْخُلُونَ عَلَيْهِمْ مَنْ كُلُّ بَابٍ سَلَامٌ عَلَيْكُمْ بِمَا صَبَرْتُمْ فَيُعَمَّ عَقْبَى الدَّارِ﴾
- ⑩ ﴿الْحَمْدُ لِلَّهِ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ جَاعِلِ الْمَلَائِكَةَ وَرُسُلًا أُولَئِي أَجْنِحةٍ مَتْنِي وَثَلَاثٌ وَرُبَاعٌ يَزِيدُ فِي الْخَلْقِ مَا يَشَاءُ إِنَّ اللَّهَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ﴾
- ⑪ ﴿يَوْمَ تَشَقَّقُ السَّمَاءُ بِالْغَمَامِ وَنُزَّلَ الْمَلَائِكَةُ تَنْزِيلًا ۝ الْمُلْكُ يَوْمَئِذٍ الْحُقُّ لِلرَّحْمَنِ وَكَانَ يَوْمًا عَلَى

الْكَافِرُونَ عَصِيرًا ﴿٤﴾

- ﴿۱۲﴾ هُوَ قَالَ الَّذِينَ لَا يَرْجُونَ لِقَاءَنَا لَمْ لَا اُنْرِلَ عَلَيْنَا الْمَلَائِكَةَ أَوْ نَرِى رَبَّنَا لَقَدِ اسْتَكْبَرُوا فِي النُّفُسِهِمْ وَعَنَّا عَنُّوا
كَبِيرًا يَوْمَ يَرَوُنَ الْمَلَائِكَةَ لَا بُشْرَى يَوْمَئِذٍ لِلْمُخْرِمِينَ وَيَقُولُونَ حِجْرًا مَحْجُورًا﴾
 ﴿۱۳﴾ هُوَ مَنْ كَانَ عَذْوَلِلَهِ وَمَلَائِكَهِ وَرَسُلِهِ وَجَبْرِيلَ وَمِيكَالَ فَإِنَّ اللَّهَ عَذْوَلِلَكَافِرِينَ﴾
 ﴿۱۴﴾ هُبَا إِلَيْهَا الَّذِينَ آمَنُوا قُوْلَهُ أَنْفُسَكُمْ وَأَهْلِيَّكُمْ نَارًا وَقُوْدَهَا النَّاسُ وَالْحِجَارَةُ عَلَيْهَا مَلَائِكَةٌ غِلَاظٌ شِدَادٌ لَا
يَعْصُمُنَ اللَّهُ مَا أَمْرَهُمْ وَيَفْعَلُونَ مَا يُؤْمِرُونَ﴾

ان آیات میں جیسا کہ ہم نے سطور بالا میں عرض کیا تخلیق ملائکہ کے ساتھ ان کے فرائض اور اوصاف کے علاوہ مومنوں اور کافروں کے اعمال اور روز قیامت ان کی جزا اوس زمانے کے بارے میں کسی قدر وضاحت کی گئی ہے اور ایسی آیات قرآن شریف میں جگہ جگہ حسب موقع کثرت سے پائی جاتی ہیں۔

ان آیات کی مکمل تفاسیر ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں کی ہیں اور بتایا ہے کہ ان میں اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کی تخلیق، ان کے عوامل، ان کی عظیم اور مختلف اشکال کا ذکر وضاحت سے فرمایا ہے ہمارے علاوہ دیگر علماء نے بھی ان آیات کی تفاسیر میں وضاحت کی ہے کہ پرشیتے مختلف اشکال میں زمین پر آتے رہتے ہیں خصوصاً جبریل علیہ السلام کے متعلق خود آنحضرت نے ارشاد فرمایا ہے کہ وہ آپ کی خدمت میں متعدد بار کبھی دحیہ بن خلیفہ کبھی کی شکل میں، کبھی کسی اعرابی (بدوی) اور کبھی اپنی اصلی شکل میں حاضر ہوئے اور یہ بھی ارشاد فرمایا کہ ان کے پردار بازو (پنکھ) چھسو ہیں جو مشرق سے مغرب تک پھیل جاتے ہیں اور آپ نے انہیں دوبار ملاحظہ فرمایا۔ ایک بار تو اس وقت جب وہ آسمان سے زمین پر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور دوسری بار شب معراج آپ نے ان کے یہ پنکھ "سدرة المنشی" کے قریب دیکھے جو "جنت الماوی" کے نزدیک ہے۔ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے مطابق ہے جس میں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حضرت جبریل علیہ السلام کے بارے میں فرمایا کہ ﴿عَلَمَهُ شَدِيدُ الْقُوَىٰ ۝ ذُوْمَرَةٌ فَاسْتَوْىٰ وَهُوَ بِالْأَفْقَىٰ
الْأَعْلَىٰ ثُمَّ ذَنَا فَتَدَلَّىٰ﴾ (آیت) اس حدیث مبارکہ کو مندرجہ بالا یہ شریفہ کے حوالے سے ہمارے علاوہ کی دوسرے علماء و صحابہ علیہم السلام نے بھی بیان کیا ہے جن میں ابن مسعود، ابو ہریرہ، ابوذر (غفاری) اور حضرت عائشہ علیہما السلام شامل ہیں۔ اس حدیث میں اس قول باری تعالیٰ ﴿فَكَانَ قَابَ قَوْسَيْنِ أَوَادُنِي ۝ فَأَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى ۝﴾ کی طرف صاف اشارہ ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے جبریل علیہ السلام کے ذریعہ شب معراج ملاء اعلیٰ میں نازل فرمائی تھیں اسے ﴿أَوْحَى إِلَى عَبْدِهِ مَا أَوْحَى ۝﴾ فرمایا تاہم اس ارشاد بانی میں "الی عبده" سے آنحضرت علیہ السلام کی ذات مبارکہ ہی مراد ہے جو ایک بدیہی بات ہے۔

ہم نے احادیث اسرائیل تفسیر میں "سدرة المنشی" کے بارے میں بیان کر دیا ہے کہ وہ آسمان ہفتمن پر ہے لیکن ایک روایت میں ہے کہ اس کی جزا آسمان ششم پر ہے اور وہیں اس کی شاخیں پھوٹی ہیں مگر اس کی بلندی آسمان ہفتمن تک گئی ہے نیز یہ کہ اس کی شاخیں اور پتے نوری ہیں اور پونکہ بدیہی طور پر یہ نور خداوندی ہے اس لیے اس کے تفصیلی ذکر اور صفات کے بیان سے انسان قادر ہیں۔ ویسے یہاں اس کا تفصیلی ذکر بھی بے محل ہو گا۔

اس سے قبل، ہم سمندروں اور دریاؤں کا ذکر کرتے ہوئے ایک حدیث کے حوالے سے بیان کرچکے ہیں کہ "سدرة المنتہی" کی جڑ سے چار دریائے نکلے ہیں جن میں سے دو جنت ہی میں ہیں اور دو زمین پر نیل و فرات کی شکل میں بنتے ہیں۔ شبِ معراج میں آسمانوں پر اپنے مشاہدات کا ذکر فرماتے ہوئے "سدرة المنتہی" کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

ثم رفعت لى الى سدرة المنتهى فاذا بنقها كا لعال١ و اذا ورقها كاذان الفيلة .
"يعنى اس کی شاخیں (بلندی میں) ستونوں جیسے اور اس کے پتھری کے کانوں جیسے ہیں"۔ (مترجم)
سدرة المنتہی کی جڑ سے نکلنے والے دریاؤں کے بارے میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

و اذا يخرج من اصلها نهران باطنان و نهران ظاهران فاما الباطنان في الجنة و اما الظاهران
فالليل و الفرات.

"اس کی جڑ سے نکلنے والے دو باطنی اور دو ظاہری دریا ہیں، باطنی دریا جنت میں ہیں اور ظاہری دریا (زمیں پر) دریائے نیل اور دریائے فرات ہیں) ان دریاؤں کا ذکر ہم سمندروں اور دریاؤں کے ضمن میں پہلے ہی کرچکے ہیں"۔ (مؤلف)

مذکورہ بالاحدیث میں آنحضرت ﷺ نے "بیت المعور" کے ضمن میں ارشاد فرمایا کہ:

"اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں لیکن وہ فرشتے اس میں دوبارہ نہیں جاتے"۔

"بیت المعور" کے ذکر کے ساتھ آپؐ نے یہ بھی ارشاد فرمایا:

"وہاں میں نے (حضرت) ابراہیم خلیل اللہ کو دیکھا جن کی پشت "بیت المعور" کی طرف تھی"۔

"بیت المعور" کا ذکر کرتے ہوئے ہم پہلے (تفسیر میں) بتاچکے ہیں کہ وہ ساتویں آسمان پر ایک مسجد ہے جیسے خانہ کعبہ زمین پر ہے۔

سفیان ثوری، شعبہ اور ابوالاحص کی زبانی سماک بن حرب اور خالد بن عزرہ کے حوالے سے مردی ہے کہ ابن الکوانے حضرت علیؓ سے "بیت المعور" کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ (ترجمہ) وہ آسمان پر ایک مسجد ہے جسے "ضراح" کہا جاتا ہے اور وہ مسجد کعبہ کے شکل کی ہے اور آسمان میں اس کے لیے خانہ کعبہ کے عین اوپر ہے، آسمان پر اس کی عزت و حرمت ایسی ہی ہے جیسے زمین پر خانہ کعبہ کی ہے، اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے نماز پڑھنے جاتے ہیں لیکن وہ وہاں دوبارہ نہیں جاتے۔

ہی روایت علی بن ربعہ اور ابو طفیل نے حضرت علیؓ کے حوالے سے بیان کی ہے۔

❶ بعض روایات میں "کفیل الحجر" بھی آیا ہے (مؤلف) یعنی عمدہ عمدہ موٹے اور بلند ستون۔ (مترجم)

طرافی کہتے ہیں کہ ان سے حسن بن علیہ القطان، اسماعیل بن عیسیٰ العطار، اسماعیل بن بشر ابوخذلہ اور ابن جرج نے صفوان بن سلیم، کریب اور ابن عباس صلی اللہ علیہ وسلم کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ: ”بیت المعمور“ آسمان پر ہے جسے ضراح کہا جاتا ہے وہ آسمان پر بیت اللہ کی بالکل سیدھی میں ہے اس کی نمبر جسے بھی ہے اسی کو ہے اس میں ہر روز ستر ہزار فرشتے داخل ہوتے ہیں لیکن انہیں وہاں دوبارہ داخل ہوتے کسی نے نہیں دیکھا، اس کی حرمت آسمان پر (بالکل) ایسی ہی ہے جیسی زمین پر مکہ میں خانہ کعبہ کی ہے۔ اسی طرح غونی نے ابن عباس، انس، مجاهد عکرمہ، ریبع بن انس، السدی رحمۃ اللہ علیہ اور کثی دوسرے راویوں کے حوالے سے یہ حدیث روایت کی ہے۔

قادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ:

”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے بیت المعمور کا ذکر فرمایا اور پھر دریافت فرمایا کہ آیاتم جانتے ہو کہ وہ کیا ہے (اور کہاں ہے؟) اس کے بعد قادہ رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا کہ اللہ اور اس کا رسول ہی (اس کے بارے میں جانتے ہیں۔ پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: وہ آسمان پر خانہ کعبہ کے شکل کی ایک مسجد ہے جسے کوئی صرف ایک بار ہی دیکھ سکتا ہے، اس میں ستر ہزار فرشتے روزانہ نماز ادا کرنے جاتے ہیں لیکن ایک بار کے سواہ یعنی وہ جو ایک بار وہاں جا چکے ہوتے ہیں دوبارہ نہیں جاتے۔“

ضحاک کے خیال میں اسے یعنی بیت المعمور کو ابلیس (اس پر اللہ کی لعنت ہو) اور ان ملائکہ نے جو اس کے ساتھ اور جن کھلاتے تھے تعمیر کیا ہے۔ واللہ اعلم

متاخرین بیان کرتے ہیں کہ ہر آسمان پر فرشتوں نے اللہ تعالیٰ کی عبادت کرنے کے لیے ایک گھر (بیت - مسجد) بنا رکھا ہے اور وہ اس میں نوبت بnobat (وقتہ فوچتہ) کیے بعد مگرے اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ویسے ہی حاضر ہوتے رہتے ہیں جس طرح اہل ارض حج کے لیے ہر سال اور عمرہ کے لیے جب چاہیں خانہ کعبہ میں حاضر ہو کر اس کا طواف کرتے ہیں اور وہاں عبادت کرتے ہیں یعنی نماز ادا کرتے ہیں۔

سعید بن میکی بن سعید اموی اپنی کتاب ”المغازی“ میں بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابو عیید نے مجاهد کی زبانی بیان کیا کہ ساتوں آسمانوں اور زمین کے ساتوں طبقات پر جو حرم پاک تعمیر کیے گئے ان کی تعداد ۳۷ ہے اور ”بیت المعمور“ جو آسمان پر تعمیر کیا گیا ان میں سے ایک ہے اور چوتھا ہے جو زمین کی پیمائش سے سات گناہڑا ہے۔ ویسے ہر آسمان پر اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ایک حرم تعمیر کیا گیا ہے، بیت المعمور کی عزت و حرمت آسمان پر ویسی ہی ہے۔ جیسی زمین پر بیت اللہ (خانہ کعبہ) کی ہے۔

یہی روایت ایک اور جگہ مجاهد ہی سے ابو معاویہ، اعمش اور ابی سلیمان موزن الحجاج کے حوالے سے مردی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ آخر الذکر یعنی ابی سلیمان نے عبد اللہ بن عردو کو کہتے سنائے کہ حرم حرم جو آسمان پر ہے اس کا طول و عرض زمین سے سات گناہڑا ہے نیز یہ آسمان کے اس حرم پاک کا نام ”بیت العزة“ بھی لیا جاتا ہے، اس میں پہلے داخل ہونے کا شرف جس فرشتے کو ملا اس کا

ام اس اعلیٰ ہے مگر اس کے بعد ہر روز ستر ہزار فرشتے اس "بیت المعمور" میں داخل ہوتے ہیں لیکن انہیں اس میں ایک دفعہ کے بعد وبارہ وہاں جانے کا موقع نہیں ملتا نہ ابد الآباد تک انہیں یہ موقع کبھی ملے گا کیونکہ فرشتوں کی تعداد بے شمار ہے جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا يَعْلَمُ جُنُودَ رَبِّكَ إِلَّا هُوَ﴾

امام احمد فرماتے ہیں کہ انہیں اسود بن عامر اور اسرائیل نے ابراہیم بن مہاجر، مجاهد مورق اور ابوذر کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "میں نے آسمان پر جو کچھ دیکھا وہ تم نہیں دیکھ سکتے اور میں نے (وہاں) جو کچھ سناؤ وہ تم نہیں سن سکتے کیونکہ اس ساعت کا حق آسمان تک محدود ہے وہاں ہر جگہ چار چار فرشتے چاروں انگلوں کی طرح برابر سجدے میں مشغول رہتے ہیں اور اس طرح وہاں جب بھر جگہ باقی نہیں رہتی میں جو کچھ جانتا ہوں اگر تمہیں بھی اس کا علم ہو جائے تو تم ہنسنے سے زیادہ رونے لگو وہ تمہیں اپنی بیویوں کے ساتھ جسمانی اختلاط سے جو خط حاصل ہوتا ہے وہ بھی نہ ہو اور خوف عذاب سے ہمہ وقت اللہ تعالیٰ سے (رحم کی) امید کرتے رہو۔ (ترجمہ مفہومی)

یہ حدیث سننے کے بعد ابوذر ؓ نے کہا تھا: "کاش میں ایک درخت ہوتا جس پر عذاب نہ ہوتا"۔ یعنی غیر مکلف ہوتا۔ یہ حدیث ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کی ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو "حسن" اور "غريب" بتا کر کہا ہے کہ اس کا استناد ابوذر ؓ پر موقوف ہے۔

حافظ ابو القاسم طبرانی بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حسین بن عرفه مصری، عروہ بن عمران الرقی اور عبید اللہ بن عمر و سے عبد الکریم ابن مالک، عطاء بن ابی رباح اور جابر بن عبد اللہ کے حوالے سے وہ حدیث نبوی سنی جس میں آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "ساتوں آسمانوں میں سے کسی پر ایک قدم ایک بالشت اور ایک کف دست کے برابر بھی ایسی جگہ نہیں جہاں کوئی نہ کوئی فرشتہ اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے قیام رکوع یا سجدة میں نہ ہو اور جب قیامت کا دن آئے گا تو (اس روز بھی) وہ سب کے سب کہیں کے کہم سے تیری عبادت کا حق ادا نہیں ہو سکا بجز اس کے کہ ہم نے شرک نہیں کیا (یعنی تیرے سوا کسی کو معبد نہیں مانا)۔"

ان دونوں احادیث مبارکہ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ ساتوں آسمانوں پر کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں فرشتہ اللہ تعالیٰ کی عبادت میں بحالت قیام و رکوع یا سبود مصروف نہ ہوں یعنی کچھ تو ان میں سے بحالت قیام کچھ بحالت رکوع اور کچھ بحالت سجدة مستقل طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت میں مصروف رہتے ہیں اور تا قیام قیامت اسی حالت میں رہیں گے۔ واللہ اعلم

بہر حال اس کا مطلب یہ ہے کہ فرشتے ہم و قوت دائی طور پر اللہ تعالیٰ کی عبادت اور تبیخ و تہلیل میں مصروف رہتے اور اسی طرح تا قیامت بھی کرتے رہیں گے اور ان کے یہ اعمال وہ ہیں جن کا انہیں خود اللہ تعالیٰ جل شانہ نے حکم دے رکھا ہے۔ جیسا کہ اس نے خود ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا مِنَّا إِلَّا لَهُ مَقَامٌ مَعْلُومٌ ۝ وَإِنَّا لَنَحْنُ الصَّافُونَ ۝ وَإِنَّا لَنَحْنُ الْمُسَبِّحُونَ ۝﴾

رسول اللہ ﷺ نے ایک دن اپنے صحابہؓ سے دریافت فرمایا کہ آیا وہ اس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے صفت ہوتے ہیں جس طرح فرشتے اس کی عبادت کے لیے صفت ہوتے ہیں۔ آپؐ سے یہ سن کر صحابہؓ نے عرض کیا: یا رسول اللہ

(صلی اللہ علیہ وسلم) فرشتے کس طرح صفت ہوتے ہیں؟ آپ نے فرمایا: ”وہ بھی صفت کھڑے ہوتے ہیں،“ اس کے بعد آپ نے ارشاد فرمایا کہ: ”اللہ تعالیٰ نے ہمیں (مسلمانوں کو) خود اس کے بقول دوسرے انسانوں پر جو فضیلت دی ہے وہ تمین باتوں کی وجہ سے دی ہے ایک یہ کہ ہم نے (یعنی ان انسانوں نے جو خداے واحد پر ایمان رکھتے تھے) اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے ایک گھر زمین پر اسی شکل کا بنایا جیسا آسمان پر ہے دوسرے یہ کہ ہم نے اسے پاک منی سے بنایا، تیسرا یہ کہ ہم اس کی عبادت کے لیے (فرشتوں کی طرح مساجد میں) بھی اسی طرح یعنی صفت ہے خدا کے حضور حاضر ہوں گے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا ہے ﴿وَجَاءَ رَبُّكَ وَالْمَلَكُ صَفَا صَفَا﴾ قیامت میں اس کے رو برو ہماری حاضری کے بارے میں بھی اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿يَوْمَ يَقُومُ الرُّؤُوفُ وَالْمُلَائِكَةُ صَفَا لَا يَتَكَلَّمُونَ إِلَّا مَنْ أَذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ وَقَالَ صَوَابًا﴾ (تمام شدحدیث نبوی صلی اللہ علیہ وسلم)

ابن عباس، حسن اور قتادہ رضی اللہ عنہم نے کہا کہ مندرجہ آیہ شریفہ میں روح سے مراد بندی آدم ہیں۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد وہ فرشتے ہیں جو انسان کی شکل میں زمین پر نمودار ہوتے رہے۔ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس سے مراد وہی روح ہے جسے جملہ مخلوقات کی روح سمجھا جاتا ہے۔

علی بن ابی طلحہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے انہی کا قول نقل کر کے بتایا ہے کہ اس آیت یعنی ”یوْمَ يَقُومُ الرُّؤُوفُ“ میں روح سے مراد وہ فرشتے ہے جو اپنی خلقت کے لحاظ سے عظیم ترین ہے۔

ابن جریر کہتے ہیں کہ ان سے محمد بن خلف عسقلانی اور داؤد ابن جراح نے ابی حزرة، علقمہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہم کے حوالے سے آخر الزکر کے بقول بیان کیا کہ ”یہاں روح سے مراد چوتھے آسمان پر وہ فرشتے ہے جو جملہ آسمانوں اور پہاڑوں سے بھی زیادہ عظیم الجثہ ہے اور ہر روز وہ شیع بارہ ہزار مرتبہ پڑھتا ہے جو اسے اللہ تعالیٰ نے سکھائی ہے اور وہی روز قیامت صفوں ملائکہ میں سب سے آگے کھڑا ہو گا۔ لیکن یہ روایت بہت ہی غریب (عجیب) ہے۔

طبرانی بیان کرتے ہیں کہ ان سے محمد بن عبد اللہ بن عبد الحکیم مصری، ابن وہب بن رزق ابوہبیرہ بشر بن بکر، اوزاعی اور عطاء نے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے انہی کی زبانی بیان کیا کہ انہوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا کہ ”اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ ہے جس کے لیے ساتوں آسمان اور زمین کے ساتوں طبقات ایک نواں کی طرح ہیں یعنی وہ انہیں (اللہ کے حکم سے) اگر اسے حکم دیا جائے ایک نواں کی طرح نگل لے۔ اس فرشتے کی شیع ”سبحانکَ حیثُ كُنْتَ“ ہے۔

یہ روایت بھی جسے عبد اللہ بن عباس رضی اللہ عنہ نے طبرانی وغیرہ کے بقول بطور حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) بیان کیا بڑی عجیب و غریب ہے اور یقیناً یہ صرف ایک ہی ہے۔

ویسے ہم بھی ان فرشتوں کے ساتھ جو اللہ تعالیٰ کے حاملین عرش کھلاتے ہیں جابر بن عبد اللہ کے حوالے سے ان میں سے ایک فرشتے کا ذکر کر چکے ہیں جس کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اس کا ذکر کرنے کی اجازت دی ہے اور اس فرشتے کا ذیل ڈول یہ ہے کہ اس کے کام کی لوسے اس کے کام دھے تک سات سو سال کی مسافت کا فاصلہ ہے۔

سات سو سال کی اس مسافت کو ابو داؤد اور ابن حاتم کی روایت حدیث کے مطابق آنحضرت نے کسی پرندے کی سات سو سال تک آہستہ مگر مسلسل پرواز کے برابر فرمایا۔

جبریل علیہ السلام کے بارے میں جنہیں خود اللہ تعالیٰ نے ”علمه شدید القوی“ فرمایا ہے۔ ایک مشہور روایت یہ ہے کہ ان کی قوت کا حال یہ ہے کہ انہوں نے قوم لوٹ کے سارے شہروں کو جن کی تعداد سات تھی اور ان میں بننے والی قوم لوٹ، ان کی اراضیات و عمارتیں ان کے تمام پاتتوں جانور اور ان کے جنگلات کے تمام دوسرے درندے اور جیوانات وغیرہ کو اپنے ایک پر پراٹھا لیا تھا لیکن جب انہیں لے کر آسمان کی طرف اتنے بلند ہوئے کہ فرشتوں کے کافوں میں وہاں کے کتوں وغیرہ کی آوازیں آنے لگیں تو انہوں نے ان تمام شہروں کو منڈکورہ بالا تمام چیزوں سمیت اُٹھ دیا تھا۔ لہذا وہ بقول باری تعالیٰ عز اسمه ”شدید القوی“ ہی ہوئے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے انہیں خلقت میں حسین ہونے کے علاوہ بہت سی دوسری صفات کا حامل فرمایا ہے اور بقول آنحضرت ﷺ بھی وہ اللہ تعالیٰ کے قادر ہونے کے علاوہ خوش مظہر ہیں، بڑی قوت والے ہیں، ان کا مقام صاحب عرش کے قریب ہے، ان تمام باتوں سے جبریل علیہ السلام کے اعلیٰ اوصاف کا پتہ چلتا ہے کہ وہ کتنے صاحب علوی مرتبت ہیں نیز یہ کہ وہ عرش مجید کے قریب اللہ تعالیٰ کے جملہ احکام بجالاتے ہیں جن میں انبياء ﷺ کی طرف اللہ تعالیٰ کی جانب سے تسلیم وحی بھی شامل ہے۔ شریعت کی رو سے بھی یہ روایت روایت صادقة میں شامل ہے اور جیسا ہم پہلے بیان کرچکے ہیں جبریل آنحضرت ﷺ کی خدمت میں متعدد بار مختلف شکلوں میں نمودار ہوئے جب کہ دوبار اپنی اصلی شکل میں حاضر ہوئے تھے اس شکل میں جس میں انہیں اللہ تعالیٰ نے تخلیق فرمایا تھا۔

امام بخاریؓ نے طلاق (؟) بن غنم اور زائدہ شبیانی کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب آخر الذکر نے ذرا سے قول بازی تعالیٰ ﷺ کے فیگان قاب قوسین اور آذنی فاؤحی الی عبده ما او حیؓ کی آنحضرت ﷺ کے حوالے سے وضاحت چاہی تھی تو انہوں نے بتایا تھا کہ ان سے عبد اللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے بیان کیا تھا کہ اس سلسلے میں خود رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا تھا کہ انہوں نے اس جگہ جبریل علیہ السلام کے چھ سو پنکھ دیکھے تھے۔

امام احمدؓ فرماتے ہیں کہ ان نے بھی این آدم اور شریک نے جامع بن راشد، ابی واکل اور عبد اللہ (ابن عباس رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ آپؐ نے جبریلؐ کو ان کی اصلی صورت میں دیکھا اور ان کے اس صورت میں چھ سو پنکھ ملاحظہ فرمائے اور ہر پنکھ پورے افق سماوی کے برابر تھا اور ہر پنکھ میں موتی اور دیگر جواہرات جیسی اشیاء جڑی ہوئی تھیں جن کی حقیقت اللہ ہی کو معلوم ہے۔

امام احمدؓ ہی نے یہ بھی بیان فرمایا کہ ان سے حسن بن موسیٰ اور حماد بن سلمہ نے عاصم بن بہدلہ زربن حیش اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آیہ شریفہ ﷺ وَلَقَدْ رَآهُ نَزْلَةً أُخْرَىٰ عِنْدَ سِدْرَةِ الْمُنْتَهَىٰ کی وضاحت کرتے ہوئے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے جبریل علیہ السلام کی اصلی شکل و صورت کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ ”ان کے چھ سو پنکھ ہیں اور ہر پنکھ موتیوں اور دیگر جواہرات سے مرصع ہے۔“

امام احمد ایک اور جگہ فرماتے ہیں کہ ان سے زید بن حباب، حسین[ؑ]، عاصم ابن بہدلہ نے بیان کیا کہ انہوں نے یعنی ان راویوں نے شفیق بن سلمہ سے سنا اور شفیق نے ابن مسعود میں ہدود سے آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد سنایا کہ آپ نے جبریل ﷺ کو سدرۃ النبی کے مقام پر دیکھا تھا تو ان کے چھ سو پنچھ بھی دیکھے تھے۔ امام احمد مزید فرماتے ہیں کہ جب انہوں نے عاصم سے جبریل ﷺ کے پنکھوں بازوؤں کے پروں کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے خود تو کچھ نہ بتایا لیکن اتنا کہا کہ انہوں نے بعض صحابہ کرام ﷺ سے سنا کہ ان کا ہر پنکھ مشرق سے مغرب تک کے فاصلے کے برابر ہے۔ تاہم یہ اسناد بہت قوی ہیں جن کے حوالے سے امام احمد نے یہ روایت بطور خاص بیان کی ہے۔

امام احمد اس موضوع پر ایک اور روایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ان سے زید بن حباب نے بیان کیا اور انہوں نے یکے بعد گیرے حسین، شفیق اور ابن مسعود میں ہدود کی زبانی سنائی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپ کے پاس جبریل ﷺ جب بھی آئے تو آپ نے ان کے پر ہمیشہ مختلف الالوان اور یوں چکتے ہوئے دیکھے جیسے چھ موسمی چکتے ہیں۔ یہ تمام اسناد متفقہ طور پر صحیح ہیں۔ (مؤلف)

ابن جریر فرماتے ہیں کہ ان سے ابن بزلغ بغدادی نے بیان کیا کہ انہیں الحن بن منصور اور اسرائیل نے ابی الحن، عبد الرحمن ابن زید اور عبداللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک دفعہ آنحضرت ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جب (شبِ معراج) جبریل آپ کو رفرپر سوار کر کے آسمان کی طرف مائل پرواز تھے تو ان کا جسم (طوالت میں) زمین سے آسمان تک پھیلا ہوا تھا۔ (ترجمہ تشریحی) یہ اسناد بھی نہایت قوی ہیں۔ (مؤلف)

حسین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں مسروق کی بیان کردہ ایک روایت عامر شعیی کے حوالے سے اس طرح درج ہے کہ اول الذکر یعنی مسروق نے بیان کیا کہ ایک بارہ حضرت عائشہؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ان سے اس موضوع پر گفتگو کی تو انہوں نے فرمایا کہ کیا تم نے خود اللہ تعالیٰ کا قرآن میں یہ ارشاد نہیں پڑھا کہ ﴿وَلَقَدْ رَآهُ بِالْأَفْقِ الْمُبِينَ وَلَقَدْ رَآهُ نَزَّلَةً أُخْرَىٰ﴾ اس کے بعد انہوں نے حضرت عائشہؓ سے فرمایا: ”میں اس امت میں پہلی فرد ہوں جس نے رسول اللہ ﷺ (علیہ السلام) سے پہلی بار اس کے بارے میں دریافت کیا تھا اور آپ نے (جو ابا) ارشاد فرمایا تھا کہ: میں نے جبریل کو ان کی اصلی صورت میں صرف دوبار دیکھا ہے اور یہ دیکھا ہے کہ وہ اپنی خلقت کے لحاظ سے ہر اس چیز سے بڑے تھے جو (اپنے جتنے میں) زمین سے آسمان تک پھیلی ہوئی ہو۔“

صحیح بخاری کی ایک روایت میں باستانی صحیح تحریر ہے کہ آنحضرت ﷺ نے جبریل کے بارے میں آیہ قرآنی ﴿وَمَا نَنَزَّلْ إِلَّا بِأَمْرِ رَبِّكَ لَهُ مَا بَيْنَ أَيْدِيهَا وَمَا خَلْفَنَا﴾ کا حوالہ دے کر ارشاد فرمایا: ”ہم نے انہیں ان کی اصلی شکل و صورت میں اکثر نہیں دیکھا۔“

صحیح بخاری کی ایک اور روایت میں مذکور ہے کہ عروہ نے ایک دن عمر ابن عبد العزیز سے جونماز عصر کے بعد مکمل سکوت اختیار کرتے تھے کہا کہ آنحضرت ﷺ کے پاس جریل ﷺ آئے تو وہ آپ کی امامت میں نماز پڑھتے تھے۔ عروہ سے یہ سن کر عمر ابن عبد العزیز بولے: ”اے عروہ! جو تم کہہ رہے ہو میں اسے خوب سمجھ رہا ہوں کیونکہ میں نے بشر بن ابی مسعود کی زبانی ان کے والد کے حوالے سے سنائے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ: ”جریل کی آمد پر جب وہ مجھے وہی پہنچا چکے اور مجھے تسلی دے چکے تو میں نے ان کے ساتھ پانچ مرتبہ نماز پڑھی ہے۔“ اور مسعود نے یہ بھی بتایا کہ آپ نے پانچ مرتبہ کی بات اپنی اٹلگیوں پر گن کر فرمائی۔ (ترجمہ تشریحی)

جہاں تک اسرافیل ﷺ کا تعلق ہے تو حاملین عرش میں سے ایک فرشتہ ہیں جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے تین بار صور پھونکنیں گے۔ پہلی بار صور پھونکنے کے جانے پر بتی نوع انسان میں چیخ پا کر پڑ جائے گی جب کہ صور کی دوسری آواز پر جو بادل کی گرج سے لاکھوں کروڑوں گنازیادہ ہو گی خوف زدہ ہو کر ان کے دل دل جائیں گے اور اس کی تیسرا آواز پر مردے قبروں سے نکل پڑیں گے۔ اس کی تفصیلات ہم انشاء اللہ آگے چل کر حسب موقع پیش کریں گے۔

بہر کیف یہی وجہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے (ایک روز اپنے صحابہؓ سے) فرمایا: ”میں کیونکر آرام کر سکتا ہوں (اور کس طرح کس چیز سے لطف اندازو ہو سکتا ہوں) جب کہ اسرافیل صور کا منہ اور اٹھائے اس کے پھونکنے کے لیے حکم الہی کے منتظر ہیں اور جریل و میکائیل بالترتیب ان کے دامیں با میں ایستادہ ہیں۔“

آپؐ کی زبان مبارک سے یہ سن کر صحابہؓ نے آپؐ سے دریافت کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ پھر ہم کیا کریں اور کیا کہیں؟“ آپؐ نے ارشاد فرمایا: ”حسبنا اللہ و نعم الوکیل۔ اور علی اللہ تو کلنا۔ پڑھتے رہا کرو۔“ یہ حدیث امام احمد اور بخاری نے عطیہ عوفی کی زبانی ابی سعید خدری کے حوالے سے روایت کی ہے۔

امام احمدؓ نے یہی روایت ایک اور جگہ ابو معاویہ اور عمش کی زبانی اور سعد طائی نیز عطیہ عوفی اور ابی سعید کے حوالے سے بیان کی ہے۔

حافظ ابو القاسم طبرانی بیان کرتے ہیں کہ ان سے محمد بن عبد اللہ حضری اوز محمد بن عمر نے بیان کیا کہ آخر الذکر نے ابن ابی میل کی زبانی ابی میلی، حکم، مقدم اور ابن عباس ﷺ کے حوالے سے کہا کہ آنحضرت ﷺ نے ایک روز ان سے یعنی ابن عباس ﷺ میں غمہ وغیرہ سے فرمایا کہ ”جب آسمان افق تا افق شق ہونے لگے گا اس وقت جریل ﷺ مجھ سے کسی قدر فاصلے پر ایستادہ ہوں گے اور اسرافیل زمین کی طرف آتے ہوئے نظر آئیں گے تو وہ نہ کھک کر میرے سامنے آ جائیں گے اور میں دیکھوں گا کہ ایک فرشتہ میرے سامنے ہے وہ مجھ سے پوچھے گا: اے حمد! آپؐ بہ حیثیت نبی (اللہ کے بندوں میں) انسان ہونا پسند فرماتے ہیں یا فرشتے؟“ اس کے بعد آپؐ نے فرمایا: ”اسی وقت جریلؐ مجھے اشارے سے کچھ بتائیں گے جس کا مطلب میں سمجھ جاؤں گا اور اس فرشتے کو جواب دوں گا“ انسان ”یہ سن کر وہ فرشتہ آسمان کی جانب پرواز کر جائے گا تو میں جریلؐ سے پوچھوں گا: ”جریلؐ! یہ کون سافرشتہ تھا؟ جریلؐ مجھے بتائیں گے کہ وہ اسرافیل تھے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں ان کی اصلی خلقت پر جب پیدا کیا تھا تو ان کے دونوں ہاتھوں

کے مابین خلا تھا، اوزان کے اور ان کے رب کے درمیان سات نوری پر دے حائل ہیں جن کی طرف وہ قدم نہیں اٹھا سکتے کیونکہ اگر ایسا کریں تو فروغِ تجلی سے جل کر رہ جائیں، وہ تقاطر باراں اور زمین سے (انسانوں اور حیوانوں کے لیے) غلہ اور دیگر بنا تات (اگانے) پر مقرر تھے۔ عزرا نیل کا کام قبض ارواح ہے۔ لوحِ محفوظ ان کے سامنے رہتی تھی جس میں وہ رب العزت کا حکم یا مشیت ایزدی دیکھ کر عمل کرتے رہے ہیں۔

اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا: ”میں نے جبریل سے پوچھا کہ ان کے اپنے فرانص جن کی ادائیگی کا اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دے رکھا ہے کیا ہیں؟ انہوں نے جواب دیا: ”ہوا پر تسلط اور فرشتوں کی سرکردگی“، اس کے بعد جبریل بولے: ”میرا خیال ہے کہ میکائیل قیامت کی وجہ سے زمین سے اتنے قریب آئے ہیں“۔ پھر بولے: ”اور میں بھی قیامت کے خوف کی وجہ سے (اس وقت) یہاں ہوں“۔ حدیث پر منی اس روایت میں جو باتیں بیان کی گئی ہیں انہی کی وجہ سے اس حدیث کو ”غیریب“ سمجھا گیا ہے۔

صحیح مسلم میں حضرت عائشہؓ کے حوالے سے مردی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جب رات کو نماز کے لیے کھڑے ہوتے تو یہ دعا فرمایا کرتے تھے:

اللَّهُمَّ رَبَّ جَبَرِيلَ وَ مِيكَائِيلَ وَ اسْرَافِيلَ فَاطِرِ السَّمَاوَاتِ وَ الْأَرْضِ عَالَمِ الْغَيْبِ وَ الشَّهَادَةِ انتَ تَحْكُمْ بَيْنَ عِبَادِكَ فِيمَا كَانُوا فِيهِ يَخْتَلِفُونَ اهْدِنِي لِمَا اخْتَلَفَ فِيهِ مِنَ الْحَقِّ بِذَنْكِ انْكَ تَهْدِي مِنْ تَشَاءُ إِلَى صِرَاطِ مُسْتَقِيمٍ.

حدیث صور میں آیا ہے کہ اسرافیل وہ پہلی ہستی ہوں گے جنہیں اللہ تعالیٰ فتاۓ کائنات کے بعد صور پھونکنے کے لیے دوبارہ عدم سے وجود میں لائے گا۔

محمد بن حسن العقاش نے بیان کیا کہ اسرافیل فرشتوں میں سب سے پہلے تھے جس نے مجدہ کیا اس لیے ان کے حق میں لوح محفوظ کی ولایت مناسب تھی۔ یہ روایت ابو القاسم سہیلی نے اپنی کتاب ”التعریف والاعلام بما ابهم فی القرآن من الاعلام“ میں تحریر کی ہے۔

قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد ”مَنْ كَانَ عَذْوًا لِّلَّهِ وَ مَلَائِكَتِهِ وَ رُسُلِهِ وَ جِبْرِيلَ وَ مِيكَالَ“ میں جبریل اور میکائیل کے درمیان واو عاطفة ان دونوں کے درمیان فرقِ مراتب کی دلیل ہے کہ علاوہ دوسرے فرشتوں سے پہلے ان کا نام لیا جانا دوسرے فرشتوں پر ان کے شرف کا ثبوت ہے۔ بہر حال اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ جبریل جملہ ملائکہ میں اعظم و افضل ہیں کیونکہ اس آیہ شریفہ میں بھی ان کا نام پہلے آیا ہے۔ ویسے آسمان اور زمین پر میکائیل علیہ السلام کے دو مناصب یعنی بالترتیب بسلسلہ بارش و بنا تات ان کا اللہ تعالیٰ کی جانب سے تقرر جبریل علیہ السلام کے بعد ملائکہ مقریبین میں ان کے اعزاز کی برتری کا ثبوت ہے جو اس آیہ شریفہ سے ظاہر ہے۔

امام احمدؓ بیان کرتے ہیں کہ انہیں ابو بیمان اور ابن عباسؓؓ نے عمارہ بن غزنه انصاری حمید بن عبیدؓ ثابت البنایی کے

حوالے سے بتایا کہ انس بن مالک سے یہ حدیث مردی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپ نے (ایک دفعہ) جریل علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آیا ان سے میکائیل علیہ السلام نے کبھی مزاحا بھی کوئی بات کہی یا نہیں؟ آپ کے اس سوال کے جواب میں جریل بولے: ”وہ (میکائیل) مجھ سے شاید مزاحا یہیں پوچھ سکتے تھے کہ (خدا خواستہ) میری خلقت بھی کہیں آگ سے تو نہیں۔“ صحبتہ میں بھی تفصیل سے بیان کی گئی ہیں نیز جیسا کہ پہلے ایک حدیث کے بیان میں بتایا جا چکا ہے ان تینوں فرشتوں کا نام اکثر آنحضرت ﷺ کی دعاؤں میں آیا ہے مثلاً: ”اللَّهُمَّ رَبُّ جَرِيلَ وَ اسْرَافِيلَ“ جس کی وضاحت سطور بالا میں کی جا چکی ہے۔ جریل انبیاء کرام علیہم السلام کے پاس اللہ تعالیٰ کی طرف وحی لے جانے پر مأمور تھے۔ میکائیل بارش اور زمین پر بنا تات کے مؤکل ہیں جس سے بندگان خدا کو اس دنیا میں رزق ملتا ہے۔ اس کام میں بے شمار فرشتے میکائیل کے معاون ہیں جو حکم الٰہی کے تحت ان کے احکام بجالاتے ہیں، یعنی ہوا، ابر اور بارش کے سلسلے میں میکائیل کے احکام پر عمل کرتے ہیں جب کہ خود میکائیل احکام خداوندی کے پابند ہیں۔ واضح رہے کہ بارش کی ہر بوند کے ساتھ میکائیل کے معاون کے طور پر ان کے حکم کے تحت جگہ رب العزت اس بوند کی نگرانی کے لیے ایک فرشتہ آسمان سے زمین کی طرف آتا ہے۔ رہے اسرافیل علیہ السلام تو وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے روز قیامت صور پھونکنے پر مأمور ہیں جب یعنی نوع انسان صور کی آواز پر اپنی اپنی قبروں سے دوبارہ زندہ ہو کر انہیں گے اور حشر میں ان کے اعمال کے مطابق انہیں جزا ایسا زالتے گی۔ چنانچہ اس روز میکائیل اور اسرافیل علیہم السلام دونوں کے وہ کام ختم ہو جائیں گے جن پر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مأمور ہیں۔

جہاں تک ملک الموت کا تعلق ہے ان کا نام قرآن شریف یا احادیث صحابیت میں کہیں تصریح کے ساتھ نہیں پایا جاتا ہے۔ البتہ بعض کتابوں میں عزرائیل کے نام سے ان کا ذکر ملتا ہے۔ واللہ اعلم

قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿قُلْ يَتَوَفَّ أَكُمْ مَلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُتَّكَلِّ يُكُمْ ثُمَّ إِلَى رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ﴾

”کہہ دیجیے (اے محمد) ملک الموت تم سب کو موت سے ہمکنار کرے گا، پھر تم اپنے رب کی طرف لوٹ جاؤ گے۔“

جب کسی انسان کی موت آتی ہے تو ملک الموت کے بے شمار معاون فرشتوں میں سے کوئی نہ کوئی فرشتہ اس انسان کی روح جسم سے کھینچ کر اس کے حلقوم میں پہنچا دیتا ہے۔ روح کے حلقوم میں پہنچ جانے کے بعد اس کی روح کو مکمل طور پر جسم سے خارج کرنے کا کام ملک الموت کے ہاتھ میں ہوتا ہے لیکن وہ بھی اس کی روح کو مکمل طور پر سلب نہیں کرتا جب تک اس کی عکفیں کے بعد اس کی مذہبیں نہیں ہو جاتی اور وہاں اس کی قبر میں مسکن کرکے یعنی دو فرشتے جو اسی کام پر مأمور ہیں اس سے اس کے مذہب و مسلک کے بارے میں سوالات کر کے ان کے جوابات حاصل نہیں کر لیتے جیسا کہ خود رب العزت کے اس ارشاد سے ثابت ہے:

﴿يَسْأَلُ اللَّهُ الَّذِينَ آمَنُوا بِالْقَوْلِ الثَّابِتِ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَ فِي الْآخِرَةِ﴾

نکیریں کے ان سوالات اور بظاہر اس مردہ شخص کے جوابات کے بعد اگر وہ مردہ یا عورت اعمال صالح کا پابند رہا / رہی ہے تو اس کی روح کے لیے آسمان کے دروازے کھل جاتے ہیں اور وہ ادھر پرواز کر جاتی ہے۔ اس کے عکس جن اشخاص نے زمین پر

زندہ رہتے ہوئے اعمال صالح کی پابندی نہیں کی ہوتی ان کی ارواح زمین و آسمان کی درمیان معلق کر دی جاتی ہیں جیسا کہ اس قرآنی آیہ شریفہ سے صاف ظاہر ہے:

﴿وَهُوَ الْقَاهِرُ فَوْقَ عِبَادِهِ وَيُرْسِلُ عَلَيْكُمْ حَفَظَةً حَتَّى إِذَا جَاءَ أَحَدُكُمُ الْمَوْتَ تَوَفَّهُ رُسُلُنَا وَهُمْ لَا يَفْرَطُونَ﴾ ○ ثُمَّ زُدُوا إِلَى اللَّهِ مَوْلَاهُمُ الْحَقُّ إِلَّا هُوَ الْحُكْمُ وَهُوَ أَسْرَعُ الْحَاسِبِينَ

جیسا کہ ابن عباس، مجاهد اور متعدد دوسرے راویوں نے بیان کیا ہے کہ ساری زمین ملک الموت کے سامنے ایسی ہے جس طرح کسی کے سامنے کھانے کا طشت رکھا ہوا وہ یعنی ملک الموت اس طشت میں سے حصہ منشا کھاتا رہتا ہے۔
ہم کہیں اور یہ بیان کرچکے ہیں کہ جب کوئی انسان مرتا ہے تو اس وقت اس کے سامنے دو طرح کے فرشتے آتے ہیں۔ اگر وہ شخص اپنی زندگی میں نیک اطوار رہا ہے تو اس وقت اس کے سامنے جو فرشتے آتے ہیں ان کے چہرے سفید اور روشن ہوتے ہیں لیکن بد اعمال لوگوں کے سامنے اس وقت اس کے برکس یعنی کریہ المنظر اور بیت ناک فرشتے آتے ہیں۔ خدا ہم مسلمانوں کو اس دوسری صورت سے اپنی پناہ میں رکھے۔

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ان سے ان کے والد، یحییٰ بن ابی یحییٰ مقری اور عمر و بن شمر نے جعفر بن محمد کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کو ان کے والد نے بتایا کہ انہوں نے ایک روز کسی انصاری کی موت کے وقت رسول اللہ ﷺ کو اس کے سرہانے کھڑے دیکھا۔ اس وقت آپ جیسا کہ آپ نے بعد میں ارشاد فرمایا ملک الموت سے مخاطب تھے آپ نے اس سے فرمایا: ”اے ملک الموت! یہ میرا صحابی ہے اس کی روح نری سے قبض کرنا“۔ اس کے جواب میں ملک الموت نے آپ نے عرض کیا: ”یا محمد ﷺ آپ مطمئن رہیے میں ہر مومن کا رفیق ہوں“۔ یعنی ہر مومن کی روح نری سے قبض کرتا ہوں۔ اس کے بعد ملک الموت نے آپ نے مزید عرض کیا: ”میں زمین کے تمام بحری و بربی علاقوں سے پوری طرح واقف ہوں اور ان میں بینے والوں کے بارے میں ہر روز پانچ مرتبہ تحقیق کرتا رہتا ہوں یعنی ان میں سے کس کس کی موت کا وقت آپنچا ہے اور کس کس کی روح قبض کرنے کا حکم مجھے میرے رب کی طرف سے ملنے والا ہے لیکن میں چاہوں بھی تو ان میں سے کسی کی روح کو حکم ربی کے بغیر (ہرگز) قبض نہیں کر سکتا۔“

بعض ایں محمد (باقر) جو صادق کے لقب سے مشہور ہیں فرماتے ہیں کہ انہیں ان کے والد نے بتایا کہ ”اگر اوقاتِ نماز کے دوران میں کوئی مسلمان عالمِ نزع میں ہوتا ہے تو ملک الموت جب اس کے سرہانے آتا ہے تو بشرطیکہ وہ مسلمان اپنی زندگی میں نماز کا پابند رہا ہوتا ہے شیطان کو اس کے قریب سے ہٹا کر اس مسلمان کو کلمہ طینہ (لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدُ رَسُولُ اللَّهِ) پڑھنے کی تلقین کرتا ہے تاکہ اس کی عالمِ نزع کی تکلیف کم ہو جائے۔“

یہ حدیث مرسلا ہے اس لیے محل نظر ہے۔

ہم حدیث صور کو اسماعیل بن رافع المدینی القاصی کی زبانی محمد بن زیاد، محمد بن کعب قرقشی اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہوں کے حوالے سے تفصیلاً پیش کرتے ہوئے بیان کرچکے ہیں کہ اس حدیث نبوی کے مطابق جب اللہ تعالیٰ اسرائیل کو صور پھونکنے کا حکم دیں گے اور

اس کے بعد جب تمام ارض و سماوی مخلوق فنا ہو جائے گی تو اللہ تعالیٰ عرش کو حکم دیں گے کہ اسرافیل سے صور لے لیا جائے اور ملک الموت کو اسرافیل کی موت کا حکم دیا جائے اور پھر ملک الموت کو طلب فرم کر اس سے دریافت فرمائیں گے کہ ”اب کون باقی ہے؟“ وہ رب العزت کی خدمت میں عرض کرے گا کہ تمام ارضی و سماوی مخلوق فنا ہو چکی بجز ان کے جنہیں تو نے ابھی موت سے ہمکنار کرنا نہیں چاہا“، ارشاد ہو گا: ”ہم بہتر جانتے ہیں تا ہم تو بھی بتا“ ملک الموت عرض کرے گا: ”اب تیری ذات پاک کے علاوہ جو قائم و دائم رہنے والی ہے حاملان عرش اور جبریل و میکائیل باقی ہیں“ حکم ہو گا: ”جبریل اور میکائیل کی ارواح بھی قبض کرلو“، اس وقت عرش الہی بول پڑے گا: ”یا رب العالمین کیا جبریل اور میکائیل بھی مرنے والے ہیں؟“ عرش سے یہ سن کر اللہ تعالیٰ عرش سے فرمائیں گے: ”خاموش! میں لکھ پکا ہوں کہ“ جو بھی میرے عرش کے نیچے ہیں ان سب کو موت سے ہمکنار ہونا پڑے گا۔ الہا وہ دونوں بھی مریں گے۔

اس کے بعد ملک الموت (عزرائیل) اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرے گا: ”میں نے جبریل اور میکائیل کی ارواح بھی قبض کر لی ہیں“۔ ارشاد ہو گا: ”پھر اب کون کون باقی ہے؟“ ملک الموت جواب دے گا۔ اب تیری ذات پاک کے علاوہ جو دائم و قائم رہنے والی ہے صرف حاملین عرش فرشتے باقی ہیں۔ حکم ہو گا: ”ان کی ارواح کو بھی قبض کرلو“، ملک الموت ان کی ارواح کو بھی قبض کر لے گا۔ اس کے بعد پھر ملک الموت حاضر ہو کر عرض کرے گا: ”یا رب العزت میں نے ان کی ارواح بھی قبض کر لی ہیں“۔ ارشاد ہو گا: ”اب کون کون باقی ہے؟“ ملک الموت جواب دے گا: ”اب تیری ذات پاک جو قائم و دائم رہنے والی ہے اور رہے گی کے علاوہ صرف تیرا یہ بندہ ناچیز ابھی زندہ ہے“۔ ارشاد ہو گا: ”ہم نے جب تجھے پیدا کرنا چاہا تو پیدا کر دیا تھا لیکن اب ہم چاہتے ہیں کہ تو بھی مر جا، الہا مر جا“۔ چنانچہ ملک الموت بھی اس منشاء رب کے تحت مر جائے گا۔

اس حدیث کو اس کی تمام تفصیلات کے ساتھ طبرانی، ابن حجر اور یعنی نے بیان کیا ہے نیز اسے حافظ ابو موسیٰ المدینی نے اپنی کتاب الطوالات^① میں پیش کرتے ہوئے اس میں کچھ اور عجیب و غریب اضافے کیے ہیں مثلاً یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ملک الموت کو تمام ارضی و سماوی مخلوقات کی موت کا حلم دے کر آخ میں خود اس سے فرمایا؟ ”تو بھی میری مخلوقات میں سے ایک مخلوق ہے، میں نے تجھے جب ارادہ کیا تھا تو پیدا کر دیا لیکن اب میرا حکم ہے کہ میری تمام مخلوقات کی طرح تو بھی مر جا اس طرح کہتا ابد الابد پھر کبھی زندہ نہ ہو۔ چنانچہ رب العزت کا یہ حکم سن کر ملک الموت کو بھی موت آگئی وغیرہ وغیرہ۔

جن دو فرشتوں کے نام قرآن شریف میں ہاروت و ماروت بتائے گئے ہیں ان کا ذکر متقدیں میں کی ایک جماعت کے اکثر لوگوں نے بھی کیا ہے لیکن ان دونوں فرشتوں کے مامور من اللہ ہو کر انسانی شکلوں میں زمین پر آنے، ان کے متعلق دیگر واقعات اور ان کے مبینہ اعمال کی سزا کے بارے میں جملہ تفصیلات جو متعدد کتابوں میں لیتی ہیں وہ سب کی سب اسرائیلیات سے ماخوذ ہیں۔

① کشف الطیون میں بتایا گیا ہے کہ ”کتاب الطوالات“ حافظ الکبیر ابی موسیٰ محمد بن ابی بکر عمر المدینی التوفی ۱۵۸ھجری کی تصنیف ہے جس میں حدیث صور کی مبالغہ آمیز اور بے سر و پا توں کے علاوہ اور بہت سی مسیحی گھرست اور ناقابل یقین باتیں درج ہیں۔ (محمد الدامن)

اس سلسلے میں امام احمدؓ نے جو حدیث مرفوع بیان کی اس کی بھی جگہ جگہ ابن حبان نے تصحیح کی ہے۔ یہ حدیث ہمارے نزدیک بھی محل نظر ہے کیونکہ اس میں عبد اللہ بن عمر بن عین کا جو حوالہ دیا گیا ہے تو مذکورہ راوی نے بھی اس حکایت کی تفصیلات یقیناً کعب احبار سے سنی ہوں گی جو پہلے نصرانی تھے اور اکثر اسرائیلیات پر من قصہ سنایا کرتے تھے۔ ہم ان شاء اللہ آگے چل کر عقریب اس موضوع پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔

ویسے اس تمثیل کا خلاصہ یہ ہے کہ زہرہ زمین پر انسانی مخلوق میں ایک حسین ترین عورت تھی جس کی خوبصورتی کا ذکر اس قصہ کے ضمن میں حضرت علی، ابن عباس اور عبد اللہ بن عمر بن عین کے بیان کردہ تذکروں میں پایا جاتا ہے اور بیان کیا گیا ہے کہ جب ہاروت و ماروت اس کی قربت کے طالب ہوئے تو زہرہ نے اس کی یہ شرط رکھی کہ وہ اسے اسم اعظم سکھادیں جسے سکھنے کے بعد وہ زمین سے اڑ کر آسمان پر ستارہ بن گئی۔

اس سلسلے میں حاکم اپنی کتاب مسند رک میں ابن عباس بن عین کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اس زمانے میں زمین پر رہنے والی عورت اپنے حسن کے لحاظ سے ستارے زہرہ کی مثال تھی۔ ہمارے خیال میں حاکم کی یہ روایت قرین قیاس ہے اور اس لیے قبل قبول ہو سکتی ہے۔ کہا جاتا ہے کہ ہاروت اور ماروت کا واقعہ حضرت اور لیں علیہ السلام کے زمانے میں گزارا تھا، جب کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ قصہ حضرت سليمان بن داود علیہ السلام کے زمانے کا ہے تاہم ہم نے اسے اپنی تفسیر میں حضرت سليمان علیہ السلام کے زمانے کی حکایات کے ضمن میں لکھا ہے۔

بہر کیف اس قصہ کا مرجع کعب احبار ہیں اور عبد الرزاق نے اپنی تفسیر میں اسے ثوری موسیٰ بن عقبہ سالم، ابن عمر بن عین اور کعب احبار ہی کے حوالے سے بطور حکایت پیش کیا ہے ویسے کعب احبار کے علاوہ یہ روایات ان بڑے ثقہ راویوں کے حوالے اور اسناد کے ذریعہ جس حد تک بیان کی گئی ہیں انہیں صحیح تسلیم کیا جاسکتا ہے۔ واللہ عالم

جو لوگ قرآن کی آیہ شریفہ ﴿وَمَا أُنْزِلَ عَلَى الْمَلَكِينَ بِبَأْبَلَ هَارُوتَ وَ مَارُوتَ﴾ میں ”ہاروت و ماروت“ سے جنات کے دو قبیلے مراد لیتے ہیں وہ بھی بڑی عجیب اور بعيد از قیاس بات ہے اور ہر چند کہ ایسے لوگوں کے اس بیان کو ابن حزم نے روایت کیا ہے مگر چونکہ قرآن میں ”ملکین“ کے تلفظ کے لحاظ سے یہ بات غلط ظہر تھی ہے اس لیے وہ قابل قبول نہیں ہو سکتی۔ اس کے علاوہ جو لوگ مندرجہ بالا آیہ قرآن میں ”ملکین“ کے حرف کو مکور یعنی زیر کے ساتھ پڑھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں ہاروت و ماروت فارس (ایران) کے دو حکمران (پادشاہ) تھے جنہیں ان کی رعایا پر شدید ظلم و ستم کی وجہ سے سزا کے طور پر گور خر بنا دیا گیا تھا جیسے اس زمانے کے ایک اور ایرانی بادشاہ شحاک کے شانوں سے اس کے اس قسم کے افعال قبیح کی بنا پر دوسانپ قدرت نے نمودار کر دیئے تھے جو وقار فتوح قیامت کا سمجھ کھاتے رہتے تھے لیکن ان راویوں کا یہ بیان جگہ جگہ مذکورہ بالا قرآنی لفظ ”ملکین“ کے تلفظ کی وجہ سے غلط ظہر تھا۔

اُن کے علاوہ جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ ہاروت و ماروت دو فرشتے ہی تھے لیکن انہیں اللہ تعالیٰ کی حکوم عدوی کی سزادی گئی تھی۔ جیسے الیس کو جو فرشتہ ہی تھا اللہ تعالیٰ نے حکوم عدوی کی سزادی کی تھی۔ ان لوگوں کا یہ کہنا کہ ہاروت و ماروت فرشتے تھے اپنی جگہ

درست ہے لیکن ان کا بطور مثال یہ کہنا کہ ابلیس بھی فرشتہ ہی قہار اسر غلط ہے کیونکہ وہ درحقیقت جن تھا۔ ہم اس موضوع پر انشاء اللہ عنقریب آگے چل کر تفصیلی گفتگو کریں گے۔

حدیث میں دو اور فرشتوں کا مذکور و تکیر کے نام سے ذکر آیا ہے اور حضور نبی کریم کے ارشاد گرامی کے بوجب قبر میں ہر میت سے اس کے رب، اس کے دین، اس کے نبی اور اس کے نیک و بد اعمال کے بارے میں سوالات کریں گے جس پر وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے مامور ہیں۔ مذکورہ حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ان فرشتوں کے رنگ عام رنگوں سے مختلف ان کے چہرے عجیب و غریب بلکہ بھیا نک اور ان کے دانت بہت لانے ہوں گے۔ اللہ تعالیٰ ہمیں ان کے سوالات کے جواب دینے میں ثابت الایمان اور قبر کے عذاب سے محفوظ رکھئے آمین!

ملک الجبال:

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے عبد اللہ بن یوسف، ابن وہب اور یونس نے ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ ابن شہاب کو عروہ نے ام المؤمنین عائشہ صدیقہؓ کے حوالے سے بتایا کہ (ایک روز) آنحضرت نے ان سے فرمایا کہ انہوں نے یوم احد یعنی جس روز میدانِ احد میں کفار مکہ سے مسلمانوں کی جنگ ہوئی۔ تھی اس روز سے زیادہ سخت دن کبھی دیکھا ہے؟ پھر خود ہی ارشاد فرمایا: میں نے وہ دن دیکھا ہے اس روز ابن عبد یا لیل بن عبد کال نے سمجھو میری جان ہی لے لی تھی لیکن میں نے اپنے آپ کو اللہ تعالیٰ کی پناہ میں دے دیا تھا اسی سے طالب امداد تھا۔ بہر کیف اس نامراہ اور دوسرے کفار مکہ نے مجھ پر اتنا ظلم کیا تھا کہ میں بتانہیں سکتا۔ جب کفار مکہ یعنی خود میری قوم کی طرف سے مجھ پر یہ ظلم ہو رہا تھا تو میری نگاہ آسمان کی طرف گئی اور میں نے دیکھا ایک بادل کا گلزار مجھ پر سایہ فیکن ہے اور اس ابر پارے سے ایک فرشتہ زمین کی طرف آ رہا ہے جب وہ فرشتہ میرے قریب آیا تو میں نے دیکھا کہ وہ جبریلؑ ہیں۔ انہوں نے مجھے سلام کر کے کہا: ”یا محمدؐ (صلی اللہ علیہ وسلم) اللہ تعالیٰ نے آپ سے آپ کی قوم کا سلوک دیکھ لیا ہے اور آپ کے بارے میں اس کے نازیبا کلمات بھی سن لیے ہیں۔ اس نے مجھے تاکید کی ہے کہ اگر آپ کا حکم ہوتا میں روئے زمین پر جتنے جنگلات ہیں انہیں اخا کر آپ کی اس قوم پر الٹ دوں“۔ جبریلؑ کی زبانی اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے اس کرم بے پایاں کے بارے میں سن کر میں نے اس کا شکریہ ادا کیا اور جبریلؑ سے کہا: ”نہیں بلکہ میں چاہتا ہوں کہ ان (کفار) کے اصلاح سے اللہ تعالیٰ ایسے لوگ پیدا کرے جو صرف اسی کو معبدوں نہیں، اسی کی عبادت کریں اور کسی دوسرے کو اس کا شرکیہ نہ تھہرائیں“۔ (حدیث نبوی کا توضیحی و تشریحی ترجمہ) یہ حدیث مسلمؓ نے بھی ابن وہب کے حوالے سے بیان کی ہے۔



فصل: ۱

تقسیم ملائکہ:

فرشته اپنی اپنی مایتوں کی نسبت سے تقسیم کیے گئے ہیں۔ ان میں سے کچھ تو حاملین عرش ہیں اور کچھ عرش کے چاروں طرف رہتے ہیں۔ فرشتوں کی یہ دونوں قسمیں اشرف ملائکہ ہیں اور مقریبین کہلانی ہیں جن کا پہلے ذکر آچکا ہے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں: ﴿فَلَنْ يَسْتَكِفَ الْمُسِيْحُ أَنْ يَكُونَ عَبْدًا لِّلَّهِ وَلَا الْمَلَائِكَةُ الْمُقْرَبُونَ﴾ جبریل اور میکائیل علیہما السلام بھی انہی ملائکہ مقریبین میں شامل ہیں۔ یہ فرشتے یعنی ملائکہ مقریبین اگرچہ عام مسلمانوں کے سامنے نہیں آتے تاہم ان کے حق میں مغفرت کی دعا کرتے رہتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿وَيَسْتَغْفِرُونَ لِلَّذِينَ آمَنُوا رَبِّنَا وَسَعَثَ كُلَّ شَيْءٍ رَحْمَةً وَ عِلْمًا فَاغْفِرْ لِلَّذِينَ تَابُوا وَاتَّبَعُوا سَبِيلَكَ وَقِيمُ عَذَابِ الْجَحِيمِ الخ﴾

جب یہ فرشتے اہل ایمان کو ان صفات سے متصف پاتے ہیں جن کے لیے وہ ان کے حق میں دعا کرتے رہتے ہیں تو پھر وہ ان سے محبت کرنے لگتے ہیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا ہے: ”جب کوئی بندہ اپنے بھائی (مسلمان) کے لیے اس کے پیچے پیچے دعائے خیر کرتا ہے تو فرشتے آمین کہتے ہیں اور کہتے ہیں کہ تیرے لیے بھی ایسی ہی یعنی ہماری بھی دعا ہے۔

ان کے علاوہ دوسرے فرشتے جو ساتوں آسمانوں میں قیام پذیر ہیں شب و روز اور صبح ہو یا شام ہر وقت اللہ تعالیٰ کی مسلسل عبادت میں مصروف رہتے ہیں جیسا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ کسی وقت رب العزت کی عبادت سے غافل نہیں رہتے، کوئی ہمیشہ سجدے میں رہتا ہے اور کوئی قیام میں۔ انہی فرشتوں میں وہ فرشتے بھی ہیں جو آگے پیچے گردہ درگروہ سترستہ ہزار کی تعداد میں بیت المعمور کی طرف جاتے ہیں لیکن ان فرشتوں کی تعداد اتنی ہے کہ ستر ہزار کے ایک گروہ کو دو بارہ ہیئت المعمور میں (عبادت کے لیے) دوبارہ جانا تھیں ہوتا جب کہ کچھ دوسرے جنات پر متعین ہیں نیزان بزرگ ارواح پر جو آسمان پر قیام پذیر ہیں یہ فرشتے ان کے اور ان کے متعلقین کے رہنے سننے کھانے پینے اور ملبوسات کا انتظام کرتے رہتے ہیں جس کے بارے میں (بلکہ اس حد تک) انسان کا خیال بھی نہیں جاسکتا۔

حدیث سے یہ بھی پڑھ چلا ہے کہ جنت کا دار و غیر بھی ایک فرشتہ ہے جو رضوان کہلاتا ہے اس کا حدیث شریف میں تفصیل سے ذکر موجود ہے۔ کچھ فرشتے ایسے ہیں جو دوزخ پر متعین ہیں، ان کی تعداد ۷۱ (ستہ) ہے، ان فرشتوں کا سرگردہ جو فرشتہ ہے اس کا نام مالک ہے اور دوزخ کی ساری آگ کا وہی نگران ہے۔ دوزخ کے ان فرشتوں کا اور مالک کا قرآن شریف میں ذکر موجود ہے۔ کچھ فرشتے بنی نوع انسان کی حفاظت پر مامور ہیں۔ والی سے روایت ہے کہ ہر انسان کے گرد و پیش ایک ایک فرشتہ ہے جو اللہ تعالیٰ کے حکم سے اس کی حفاظت کرتا رہتا ہے لیکن اللہ ہی کے حکم سے اس کے پاس سے بہت جاتا ہے۔ عکرمد نے بھی ابن

عباس کے حوالے سے تبکی روایت کی ہے۔

مجاہد کی روایت یہ ہے کہ ہر مومن پر ایک فرشتہ تعینات ہے کہ جو اس کی جنات، دوسراے انسانوں اور شیاطین سے اس کی حفاظت کرتا ہے اور ان دوسروں سے بھی اسے تحفظ دیتا ہے جو یہ سب اس کے دل میں ڈالنا چاہتے ہیں اور اس فرشتے کا یہ شعل اس مومن کے سلسلے میں اس کے سوتے جاتے دن رات جاری رہتا ہے۔

ابو اسامہؓ کہتے ہیں کہ کوئی آدم زاد ایسا نہیں جس کی حفاظت پر ایک فرشتہ مامور نہ ہو اور جب تک اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ ہو اسے کوئی تکلیف نہیں پہنچتی۔

مجاہد روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص حضرت علیؑ کے پاس آیا اور آپ سے اس بارے میں سوال کیا تو آپ نے جواب دیا کہ اگر اللہ تعالیٰ کی مرضی نہ ہو تو کوئی شخص کسی کو قتل بھی کرنا چاہے تو قتل نہیں کر سکتا کیونکہ اس کی حفاظت کے لیے اللہ تعالیٰ کی جانب سے دو فرشتے مامور ہیں جو ہر وقت اس کی حفاظت کرتے رہے ہیں، یہ فرشتے یا تو اللہ کے حکم تحد دو حالتوں میں اس آدمی کے پاس سے ہٹتے ہیں ایک تو یہ کہ جو کچھ اس کی تقدیر میں لکھا ہے وہ اسے پیش آئے یاد و سری صورت میں اس کی موت کے وقت۔

و فرشتے جو ”کراما کاتبین“ کہلاتے ہیں ہر انسان کے اعمال کا ریکارڈ رکھتے ہیں ان کا ذکر ہم پہلے بھی کرچکے ہیں۔ ویسے ”کراما کاتبین“ یا تکمیرین کے بارے میں حافظ ابو محمد عبد الرحمن بن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں اپنے والد علی بن محمد طاقیؓ، وکیعؓ، سفیان اور مسرعؓ کی زبانی علقہ بن یزید اور مجاہد کے حوالے سے حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) پیش کرتے ہوئے لکھا ہے کہ کراما کاتبین آدمی کے پاس صرف دو حالتوں میں ہٹتے ہیں ایک تو اس وقت جب وہ حالتِ جنابت میں ہو یا غسل کر رہا ہو۔ اس کے ساتھ ہی آپ کا یہ ارشاد بھی نقل کیا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آدمی کو اپنا ستر غیر ضروری اوقات میں ڈھکے رہنا چاہیے تاکہ ان فرشتوں کو اس کے پاس سے ان اوقات میں ہٹانا نہ پڑے۔ یہ حدیث مرسلا ہے تاہم اسے بزارے جعفر بن سلیمان کے حوالے اپنی مندرجہ میں شامل کیا ہے لیکن علقہ اور مجاہد نے اسے محل نظر ٹھہر اکرا بن عباسؓؓ کے حوالے سے اس سلسلے میں جو حدیث نبویؓ پیش کی ہے وہ زیادہ واضح ہے۔ ابن عباسؓؓ کا اسی روایت کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہیں بے شری سے روکا ہے۔ لہذا تم اللہ تعالیٰ کے علاوہ تکمیرین سے بھی شرم کیا کرو جو تم سے تین حالتوں کے سوا بھی جدا نہیں ہوتے۔ ایک بوقت محبت یعنی بیویوں سے ہم بستری، دوسرا ہی حالتِ جنابت، تیسرا ہی حالتِ غسل کی ہے کہ جب تم برہنہ ہو سکتے ہو پھر فرمایا کہ غسل کے بعد جو کپڑا اور غیرہ میسر ہو وہ پہن لیا کرو یا اس سے اپنے جسم کا وہ حصہ چھپا لیا کرو جو ”ستر“ کہلاتا ہے اور جس کے ڈھانپے بغیر نماز نہیں ہوتی کیونکہ ان فرشتوں کو اللہ تعالیٰ نے اخلاق کریمانہ عطا فرمائے ہیں جو ان کے نام سے ظاہر ہے یہ فرشتے اعمال قبیحہ کے وقت آدمی سے دور ہٹتے ہیں۔ (ترجمہ مفہومی و توضیحی)

یہ حدیث جملہ صحاح، سنن اور مسانید میں ملتی ہے جس میں آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق یہ بھی بتایا گیا ہے کہ فرشتے کسی ایسے مکان میں بھی داخل نہیں ہوتے جس میں کوئی کتا، مجسمہ یا تصویر ہو۔ ایک روایت میں حضرت علیؓ کے حوالے سے لفظ ”بول“ کا بھی اضافہ کیا گیا ہے۔ یعنی جس گھر میں جگہ جگہ (بیت الحلاء کے علاوہ) پیشاب پڑا ہو یا کیا جاتا ہو۔ رافعؓ کی روایت

❶ ایک نئے میں ابو امام لکھا ہے۔ (مرتب)

مرفوع میں بکوال سعید ہے کہ فرشتے تصویر وں اور جسموں والے لگھر میں داخل نہیں ہوتے جب کہ مجاهد نے جو مشہور حدیث ابو ہریرہ خنزد کے حوالے سے بیان کی ہے اس میں تصویر یا مجسم کے ساتھ کتنے کامبھی ذکر ہے۔ ذکوان الی صالح سماک نے جو حدیث ابو ہریرہ کے حوالے سے بیان کی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ فرشتے ان لوگوں کے ہمراہ نہیں ہوتے جو اپنے ساتھ کتنے یانا تو سوس (سکھ) لے کر چلتے ہیں۔

بزارِ کتبتے ہیں کہ ان سے یہ حدیث اصحاب بن سلیمان بعد ادی المعروف فلوس بیان بن حمران اور سلام نے محمد بن سیرین اور ابو ہریرہ خنزد کے حوالے سے بیان کیا اور بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے نی آدم کے اقوال و اعمال کی مناسبت سے اسے پہچانتے ہیں اور ان کا ذرہ حساب رکھتے ہیں، پس جب کوئی آدم اللہ تعالیٰ کے احکام کے مطابق عمل کرتا ہے تو وہ (دونوں) فرشتے آپس میں اس کے بارے میں گفتگو کرتے کہتے ہیں کہ اس کی رات خیر و فلاح کے ساتھ گزرے لیکن جب کسی شخص کو گناہ میں مبتلا دیکھتے ہیں تو اس کے بارے میں باہم گفتگو کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ یہ شخص رات کو ہلاک ہو جائے سلام مدنی نے اس حدیث کو ضعیف تایا ہے۔

بخاریؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے یکے بعد دیگرے روز و شب آسمان سے زمین پر اترتے رہتے ہیں، وہ دونوں گروہ فخر اور عصر کی نماز میں ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں، پھر جب وہ لوٹ کر آسمان پر جاتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتے ہیں کہ ”تم نے میرے بندوں کو کس حال میں چھوڑا؟“، اس پر وہ دونوں گروہ باری باری سے ایک ہی جواب دیتے ہیں کہ ”ہم نے انہیں آتے جاتے دونوں وقت نماز پڑھتے ہوئے چھوڑا۔“

یہ روایت بخاریؓ نے سیاق و سبق کے ساتھ عنوان ”تخلیق کی ابتداء“ کے تحت بیان کی ہے اور اسی کو مسلمؓ کے علاوہ دوسرے

راویوں نے بھی بطور خاص اس موضوع کے تحت پیش کیا ہے اور اسی وجہ سے پیش کیا ہے۔

بزارِ زیاد بن ایوب، مبشر بن اسماعیل حلی اور تمام بن نجعہ کی زبانی حسن یعنی حسن بصریؓ اور انسؓ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ کتاب اعمال فرشتے جب کسی شخص کا دن بھر کا صحیحہ اعمال لے کر اللہ تعالیٰ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں اور اس کے لیے رب العزت سے طلب مغفرت کرتے ہیں تو وہ فرماتا ہے کہ صحیفے کے دونوں کناروں کے درمیان جو کچھ تم نے لکھا ہے اس کا حساب کتاب میں نے اپنے بندے کو معاف کر دیا۔ یہ حدیث جو تمام بن نجعہ نے بطور خاص انتخاب کر کے پیش کی ہے وہ ”حدیث صالح“ ہے تاہم اسے ابن معین نے ”لثۃ“ اور بخاری وغیرہ نے ضعیف ثہرایا ہے لیکن امام احمدؓ کے نزدیک اس کا اصل مقصود یہ ظاہر کرنا ہے کہ ہر شخص کا نامہ اعمال لکھنے کے لیے اس کے ساتھ دو فرشتے رکھے گئے ہیں جن میں سے ایک اس کے آگے اور ایک پیچھے ہے اور اللہ تعالیٰ کے حسب الحکم اس کے تمام اقوال و اعمال ریکارڈ کرتے رہتے ہیں اور امام احمدؓ ہی کے بقول ہر شخص کے دامیں اور بائیں دو فرشتے اس کام کے لیے مامور ہیں جیسا کہ خود کلام الہی سے ثابت ہے کہ:

﴿عَنِ الْبَيْمَنِ وَعَنِ الشَّمَالِ قَعِيدَ مَا يَأْفِظُ مِنْ قَوْلٍ إِلَّا لَدِيهِ رَقِيبٌ غَيْرِهِ﴾

اس ضمن میں اس حدیث کے علاوہ ایک حدیث امام احمدؓ نے متعدد لثۃ حوالوں سے روایت کی ہے رسول اللہ ﷺ نے

اپنے صحابہؓ سے فرمایا کہ: تم میں سے ہر فرد واحد میں (اور بنا بریں ہر انسان میں) کچھ قرینے (خصال شر) جنوں کے اور کچھ قرینے (خصال خیر) فرشتوں کے جمع ہیں۔ یہ کہ آپؐ کے صحابہؓ نے آپؐ سے پوچھا: اور آپؐ میں یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپؐ نے فرمایا: مجھے اللہ تعالیٰ نے اپنے صفات پر پیدا کیا ہے لیکن مجھ میں تمام خصال خیر جمع کیے گئے ہیں۔

اس حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کا تحریخ احمد مسلم نے منصور کی روایت سے کیا ہے جس سے آپؐ کا مطلب یہ تھا کہ ہر انسان میں خیر و شر دونوں کی استعداد بجا طائلختی موجود ہے پھر یہ بھی کہ اسے شیاطین را و خیر سے بھکا بھی سکتے ہیں جب کہ آنحضرت ﷺ کی طور پر حکم الہی مخصوص ہیں اس لیے نہ آپؐ کو شیطان کسی وسو سے میں بتلا کر سکتا ہے اور نہ آپؐ کے نامہ اعمال میں بجز خیر کچھ لکھا جا سکتا ہے۔ وباللہ المستعان۔

امام بخاریؓ احمد بن یونس، ابراہیم بن سعد اور ابن شہاب کی زبانی اور ابی سلمہ بن عبد الرحمن، الاغر اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے فرماتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جمع کے روز فرشتے مسجد کے ہر دروازے پر آکر کھڑے ہو جاتے ہیں اور مسجد میں داخل ہونے والے ہر نمازی کا نام یکے بعد دیگرے لکھتے رہتے ہیں پھر جب امام منبر پر بیٹھ جاتا ہے تو وہ اپنا صیفہ سمیث کر قرآن سننے لگتے ہیں۔ یہ حدیث صحیح بخاری کے علاوہ صحیح مسلم میں بھی انہی الفاظ میں درج ہے اور مذکور کے پیش کی گئی ہے۔ درج ذیل آیہ شریفہ فرشتوں کے شب و روز کلمہ شہادت و روز بان رکھنے کی طرف اشارہ ہے نیز یہ بھی کہ وہ وقت فجر مساجد میں آ کر قرآن سنتے ہیں:

﴿وَ قُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾

یہ روایت ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے اس باطی کی روایت کردہ حدیث کے طور پر پیش کی ہے مگر ہمارے نزدیک بجا طائلسل روایت یہ منقطع ہے۔

بخاریؓ نے متعدد ثقہ راویوں شمول ابو ہریرہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”نماز جمعی فضیلت ہر دوسری نماز کی فضیلت سے بھیس گناہے نیز یہ کہ رات اور دن کے فرشتے نماز فجر کے وقت جمع ہو کر قرآن سنتے ہیں“۔

ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ قرآن شریف کی تم جب چاہوتا وات کرو لیں خود قرآن کی شہادت یہ ہے کہ فجر کے وقت اس کی تلاوت فرشتے بھی سنتے ہیں اور تمہیں تلاوت کرتے ہوئے دیکھتے ہیں:

﴿وَ قُرْآنَ الْفَجْرِ إِنَّ قُرْآنَ الْفَجْرِ كَانَ مَشْهُودًا﴾

بخاریؓ فرماتے ہیں کہ ان سے مدد اور ابو عوانہ نے اعمش، ابی حازم اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر کوئی مرد (رات کو) اپنی بیوی کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ (بوجنگلی) انکار کر دے تو فرشتے صحیح تک اس (عورت) پر صحیح تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں۔ یہ حدیث، شعبہ الہمزة، البداؤ و اور ابو معاویہؓ نے اعمش کے حوالے سے روایت کی ہے۔

ایک دوسری حدیث نبوی جو صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں درج ہے یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب امام (نماز میں) آمین کہے تو تم بھی آمین کہو کیونکہ امام کے پیچھے (کھڑا ہوا) جو شخص (مقتدی) آمین کہنے میں سبقت کرتا ہے۔ فرشتے اس شخص کی مغفرت کے لیے دعا کرتے ہیں۔ صحیح بخاری میں خود اساعیل (بخاری) کے الفاظ یہ ہیں کہ امام کے پیچھے جو (مقتدی) اس کے آمین کہنے کے بعد آمین کہنے میں سبقت کرتا ہے تو ملائکہ آسمان پر آمین کہنے کے بعد اس (مقتدی) کے حق میں دعائے مغفرت کرتے ہیں۔

صحیح بخاری میں امام مالکؓ کی روایت کردہ ہمی ابی صالح اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم کے حوالے سے حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”جب امام (نماز میں) سَمِعَ اللَّهُ لِمَنْ حَمِدَهُ کہے تو قَالَ اللَّهُمَّ رَبَّنَا وَلَكَ الْحَمْدُ کہو (کیونکہ) جو (مقتدی) امام کی اتباع میں یہ الفاظ کہتا ہے اور اس میں (دوسرے مقتدیوں پر) سبقت کرتا ہے تو فرشتے اس (مقتدی) کے لیے دعائے مغفرت کرتے ہیں۔“

یہ حدیث امام مالکؓ کے حوالے سے ابن ماجہ کے سواراویوں کی پوری جماعت نے روایت کی ہے۔

امام احمدؓ فرماتے ہیں کہ انہوں نے ابو معاویہ اور اعمش کی زبانی ابی صالح اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم یا ابی سعید ہوشٹک (یعنی الاعمش) کے حوالوں کے ساتھ یہ حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) سنی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے روئے زمین پر سیاحت کرتے رہتے ہیں اور وہ جب کسی قوم کو اللہ تعالیٰ کے ذکر میں مشغول پاتے ہیں تو اس کے حق میں دعائے خیر کرتے ہیں اور جب وہ (زمین سے) پہلے آسمان پر پہنچتے ہیں تو اللہ تعالیٰ ان سے دریافت فرماتا ہیں کہ تم نے میرے بندوں کو کس حال میں دیکھا؟ وہ جواب دیتے ہیں کہ وہ تیرے ذکر میں مشغول تھے، پھر اللہ تعالیٰ ان (فرشتوں) سے پوچھتا ہے کہ کیا میرے ان بندوں نے مجھے دیکھا ہے۔ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ دیکھا تو نہیں لیکن تیرے ذکر میں ان کی حد رجہ مشغولیت سے ہمیں ایسا محسوس ہوا کہ جیسے وہ تجھے دیکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان (فرشتوں) سے دریافت فرماتا ہے کہ میرے وہ بندے مجھ سے کس چیز کے طالب تھے؟ فرشتے جواب دیتے ہیں: ”جنت کے“ اس پر اللہ تعالیٰ ان (فرشتوں) سے دریافت فرماتے ہے کہ آیا میرے ان بندوں نے بہت دیکھی ہے؟ وہ فرشتے جواب دیتے ہیں کہ دیکھی تو نہیں لیکن ان کی طلب میں جو شدت تھی اس سے محسوس ہوا جیسے وہ جنت کو دیکھ رہے ہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان فرشتوں سے دریافت فرماتا ہے کہ وہ میرے بندے میری پناہ کس چیز سے مالگئے ہیں؟ وہ (فرشتے) جواب دیتے ہیں کہ آگ (دوزخ) سے۔ اللہ تعالیٰ پوچھتا ہے کہ کیا انہوں نے آگ (دوزخ) کو دیکھا ہے۔ وہ فرشتے عرض کرتے ہیں کہ (یقیناً) دیکھا تو نہیں لیکن اس کے خوف اور دہشت کی شدت کی وجہ سے ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے آتش جہنم ان کے سامنے ہے۔

ان فرشتوں سے اپنے ان سوالات کے یہ جوابات سن کر اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے کہ میں نے ان سب کی مغفرت کر دی۔ اس کے بعد فرماتا ہے کہ اگر اس قوم کے کسی فرد سے کوئی خطابی سرزد ہوئی ہے تو میں اس کی الجائے جنت رونگیں کروں گا کیونکہ اس قوم کا وہ فرد (یا اس کے کچھ افراد) اس قوم کے جلیس ہیں جس کا تم نے ذکر کیا (یعنی اس قوم کی وجہ سے اس کے کسی اکاڈمک فردا کا

گناہ قابل معافی ہے)

یہی حدیث بخاری نے اسی طرح تبیہ، جو یہ بن عبد الحمید اور عمش کے حوالے سے روایت کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اس کے اصل راوی شعبہ ہیں جنہوں نے اسے عمش کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ تاہم بخاری نے اس پر زدنہ نہیں دیا لیکن یہ حدیث سہیل نے اپنے والد کے حوالے سے زور دے کر روایت کی ہے جب کہ امام احمد نے اس حدیث کو عفان، وہیب، سہیل، سہیل کے والد اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے روایت کرتے ہوئے اس کی روایت میں بخاری ہی جیسا انداز اختیار کیا ہے۔

یہی حدیث مسلم نے محمد بن حاتم، بہر بن اسد اور وہب کے حوالے سے روایت کی ہے۔ اسے امام احمد نے بھی غدر، شعبہ اور سليمان (یعنی عمش، ابی صالح اور ابو ہریرہؓ) کے حوالے سے اسی طرح روایت کیا ہے جیسا کہ بخاری نے اس کی طرف اشارہ کیا ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ ان سے ابو معاویہ، عمش اور ابن نمیر نے بیان کیا اور عمش نے ابی صالح اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بھی انہیں اطلاع دی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”جو شخص کسی مومن کو کسی دنیاوی کرب سے نجات دلاتے تو اللہ تعالیٰ روز قیامت کے کرب سے دنیا میں اس مومن کے کرب سے نجات دہندا کو نجات بخشدے گا۔ نیز یہ کہ جو شخص نے دنیا میں کسی مومن کی پرده پوشی کی تو اللہ تعالیٰ دنیا اور آخرت دونوں میں اس شخص کی پرده پوشی فرمائے گا (کیونکہ) اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے کی (ضرور) مدد فرماتا ہے جو اپنے کسی بھائی کی مدد کرتا ہے آپ نے مزید فرمایا کہ جو شخص نے دنیا میں وہ راستہ اپنایا جس سے مقصد حصول علم ہو تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے جنت تک پہنچنے کا راستہ آسان بنادے گا اور جو شخص مساجد میں سے کسی مسجد میں لوگوں کو اس لیے جمع کرے کہ وہاں قرآن شریف کی تلاوت کی جائے اور باہم مل کر اللہ کے رسول ﷺ کی ثنا کی جائے تو اس پر اور وہاں جمع ہونے والے جملہ حضرات پر اللہ تعالیٰ اپنی رحمت نازل فرماتا ہے، ان کے چهار جانب فرشتے جمع ہو جاتے ہیں اور ان کا ذکر اللہ تعالیٰ آسان پر رہنے والے ان فرشتوں سے بھی فرماتا ہے جو اس وقت اس کے نزدیک ہوتے ہیں (البتہ) جس کے (نیک) عمل میں تاخیر ہوتی ہے (اللہ تعالیٰ کے زیر فرمان) اس کا نسب (یعنی اس کا پچیلا و) ہرگز سرعای نہیں ہو سکتا۔ یہی حدیث مسلم نے بھی ابو معاویہ کی روایت کردہ حدیث کے طور پر بیان کی ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالرازاق اور عمر نے اغرا (ابی مسلم) اور ابی سعید (عمش) کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”جو قوم اللہ تعالیٰ کے ذکر کے لیے جمع ہوتی ہے تو کبھی ایسا نہیں ہوتا کہ فرشتے اس کے چہار جانب جمع نہ ہوں، اللہ تعالیٰ اسے اپنے سایہ رحمت میں نہ لے اور اس پر اسمن و سکون نازل نہ فرمائے اور جو فرشتے اس کے نزدیک ہوں ان سے اس قوم کا ذکر نہ کرے“۔ یہی حدیث امام احمد نے انہی الفاظ میں اسرائیل، سفیان ثوری اور شعبہ کی روایت کردہ حدیث کے طور پر ابی الحسن کے حوالے سے بیان کی ہے۔ نیز اس حدیث کو مسلم نے شعبہ ترمذی، اور ثوری (سفیان ثوری) کی روایت کردہ حدیث کے طور پر پیش کرتے ہوئے اسے ”حسن اور صحیح“ لکھا ہے جب کہ این باہمے اس حدیث کو ابی مکبر بن ابی شیبہ، بیکی بن آدم، عمار بن زریق اور ابی الحسن کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ ان موضوعات پر منی احادیث کتب احادیث میں کثرت

پائی جاتی ہیں۔

مند امام احمدؓ اور سحن ابو داؤد میں بطور مرفوع بیان کیا گیا ہے کہ فرشتے طالب علم کی راہ میں اپنے پر بچا دیتے ہیں جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اس طالب علم کے سامنے محاورہ بچھے رہتے ہیں اور اس طرح حصول علم کے لیے جو وہ کوشش کرتا ہے اس پر اظہار خوشنودی کرتے ہیں جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿وَاحْفِظْ لَهُمَا جَنَاحَ الدُّلُّ مِنَ الرَّحْمَةِ﴾ اور ایک جگہ قرآن میں یہ بھی فرماتے ہیں: ﴿وَاحْفِظْ جَنَاحَكَ لِمَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْمُؤْمِنِينَ﴾ اس آیت میں بھی ﴿وَاحْفِظْ جَنَاحَكَ﴾ سے وہی مراد ہے یعنی اظہار تواضع و خوشنودی۔ (شادانی)

امام احمدؓ کی زبانی سفیان، عبد اللہ بن سائب، زاذان اور عبد اللہ بن مسعود کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ کے لیے جو فرشتے روئے زمین کی سیاحت کرتے رہتے ہیں وہ میری امت کا سلام مجھ تک پہنچاتے ہیں“۔ یہ حدیث نسائی نے بھی سفیان ثوری اور سلیمان الاعمش دونوں کی روایت کردہ حدیث کے طور پر عبد اللہ بن سائب کے حوالے سے پیش کیا ہے۔

امام احمدؓ فرماتے ہیں کہ ان سے عبد الرزاق اور عمر نے زہری، عروہ اور حضرت عائشہؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”ملائکہ نور سے جہات آگ کے بہت بھڑکنے والے شعلے سے اور آدم (علیہ السلام) اسی طرح پیدا کیے گئے ہیں جیسا تم سے بیان کیا جا چکا ہے“۔ اس حدیث کو مسلم نے بھی اسی طرح محمد بن رافع، عبدة بن حمید اور عبد الرزاق کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

ملائکہ کے ذکر پر مبنی احادیث اور بہت سی ہیں۔ ہم نے ان میں سے حتی الامکان جتنی ہو سکیں یہاں توفیق ربانی پیش کر دی ہیں۔ وله الحمد



فصل: 2

تفضیل ملائکہ:

انسان پر ملائکہ کی فضیلت کے بارے میں جو اقوال ہیں ان کے سلسلے میں لوگوں میں باہم اختلاف پایا جاتا ہے تاہم یہ اختلاف اکثر و بیشتر مشکلمیں اور معتزل اور ان کے ہم خیال لوگوں کے مابین ہے جو ان کی کتابوں میں ملتا ہے۔

حافظ بن عساکر نے اپنی کتاب تاریخ میں اس مسئلے کی وضاحت کے سلسلے میں ایک واقعہ بیان کیا ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ ایک روز امیہ بن عمرو بن سعید بن عاص عبد العزیز کی مجلس میں حاضر تھے جس میں ایک جماعت پر مشتمل کچھ اور لوگ بھی موجود تھے۔ ابن عساکر کے بقول اس مسئلے پر گفتگو کا آغاز خود عبد العزیز نے کیا۔ انہوں نے دعویٰ کیا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوقات میں بنی آدم پر کسی دوسری مخلوق کو فضیلت نہیں بخشی اور اپنے اس دعوے کے ثبوت میں یہ قرآنی آیہ شریفہ بطور دلیل پیش کی:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ أُولَئِكَ هُمُ الْأَحْسَانُ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْأَحْسَانَ﴾

ابن عساکر بیان کرتے ہیں کہ امیہ بن عمرو بن سعید نے بھی مندرجہ بالا قرآنی آیہ شریفہ کے پیش نظر عبد العزیز کے ذکورہ بالادعوے کی تائید کی لیکن عراک ابن مالک نے کہا کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان فرشتوں کو جو عرشِ اعظم کی خدمت پر مامور ہیں خصوصاً اس فرشتے کو جو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے رسولوں کے پاس وہی لاتا رہا ہے بنی آدم پر فضیلت حاصل ہے۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں اس نے یہ قرآنی پیش کی:

﴿هُمَا نَهَا كُمَا زُبُكُمَا عَنْ هَذِهِ الشَّجَرَةِ إِلَّا أَنْ تَكُونُنَا مَلَكِيْنِ أَوْ تَكُونُنَا مِنَ الْخَالِدِينَ﴾

عراک ابن مالک کی زبان سے فرشتوں کی مندرجہ بالا صفات اور اس کے مندرجہ بالادعوے کی دلیل میں قرآن شریف کی یہ دوسری آیت سن کر عمر ابن عبد العزیز نے محمد بن کعب القرطی سے کہا کہ ان کی اس مسئلے میں کیا رائے ہے۔ محمد بن کعب القرطی بولے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو فرشتوں پر فضیلت بخشی کیونکہ انہیں خود اپنے دست قدرت سے پیدا کیا، ان میں اپنی روح چھوکی، آدم کو فرشتوں سے سجدہ کروایا اور ان کی اولاد میں انبیاء اور رسول پیدا کیے جن کی زیارت کے لیے ان کی خدمت میں فرشتے حاضر ہوتے رہے۔

ابن عساکر کے بقول محمد بن کعب القرطی کی ان باتوں کی عمر بن عبد العزیز نے تائید تو کی لیکن انہیں قرآن کی رو سے بے دلیل بتایا کیونکہ محمد بن کعب نے اس سلسلے میں کوئی قرآنی آیت پیش نہیں کی تھی بلکہ یہ بھی کہا کہ فرشتوں پر بنی آدم کی فضیلت کے دعوے کی دلیل میں خود انہوں نے جو آیت پیش کی تھی اس میں بھی:

﴿إِنَّ الَّذِينَ آمَنُوا وَعَمِلُوا الصَّالِحَاتِ﴾

کی حد تک انسان کی کوئی خصوصیت نہیں ہے اس لیے ان کی یہ دلیل واقعی کمزور ثابت ہوتی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے ایمان کی

صفت میں: ﴿وَنُؤْمِنُونَ بِهِ﴾ فرمایا کہ فرشتوں کو شریک کیا ہے بلکہ قول رب العزت: ﴿وَأَنَا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَىٰ آمَنَّا بِهِ﴾ اور ﴿وَأَنَا مِنَ الْمُسْلِمُونَ﴾ کہہ کر جنات بھی ایمان کی صفت میں شریک ہو جاتے ہیں۔

بہر کیف میرے خیال میں اس مسئلے میں جو استدلال عثمان بن سعید داری نے عبد اللہ بن عمر رض کے حوالے سے مرفوعا کیا ہے وہ صحیح ترین ہے۔ (مؤلف) عبد اللہ بن عمر رض کا استدلال یہ ہے کہ:

لما خلق الله جنة قالت الملائكة يا ربنا اجعل لنا هذه نأكل منها و نشرب فانك خلقت الدنيا
لبني آدم.

(یعنی جب اللہ تعالیٰ نے جنت پیدا کی تو فرشتوں نے عرض کیا کہ اے ہمارے رب! اے (جنت کو) ہمارے لیے مخصوص فرمادے تاکہ ہم اس میں سے کھائیں پیں، تو نے بنی آدم کے لیے تو دنیا تخلیق فرمادی ہے) لیکن فرشتوں کی یہ گذشتہ سن کر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ میں آدم کی اولاد سے زیادہ صالح کوئی دوسرا مخلوق ہرگز پیدا نہیں کروں گا۔ کیونکہ میں نے آدم علیہ السلام کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا یعنی میں نے اس سے کہا ہو جا پس وہ ہو گیا۔



ذکر تخلیق جنات و قصہ شیطان

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ صَلْصَلٍ كَالْفَخَارِ وَخَلَقَ الْجَهَنَّمَ مِنْ مَارِجٍ مَنْ نَارٍ فِي أَلَّا وَرَبُّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾

ایک دوسری جگہ ارشاد ہوا:

﴿وَلَقَدْ خَلَقْنَا إِلَّا نَسَانَ مِنْ صَلْصَلٍ مَنْ حَمًى مَسْتُونٌ وَالْجَهَنَّمَ خَلَقْنَاهُ مِنْ قَبْلٍ مِنْ نَارِ السَّمُومِ﴾

مندرجہ بالا یہی آیت میں الفاظ "من مارج" کے بارے میں ابن عباس، عکرمہ، مجہد، حسن (بصری) اور متعدد دیگر علمائے دین کہتے ہیں کہ اس سے مراد بھڑکتی ہوئی آگ ہے جب کہ ایک دوسری روایت میں اسے خالص آگ بتایا گیا ہے۔

ہم نے تخلیق ملائکہ اور ان کے اوصاف کے ضمن میں اس سے قبل زہری کے توسط اور عروہ اور حضرت عائشہ رض کے حوالے سے حدیث نبوی درج کی ہے جس میں آپ نے ارشاد فرمایا کہ "ملائکہ نور سے جنات آگ سے اور حضرت آدم صلی اللہ علیہ وسلم اس طرح پیدا کیے گئے جیسا کہ تمہیں پہلے بتایا جا چکا ہے"۔ یہ حدیث مسلم سے مروی ہے۔

اکثر علمائے تفسیر کا بیان ہے کہ جنات آدم صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے پیدا کیے گئے تھے جب کہ ان سے یعنی جنات سے قبل زمین پر حتون و بنون (شریر ارواح اور بلااؤں) نے ڈریا ذوال رکھا تھا۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے ان پر جنات کو مسلط کر دیا جنہوں نے ان حتون و بنون کو ختم کر دیا اور ان کی جگہ میں پر خودا پرستیاں بسائیں۔

السدی نے اپنی تفسیر میں ابی مالک، ابی صالح، مره، ابن مسعود اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوسرے صحابیوں کے حوالے سے لکھا ہے کہ جب اللہ تعالیٰ اپنے حسب منتظر تخلیق کائنات سے فارغ ہوئے اور عرش پر میزان قائم فرمائک تو ابلیس کو فرشتگان آسمان دنیا کا سربراہ بنا دیا۔ وہ ملائکہ کے اس قبیلے سے تھا جسے جن کہا جاتا تھا۔ ان کا نام جن اس لیے رکھا گیا تھا کہ وہ جنت کے خازن تھے اور ابلیس بھی دوسرے فرشتوں کے ساتھ ان میں شامل تھا لیکن اس کے دل میں اس (باطل) خیال نے جڑ پکڑی کر وہ جنت میں تمام فرشتوں کا سرگردہ بنادیا گیا ہے۔

ضحاک ابن عباس رض کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ جب جنات زمین پر فساد پھیلانے اور باہم قتل و غارت کرنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے کچھ دوسرے فرشتوں کی معیت میں ابلیس کو وہاں بھیجا اور ان سب نے ان مفسد اور زمین پر ہلاکت خیزیوں میں ملوث جنات کو سمندری جزیروں کی طرف مار بھگایا۔

محمد بن الحنفی خلاد عطا، طاؤس اور ابن عباس رض کے حوالے سے کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کی حکم عدوی اور یوں معصیت کے اس ارتکاب سے قبل ابلیس کا نام عز ازیل تھا۔ وہ اس وقت ان زمین پر رہنے والے فرشتوں میں جنہیں جن کہا جاتا تھا بخلاف اجتہاد

قوت اور علم ممتاز تھا۔

ابن ابی حاتم سعید بن جبیر کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ اس (ابليس) کا نام پہلے عز ازیل تھا اور وہ چار پردار بازو رکھنے والے فرشتوں میں اشرف کجھا جاتا تھا۔ ابن حاتم نے اپنی اس روایت کا مزید استناد جیاج، ابن جرتن کج اور ابن عباس سے کرتے ہوئے ابن عباس سے زبانی تباہی ہے کہ ابلیس اشرف الملائکہ اور اپنے قبیلے کی عظیم ترین شخصیت تھا۔ اسی لیے وہ فرشتوں کا خازن تھا اور آسمان اڈل کی سلطنت اس کے حوالے کی گئی تھی بلکہ زمین کی سلطنت بھی اس کے پرد تھی اور وہ ”سلطان الارض“ کہلاتا تھا۔

تو امہ کے غلام صالح ابن عباس کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ابلیس ہی ارض و سما کے مابین دوسروں کی بنیاد بنا۔ یہ اصلًا ابن جریر کی روایت ہے جب کہ قادہ سعید بن میتب کے حوالے سے کہتے ہیں کہ ابلیس پہلے آسمان دنیا میں رئیس الملائکہ تھا۔ حسن بصری فرماتے ہیں کہ ابلیس کے علاوہ فرشتوں میں کوئی ”ظرفۃ العین“ نہیں ہے کیونکہ وہ ”اصل الجن“ ہے جیسے حضرت آدم ﷺ اصل البشر ہیں۔

شہر ابن حوشب کہتے ہیں کہ فرشتے ابلیس سے دور دور رہتے اور اسے بھی اپنے آپ سے دور دور رکھتے تھے لیکن بعض فرشتوں ہی نے اسے کچھ ایسے اسرار بتا دیئے کہ وہ ان کی وجہ سے زمین سے آسمان پر چلا گیا۔ یہ بھی ابن جریر کی روایت ہے۔ ایسی متعدد روایات ملتی ہیں جن میں بتایا گیا ہے کہ تخلیق آدم سے قبل ابلیس سلطان الارض تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ نے آدم ﷺ کی تخلیق کا ارادہ فرمایا اور ان کو زمین پر اپنا غلیظہ بنانے کا ارادہ ظاہر فرمایا تاکہ ان کی اولاد زمین پر آباد ہو تو ابلیس نے جس کا نام پہلے عز ازیل تھا اللہ تعالیٰ کے سامنے اس خدشے کا اظہار کیا کہ آدم کے نائب السلطنت ہو جانے کے بعد وہ اور ان کی اولاد اسے اور اس کی ذریت کو ہلاک کر کے اس کی زمین پر تمام ملکیت چھین لے گی جب کہ وہ اللہ تعالیٰ کا سب سے زیادہ عبادت گزار ہے۔ اور اسے فرشتوں تک پروفیت حاصل ہے۔ تاہم جب اللہ تعالیٰ نے آدم ﷺ کا پتلابنا کر اس میں اپنی روح پھونک دی اور فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم ﷺ کو سمجھو کر اس تو عز ازیل صدر جسد میں بتا ہو گیا اور آدم کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا۔ چونکہ اس کی تخلیق آگ سے ہوئی تھی وہ اپنی اصل یعنی سرکش ہو گیا۔ لہذا اس وقت تک اس نے اللہ تعالیٰ کی جتنی عبادت کی تھی وہ اس کی حکم عدوی کی وجہ سے بے کار گئی اور وہ طوق لخت میں یہ کہہ کر میں آدم سے افضل ہوں کیونکہ اس کی تخلیق مٹی سے اور میری آگ سے ہوئی ہے گرفتار ہو گیا اور اس سے قبل اسے فرشتوں پر سے جو مشاہدہ تھی بلکہ ان پر جو مرتب حاصل تھی وہ آنا فنا مسلب کر لی گئی۔ ظاہر ہے کہ اس کی سب سے بڑی وجہ اس کا تکبر اور اپنے رب کی نافرمانی تھی نیز اس کی پیدائش چونکہ آگ سے ہوئی تھی اس لیے اس کی سرنشست میں سرکشی شامل تھی جیسا کہ اللہ تعالیٰ خود قرآن شریف میں ارشاد فرماتا ہے کہ جب اس نے فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ

”آدم ﷺ کو سجدہ کریں：“

﴿فَسَجَدَ الْمَلَائِكَةُ كُلُّهُمْ أَجْمَعُونَ إِلَّا إِبْلِيسَ إِسْتَكْبَرَ وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ﴾

و رائیک دوسرا جگہ ارشاد ہوا:

﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةِ اسْجُدُوا لِلنَّارِ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْلِيسَ كَانَ مِنَ الْجِنِّ فَفَسَقَ عَنْ أَمْرِ رَبِّهِ
أَفَتَحْسَدُونَهُ وَذُرْيَتَهُ أُولَيَاءُ مِنْ ذُو نِعْمَةٍ وَهُمْ لَكُمْ عَذَّوْ بُشَّرٌ لِلظَّالِمِينَ بَدْلًا﴾

ان آیات مقدس سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے عزازیل (شیطان) کو دوسرا ہے تمام فرشتوں سمیت حکم دیا کہ وہ آدم علیہ السلام کو بجہہ کریں۔ چنانچہ شیطان کے علاوہ جملہ ملائکہ نے آدم کو بجہہ کیا لیکن اس نے تکبر کیا اور آدم کو بجہہ سے انکار کیا اور اس طرح ارتکاب کفر کیا نہیں یہ کہ اس کے اس انکار کی وجہ اس کی آگ سے تخلیق اور قوم جنات سے ہوتا تھا۔ دوسری آیہ شریفہ میں اللہ تعالیٰ اہل ایمان سے دریافت فرماتے ہیں کہ آیادہ اسے (اللہ تعالیٰ کو) شیطان اور اس کی ذریت کی پیروی کریں گے؟ جب کہ وہ بنی آدم کی دشمنی ہیں سب سے آگ کے ہے اور یہ بھی فرمایا کہ ظالموں کا انعام برآ ہوتا ہے یعنی اگر بنی آدم شیطان کی پیروی کریں گے تو ان کا انعام بھی برآ ہوگا۔ (توضیح از مترجم)

انہی وجوہ کی بناء پر ابلیس یا شیطان کو جو پہلے عزازیل کہلاتا تھا۔ اور اسے ملائکہ میں بھی ایک امتیازی حیثیت حاصل تھی ملائے اعلیٰ سے پستی میں گرایا گیا، وہاں کی سکونت اس کے لیے دامنی طور پر حرام قرار دی گئی، زمین کو ہمیشہ کے لیے اس کا مستقر بنا یا گیا، اسے اور اس کی ذریت کے علاوہ خود اس کی قوم اور بنی آدم میں سے ان افراد کو جو اس کی اور اس کی ذریت کی پیروی کریں گے بطور سزا آتش دوزخ کا مستحق ٹھہرایا گیا جس سے انہیں خردبار بھی کر دیا گیا۔ البتہ وہ جن ہوں یا انسان ان میں سے جو بھی صرف اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کریں گے انہیں جزاۓ خیر کی بشارت دی گئی۔ جیسا کہ درج ذیل آیہ شریفہ سے واضح ہے۔ ارشاد ہوا:

﴿أَرَأَيْتَكَ هَذَا الَّذِي كَرَمْتُ عَلَيَّ لِئَنْ أَخْرَتْنِ إِلَى يَوْمِ الْقِيَامَةِ لَا حَتَّىٰ كَنَّ ذُرْيَتَهُ إِلَّا قَلِيلًا﴾

اور فرمایا:

﴿قَالَ اذْهَبْ فَمَنْ تَبْعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ جَزَاءُكُمْ جَزَاءً مَوْفُورًا وَاسْتَفْرَزْ مَنْ اسْتَطَعْتَ مِنْهُمْ
وَاجْلِبْ عَلَيْهِمْ بِخَيْلِكَ وَرِجْلِكَ وَشَارِكْهُمْ فِي الْأَمْوَالِ وَالْأَوْلَادِ وَعِنْهُمْ وَمَا يَعْدُهُمْ
الشَّيْطَانُ إِلَّا غُرُورًا ۝ إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَكَفَى بِرِبِّكَ وَكِيلًا﴾

اس قصے کا مزید تفصیلی ذکر ہم علیہ السلام کے ذکر کے موقع پر ان شاء اللہ عنقریب کریں گے۔ یہاں ہمارا مقصد صرف یہ واضح کرنا تھا کہ جنات کی تخلیق آگ سے ہوتی ہے اور وہ بھی بنی آدم کی طرح کھاتے پیتے ہیں اور ان کا سلسلہ تو الدو تناسل بھی انہی کی طرح چلتا ہے نیز کہ ان میں بھی مومن و کافر دونوں موجود ہیں۔ جیسا کہ سورہ جن کی درج ذیل آیات قرآنی سے ثابت ہے:

❶ چونکہ مؤلف نے حسب معمول ان آیات شریفہ کی وضاحت نہیں کی اس لیے یہاں ان کی وضاحت کروں گا حالانکہ آیات قرآنی کی تفسیر مترجم کا منصب نہیں۔ (شادانی)

① ﴿وَإِذْ صَرَفْنَا إِلَيْكَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ يَسْتَمِعُونَ الْقُرْآنَ فَلَمَّا حَضُرُوهُ قَالُوا أَنْصُرُوا فَلَمَّا قُضِيَ وَلَوْا إِلَى قُوْمِهِمْ مُنْذِرِينَ ○ قَالُوا يَا قَوْمَنَا إِنَّا سَمِعْنَا كِتَابًا أَنْزَلَ مِنْ بَعْدِ مُوسَى مُصَدَّقًا لِمَا بَيْنَ يَدَيْهِ يَهْدِي إِلَى الْحَقِّ وَإِلَى طَرِيقِ مُسْتَقِيمٍ يَا قَوْمَنَا أَجِبُوكُمْ دَاعِيَ اللَّهُ وَآمِنُوكُمْ بِهِ يَغْفِرُ لَكُمْ مَنْ ذَنَبْتُمْ وَيُجْزِيَكُمْ مَنْ عَذَابَ اللَّمَّ ○ وَمَنْ لَا يُحِبُّ دَاعِيَ اللَّهِ فَلَيْسَ بِمُعْجِزٍ فِي الْأَرْضِ وَلَيْسَ لَهُ مِنْ ذُوْنِهِ أُولَئِكَ فِي ضَلَالٍ مُّبِينٍ﴾

② ﴿فَلْأُوحِيَ إِلَيَّ أَنَّهُ أَسْتَمَعَ نَفَرًا مِنَ الْجِنِّ فَقَالُوا إِنَّا سَمِعْنَا فَرًّا آنَا عَجَبًا يَهْدِي إِلَى الرُّشْدِ فَأَمَّا بِهِ وَلَنْ نُشْرِكَ بِرِبِّنَا أَحَدًا ○ وَأَنَّهُ تَعَالَى جَدُّ رَبِّنَا مَا اتَّخَذَ صَاحِبَةً وَلَا وَلَدًا ○ وَأَنَّهُ كَانَ يَقُولُ سَفِهُنَا عَلَى اللَّهِ شَطَطْنَا ○ وَأَنَّا ظَنَّنَا أَنَّ لَنْ تَقُولَ الْأَنْسُ وَالْجِنُ عَلَى اللَّهِ كَذِبًا ○ وَأَنَّهُ كَانَ رِجَالٌ مِنَ الْأَنْسِ يَعْوِذُونَ بِرِجَالٍ مِنَ الْجِنِّ فَزَادُوهُمْ رَهْقًا ○ وَأَنَّهُمْ ظَنُّوا كَمَا ظَنَّنْتُمْ أَنَّ لَنْ يَعْلَمَ اللَّهُ أَحَدًا ○ وَأَنَّا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَا هَا مُلَاثَ حَرَسًا شَدِيدًا وَشَهْبًا ○ وَأَنَّا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلْسَّمَعِ فَمَنْ يَسْتَمِعُ إِلَيْنَا يَحْدُلُهُ شَهَابَارَصَدًا ○ وَأَنَّا لَا نَدْرِي أَشَرَّ أَرْبَدَ بِمَنْ فِي الْأَرْضِ أَمْ أَرَادَهُمْ رَبُّهُمْ رَشَدًا ○ وَأَنَّا مِنَ الصَّالِحُونَ وَمِنَ دُونَ ذَلِكَ كُلُّ طَرَائِقِ قِدَدًا ○ وَأَنَّا ظَنَّنَا أَنَّ لَنْ تُعْجِزَ اللَّهُ فِي الْأَرْضِ وَلَنْ تُعْجِزَهُ هَرَبًا ○ وَأَنَّا لَمَّا سَمِعْنَا الْهُدَى آمَّا بِهِ فَمَنْ يُؤْمِنُ بِرِبِّهِ فَلَا يَخَافُ بَخْسًا وَلَا رَهْقًا ○ وَأَنَّا مِنَ الْمُسْلِمُونَ وَمِنَ الْقَاسِطُونَ ○ فَمَنْ أَسْلَمَ فَأُولَئِكَ تَحْرُو رَشَدًا ○ وَأَمَّا الْقَاسِطُونَ فَكَانُوا لِجَهَنَّمَ حَطَبًا ○ وَأَنَّ لَوْا سَقَامُوا عَلَى الطَّرِيقَةِ لَا سُقِيَّنَا هُمْ مَاءَ غَدَقًا لِنَفْتَهُمْ فِيهِ ○ وَمَنْ يُعْرِضُ عَنْ ذِكْرِ رَبِّهِ يَسْلُكُهُ عَذَابًا صَعِدًا﴾

ہم نے اس سورت کی تفسیر اور جنات کا یہ تمام قصہ سورہ الحقاف کی تفسیر کے آخر میں پیش کیا ہے۔ اور اس سلسلے کی جملہ متعلقہ حدیث بھی وہیں پیش کی ہیں۔ ویسے نصیحتیں اور بصرے کے بعض جنات کا ذکر کچھ کتابوں میں بھی پایا جاتا ہے کہ وہ کسے میں آنحضرت ﷺ کے ہمراہ کچھ دور چلے پھر جہاں آپ نے ایک درخت کے نیچے اپنے اصحاب کے ساتھ نماز ادا کی تو وہ دہاں ٹھہر کر آپ کی زبان مبارک سے قرآن کی تلاوت شنتے رہے۔ اس کے علاوہ کچھ کتابوں میں یہ ذکر بھی کیا گیا ہے کہ ایک بار خود آنحضرت ﷺ کی ان کی ایک جماعت سے ملاقات ہوئی جس کے دوران میں انہوں نے آپ سے قرآن کی رو سے بعض اور امر و واقعی کے بارے میں سوالات کیے اور آپ نے ان کے جوابات انہیں دیئے نیز یہ کہ آپ نے انہیں ہڈیوں اور جانوروں کے پارے میں جولید پائی جاتی ہے اس سے استحقا کرنے سے منع فرمایا کیونکہ ہڈیوں پر خدا کا نام لکھا ہوتا ہے جن پر کچھ نہ کچھ گوشت بھی ہوتا ہے اور چارہ جانور کھاتے ہیں۔ وہ ان کے جن بھائیوں کی خوارک بھی ہوتے ہیں۔ آپ نے انہیں سوراخ میں پیش اب کرنے سے بھی منع فرمایا کیونکہ اس میں (اکثر) ان کے جن بھائیوں کی رہائش ہوتی ہے۔ آپ نے انہیں سورہ رحمٰن بھی سنائی جس میں بار ﴿فَبِأَيِّ الَّاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ آتا ہے۔ اسے سن کر انہوں نے کہا الحمد للہ خدا کی نشانیوں میں سے کوئی ایسی چیز نہیں جس کی وہ تکذیب کرتے ہوں لیکن یہی سورت جب آپ نے انسانوں کی ایک جماعت کو سنائی اور اس میں بار بار وہی آپ یہ شریف یعنی ﴿فَبِأَيِّ الَّاءِ رَبِّكُمَا تُكَذِّبَانِ﴾ آیا تو اسے سن کرو وہ لوگ خاموش رہے۔ یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا کہ ”تم سے جن ہی بہتر ہیں جنہوں نے

اس کلام خداوندی کی نہ صرف یہ کہ تردید نہیں کی بلکہ انہوں نے یہ کہا کہ الحمد لله اللہ تعالیٰ کی کوئی ایسی نشانی نہیں جس کی وہ مکنند یہ بکرتے ہوں،^۱ اس حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔

چونکہ جنات کے ایمان لانے کا کوئی حقیقی ثبوت موجود نہیں ہے اس لیے اس بارے میں علمائے دین میں باہم اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا وہ جنت میں جائیں گے یا محض اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول ﷺ کی اطاعت کی وجہ سے آتش دوزخ کے عذاب سے نجات پائیں گے۔

بہرہ کیف اس بارے میں صحیح اقوال یہ ہیں کہ بر بناء فیض قرآنی اور اللہ تعالیٰ جل شانہ کے اس عمومی ارشاد کے مطابق کہ ﴿وَلِمَنْ خَافَ مَقَامَ رَبِّهِ جَنَّتَانِ﴾ یعنی اپنے رب کے مقام حاکیت کو سمجھنے اور اس سے ڈرنے والے سب کے سب جنت میں جائیں گے ایسے جنات کا بھی جنت میں جانا تيقینی ہے۔ واللہ اعلم

بخاریؒ فرماتے ہیں کہ ان سے قتبہ نے مالک، عبد الرحمن بن عبد الرحمن بن ابی صعصعہ اور ان کے والد کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ابی سعید الخدیری سے فرمایا کہ آپؐ نے انہیں جنگل میں بکر یوں کی گلہ بانی کرتے ملاحظہ فرمایا ہے تاہم اگر انہوں (ابی سعید) نے وہاں جن و انس میں سے کسی موذن کی آواز ادا ان سے بغیر خود ہی آواز بلند ادا ان دے کر بروقت نماز ادا کر لی ہو تو روز قیامت ان کی وہی ادا ان و نمازان کے اعمال کی گواہ بن جائیں گی۔ مسلم کے علاوہ اس حدیث نبوی (ﷺ) کو بخاری نے منفرد کر کے روایت کیا ہے۔

اگرچہ کافر اور وہ جنات (شیاطین) جن کا جدا علی الہیں ہے آدم ﷺ اور ان کی اولاد کے ازملی دشمن ہیں اور بنی آدم کو راہِ حق سے بھٹکانے اور وغلانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑتے نہ قیامت تک چھوڑیں گے لیکن اللہ تعالیٰ کے نزدیک ان جنات کا جو اس پر ایمان لائے اور رسول اللہ ﷺ کی اطاعت پر کمرستہ رہے صرف یہی عمل ان کی مغفرت کے لیے کافی ہے۔ ہم نے یہ بات اللہ تعالیٰ کے درج ذیل ارشادات کی روشنی میں کہی ہے:

① ﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَانٌ وَّ كَفَى بِرَبِّكَ وَكِيلًا﴾

(اس آیہ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے شیطان کو مخاطب کر کے ان اہل ایمان کا ذکر فرمایا ہے جو اس (شیطان) کے دائرہ اختیار سے باہر رہ کر صرف اپنے رب کی حمایت و کالت کو کافی سمجھتے ہیں)۔^۲

② ﴿وَلَقَدْ صَدَقَ عَلَيْهِمْ أَنَّ لِيْسَ اللَّهُ فَاتَّبَعُوهُ إِلَّا فَرِيقًا مِّنَ الْمُؤْمِنِينَ ۝ وَمَا كَانَ لَهُ عَلَيْهِمْ مِّنْ سُلْطَانٍ إِلَّا لِنَعْلَمْ مَنْ يُؤْمِنُ بِالْآخِرَةِ مِمَّنْ هُوَ مِنْهَا فِي شَكٍّ وَرَبُّكَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ حَفِظٌ﴾

(اس آیہ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک نبی کریم ﷺ کی تسلی و تشقی کے لیے ارشاد فرمایا کہ آپؐ کی امت میں کچھ ہی لوگ الہیں کے فریب میں آ سکتے ہیں لیکن حقیقتاً اہل ایمان پر اسے تسلط حاصل نہیں ہو سکتا، اللہ تعالیٰ شکی لوگوں اور ان لوگوں کو جو

۱ اس آیہ شریفہ کی ترجمہ (.....) میں تو شکی عبارت مترجم کی ہے۔ (شادانی)

آخرت پر ایمان رکھتے ہیں اچھی طرح جانتا ہے اور وہی ہر شے کا حفظ مطلق ہے)۔^۰

ان آیاتِ قرآنی سے قبل ہم ان آیات میں سے کچھ آیات پیش کر چکے ہیں جن میں اللہ تعالیٰ کے فرشتوں کو یہ حکم دینے کے وہ آدم علیہ السلام کو بجہہ کریں اور ان کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تکمیل یعنی شیطان کی طرف سے آدم کو بجہہ کرنے سے انکا ذریعہ اس کی سُلْطَنی و نافرمانی، جنات کی آگ سے تخلیق، ان کی زمین پر آبادیاں لیکن ان کی مفسدہ پردازی کی وجہ سے فرشتوں کے ذریعہ ان کی سُلْطَنی سے بے فعلی اور سمندری جزائر میں ان کی آبادی وغیرہ کا ذکر پہلے آپ کا ہے۔ آگے چل کر ہم آدم علیہ السلام کی تخلیق کے ضمن میں شیطان اور اس کی فتنہ پردازی کے تفصیلی واقعات پیش کریں گے اور آیاتِ قرآنی اور احادیث سے ان کے حوالے بھی پیش کریں گے، ان شاء اللہ تعالیٰ و هو المستعان و لله الحمد.

ویسے نص قرآنی کے مطابق ابلیس کی شیطانی کا رگزاریاں ہنوز جاری ہیں اور تایامعت جاری رہیں گی۔ اللہ تعالیٰ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ ﴿إِنَّ كَيْدَ الشَّيْطَانَ كَانَ ضَعِيفًا﴾ و کان اسمہ قبل معصیۃ العظیمة عزازیل اور نقاش نے اس کی کنیت ابو بکر دوس بتائی ہے اور اس کے علاوہ ایک روایت یہ ہے کہ ایک دفعہ آنحضرت علیہ السلام نے صیاد سے دریافت کیا کہ آیا انہوں نے کبھی شیطان کو دیکھا؟ تو انہوں نے عرض کیا کہ ”بھی ہاں، اس کا عرش سمندر پر ہے“، صیاد سے یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ ”اس کے بارے میں تمہارا اندازہ حد سے زیادہ ہے حالانکہ اس کی قدر و قیمت زیادہ دنی، خسیں اور حقرت ہے۔“

اس روایت کے بارے میں کہ ابلیس کا عرش (اس کی مستقل سکونت) سمندر پر ہے امام احمدؓ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے ارشاد فرمایا کہ

عرش ابلیس فی البحر بیعث سرایاہ فی کل یوم یفتون النّاس فاعظمهم عنده منزلة اعظمهم
فتنة للناس.

(یعنی ابلیس کی مستقل سکونت سمندر میں ہے لیکن وہ انسانوں کو فریب دینے اور ان میں فتنے پھیلانے کے لیے دہاں سے تمام روئے زمین پر گھوستار ہتا ہے اس لیے خود اس کے نزدیک اس کی مستقل اور عظیم ترین منزل انسانوں میں فتنہ پردازی ہے)۔

امام احمدؓ یہ بھی بیان فرماتے ہیں کہ ان سے روح اور ابن جرج نے بیان کیا اور ابوالزبیر نے بھی انہیں بتایا کہ جابر بن عبد اللہ نے آنحضرت علیہ السلام کو فرماتے سنا کہ ”ابلیس کی مستقل قیام کا ہ سمندر میں ہے لیکن وہ (شب و روز) انسانی برادری میں چکر لگا کر ہتا ہے اور ان میں فتنے پھیلانے کو اپنی واحد اور عظیم ترین منزل سمجھتا ہے“۔ یہی وجہ ہے کہ امام احمدؓ نے اس سلسلے میں اس حدیث کی روایت کو منفرد حیثیت دی ہے اس حدیث کو جابرؓ نے اپنی مند میں بیان کیا ہے۔ (مؤلف)

امام احمدؓ سے یہ بھی روایت ہے کہ ان سے مولیٰ حماد اور علی بن زید نے جابر بن عبد اللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت علیہ السلام نے این صائد سے فرمایا کہ انہیں ابلیس کے بارے میں کچھ معلوم ہے تو انہوں نے عرض کیا کہ اس کا عرش یعنی اس

^۰ اس آپ شریفہ کی توصیہ (.....) میں توضیحی عبارت مترجم کی ہے۔ (شادانی)

کی قیام گاہ سمندر میں ہے۔ اس پر آپ نے فرمایا کہ تم نے حق کہا، اس کی مستقل قیام گاہ سمندر میں ہے۔
ہم نے ابلیس کی طرف سے بنی آدم میں تفرقہ پر دازی کا ذکر آیہ قرآنی: ﴿مَا يَفْرُّقُونَ بِهِ بَيْنَ الْمَرْءَ وَ زَوْجِهِ﴾ کی تفسیر
کے ضمن میں تفصیل سے کیا ہے (مؤلف) نیز سورہ والناس بھی اس سلطے کی ایک کڑی ہے۔ (مؤلف)
صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں انس سے اور صحیح بخاری میں صفیہ بنت حسین سے روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے
فرمایا کہ شیطان بنی آدم سے خون کی روانی سلب کر لیتا ہے۔

حافظ ابو یعلیٰ موصیٰ بیان کرتے ہیں کہ ان سے محمد بن جبیر عدی بن ابی عمارہ اور زید انہیری نے انس کے حوالے سے کہا کہ
آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ شیطان کا ہدف ابن آدم ﷺ کا دل ہے۔ اور اگر اس کے دل میں نیان کا عارضہ جڑ پکڑ لے تو اسی کو
”وسواس الخناس“ سمجھنا چاہیے۔ اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا ذکر شیطان کے پیدا کردہ ان وسوسوں کا علاج ہے اس لیے اللہ تعالیٰ نے
ارشاد فرمایا کہ ”وَاذْكُرْ رَبَكَ اذْنِسِتَ“۔

صاحب موسیٰ کے بقول ان کے قلب میں شیطان کا سب سے بڑا نیان پیدا کرنا یہ کہ وہ ان کے دل سے خدا کی یاد بھلا
دے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے ان کا تذکرہ فرماتے ہوئے فرمایا: ”فَإِنَّهُمْ أَنَّهُمْ شَيْطَانُونَ“ اور یہی وسوسہ یعنی نیان کا عارضہ
شیطان نے حضرت یوسف ﷺ کے دل میں ڈالنے کی متواتر کوشش کی جس کی وجہ سے انہیں قید خانے میں دو سال گزارنے پڑے
جس کے بعد انہوں نے کہا: ”وَقَالَ الرَّجُلُ نَجَا مِنْهُمَا وَادْكُرْ بَعْدَ أُمَّةً“ (یعنی بعد مدت) جس کے بعد انہوں نے اسے نیان
کے نام سے یاد کیا (یعنی ساقی) جب نیان پیدا کرنے والے کو ساقی کہتے ہیں تو ہمارا مطلب یہی ہوتا ہے اور دونوں اقوال کے
مطابق یہی صحیح ہے جس کا ذکر ہم نے اپنی تفسیر میں کیا ہے۔ وَاللَّهُ أَعْلَم

امام احمدؓ فرماتے ہیں کہ ان سے محمد بن جعفر اور شعبہ نے عاصم کے حوالے سے بیان کیا کہ عاصم نے ابو تمیہ کو رسول اللہ
ﷺ کے ردیف (پس پشت سوار) کے حوالے سے کہتے ہوئے تاکہ آپؐ کے اس ردیف کی زبان پر کسی روز اپنے گھوڑے کے
بارے ”نَفْسُ الشَّيْطَانِ“ آیا تو آپؐ نے اسے ٹوک کر فرمایا کہ یہ کہنے سے تو اس کی سرکشی اور بڑھنے گی، اس لیے تم اس کی لگام
قوت سے کھینچ کر پہلے اسے رد کو پھر بسم اللہ کہہ کر اسے آگے بڑھاؤ۔ ابو تمیہ نے آنحضرت ﷺ کے اس ردیف کو اس کے بعد یہ
کہتے تاکہ ”جب میں نے آپؐ کے حکم کی تعلیل کی تو میرا گھوڑا اپنی تیز رفتاری بھول کر حسب معمول بڑی دھیمی رفتار سے چلنے لگا۔“
یہ روایت امام احمدؓ نے منفرد کر کے پیش کی ہے جس کی اسناد بڑی جید اور قوی ہیں۔ (مؤلف)

امام احمدؓ سے بحوالہ ابو بکر الحنفی، ضحاک بن عثمان، سعید المقری اور ابو ہریرہؓ ایک اور روایت یہ ہے کہ ابو ہریرہؓ کے بقول
آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”جب تم میں سے کسی کو مسجد میں شیطان کی موجودگی محسوس ہو تو وہ اسے اللہ کا نام لے کر اس طرح
روکے جیسے کسی سرکش گھوڑے کو اس کی لگام کھینچ کر روکا جاتا ہے۔“ اس کے بعد ابو ہریرہؓ نے مزید کہا کہ ”تم اسے (شیطان کو) مسجد
میں اکثر دیکھو گے لیکن تم میں سے ہر شخص کی زبان پر ”الا اللہ“ نہیں ہوگا، جیسے مسجد کی زبان پر مسجد میں بھی اللہ تعالیٰ عز وجل کا ذکر نہیں
تھا۔“ امام احمدؓ نے اس روایت کو بطور روایت منفرد پیش کیا ہے۔

امام احمدؓ کی ابن نسیر اور ثوریعنی ابن زید کی زبانی اور مکحول اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بیان کردہ ایک اور روایت یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے "العین حق" فرمائے فرمایا کہ "شیطان کو یہ بات مستحضر تھی لیکن اس کے باوجود اس نے آدم (علیہ السلام) سے حد کیا۔"

امام احمدؓ شیطان کے بارے میں ایک اور روایت وکیج کی زبانی اور سفیان، منصور، ذر بن عبد اللہ ہمدانی، عبد اللہ بن شداد اور ابن عباسؓ کے حوالے سے پیش کرتے ہوئے ابی عباسؓ کا یہ بیان نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں ایک شخص نے حاضر ہو کر آپ سے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ ﷺ" میں نے ایک (عجیب) شے کو آسان کی طرف اترتے اور اپنی طرف مائل ہوتے دیکھا تو میرے دل میں یہ خواہش پیدا ہوئی کہ اس سے گفتگو کروں لیکن میں نے فوراً ہی اپنے نفس کو اس خواہش پر تنبیہ کی۔ ظاہر ہے کہ اس شخص کا مقصد آنحضرت ﷺ سے اس چیز کے بارے میں دریافت کرنا تھا لیکن آپ نے اسے صرف یہ جواب دیا کہ "اللہ اکبر" خدا کا شکر ہے کہ اس نے (تمہارے ایمان کی چیخگی کے ذریعہ) اس دسوے کے گکر لورڈ فرم دیا۔ اس روایت کو ابوداؤد اورنسائی نے حدیث منصور کے طور پر پیش کیا ہے جب کہ نسائی اور اعمش دونوں نے اس میں ابی ذر کے حوالے کا اضافہ کیا ہے۔

بخاریؓ فرماتے ہیں کہ ان سے یحییٰ بن کبیر اور لیث نے عقیل اور ابن شہاب کے حوالے سے بیان کیا اور انہیں بتایا کہ ابن شہاب سے عروہ نے اور عروہ سے ابو ہریرہؓ نے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب تم میں سے کسی کے پاس شیطان آتا ہے تو پہلے یہ کہتا ہے کہ یہ چیز کس نے پیدا کی؟ وہ چیز کس نے پیدا کی؟ اور آخر میں پوچھتا ہے کہ تمہارے رب کو کس نے پیدا کیا؟ لہذا جب وہ یہ سوال کرے تو تم اللہ تعالیٰ کا ذکر کر کے اسے بھاگا دیا کرو۔

ایسی ہی ایک روایت مسلمؓ نے حدیث لیث اور حدیث زہری نیز حدیث ہشام اور حدیث بن عروہ کے طور پر پیش کی ہے جب کہ آخر الذکر دونوں نے اسے عروہ کے حوالے سے بیان کیا ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں کہ جب تمہارے پاس شیاطین آئیں تو ان کے قرب سے اپنے رب کی پناہ مانگا کرو۔ اس کے علاوہ ایک اور جگہ فرمایا کہ جب شیطان کی طرف سے کوئی ممتاز بات تمہیں الجھن میں ڈالے تو تم اللہ کی پناہ طلب کیا کرو کہ وہ سمیع و علیم ہے نیز ایک اور جگہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی جب قرآن پڑھ تو اس سے قبل اعوذ بالله من الشیطان الرجیم کہا کرے کیونکہ اہل ایمان پر شیطان کو کوئی اختیار حاصل نہیں ہے اس لیے کہ وہ اپنے رب پر بھروسہ رکھتے ہیں بلکہ اسے (صرف) ان لوگوں پر اختیار ہے جو اس کی پیروی کرتے اور شراکت باللہ میں اس کا ساتھ دیتے ہیں۔

امام احمدؓ نے نیز دیگر اہل سنت نے المتكل کی زبانی اور ابی سعیدؓ کے حوالے سے یہ حدیث نبوی (علیہ السلام) بیان کی کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ "میں شیطان مردود کے دسوے" اس کے تکبر اور اس کی شیخیوں یا جادوگری سے اللہ تعالیٰ سمیع و علیم کی پناہ کا طالب ہوں۔

ایسی ہی ایک حدیث جبیر بن مطعم، عبد اللہ بن مسعود اور ابی اسامہ بالہی نے بھی روایت کی ہے۔

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں انس کے حوالے سے درج ہے کہ آنحضرت ﷺ جب بھی بیت الحلاء میں تشریف لے جاتے تو اس سے قبل "اعوذ بالله من الخبث والخباث" (ضرور) فرمایا کرتے تھے۔ انس سے یہ بھی روایت ہے کہ اکثر علماء شیاطین کے ذکر و اناش سب کے مکروہ فریب سے اللہ تعالیٰ کی پناہ طلب کیا کرتے تھے۔

امام احمد نے شریح عیینی بن یونس، ثور حسین، حضرت عمر بن عوف کے صحابی ابن سعد اخیر اور ابو ہریرہ خدیعہ کے حوالے سے یہ حدیث نبوی (علیہ السلام) روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ جب کوئی بیت اللہ جائے تو (اپنی نگاہوں کی) پر دہ داری کرے کیونکہ اس کے پیش سے اس وقت جو کچھ خارج ہوتا ہے وہ غلاظت و کثافت کے سوا اور کیا ہو سکتا ہے۔ اس کے علاوہ شیطان اس وقت بنی آدم کے مقاعد سے کھلیتا ہے اس لیے وہ شخص اس پر دہ داری سے شیطان کے نقصان پہنچانے سے محفوظ رہے گا (ترجمہ لفظی و مفہومی) اس حدیث کو ابو داؤد اور ابن ماجہ نے ثور بن یزید کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

بخاریؓ فرماتے ہیں کہ ان سے عثمان بن ابی شيبة اور جریر نے اعمش اور عدی بن ثابت کے حوالے سے بیان کیا کہ آخراً الذکر دونوں کو سلیمان بن صرد نے بتایا کہ "(ایک روز) جب ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے تو وہاں دو آدمی اس حالت میں آئے کہ وہ ایک دوسرے کو نہ صرف برا بھلا کہہ رہے بلکہ غصے میں گالیاں بھی دے رہے تھے یہ دیکھ کر آپ نے فرمایا: "میں ایک ایسا کلمہ جانتا ہوں جو انہیں اس غرض و غضب سے نجات دل سکتا ہے۔" اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ انہیں (اپنی اپنی جگہ) اعوذ بالله من الشیطان الرجیم کہنا چاہیے۔ آنحضرت ﷺ کی زبان مبارک سے یہ سن کر حاضرین نے ان دونوں میں سے ایک شخص سے پوچھا: جو کچھ رسول اللہ (علیہ السلام) نے ارشاد فرمایا کیا تو نے وہ سنایا؟ اس سوال کے جواب میں وہ بولا: "کیا میں دیوانہ ہوں؟" (یعنی آپ کا ارشاد اس نے سن لیا اور اسے بخوبی سمجھ گیا ہے) مسلم ابو داؤد اور نسائی نے بھی اس حدیث کو اعمش کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

امام احمدؓ اپنی مندرجہ فرماتے ہیں کہ ان سے محمد بن عبید اللہ بن عمر نے نافع اور ابن عمر کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ تم میں سے کوئی ایسا شخص نہیں ہے کہ وہ اپنی شماں جانب سے کچھ کھائے یا پیے اور اسی طرف سے شیطان اس کے اس اکل و شرب میں شریک نہ ہوتا ہو۔

یہ روایت صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں موجود ہے لیکن صحیح بخاری میں اس حدیث کے ضمن میں مندرجہ بالا اسناد کے علاوہ کئی ذیگر مستند حوالے بھی دیے گئے ہیں جن کی بنیاد پر یہ حدیث صحیح ترین ٹھہر تی ہے۔

اس قبیل کی ایک اور حدیث امام احمدؓ نے اسماعیل بن ابی حکیم، عروہ اور ام المؤمنین حضرت عائشہؓ کے حوالے سے پیش کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اپنی شماں جانب سے کچھ پیتا ہے تو شیطان بھی (اس کے ساتھ) اسی جانب سے پیتا ہے۔

امام احمدؓ بھی فرماتے ہیں کہ ان سے محمد بن جعفر نے بیان کیا اور انہیں شعبہ نے بھی ابی زیاد الطحان کے حوالے سے بتایا کہ ابی زیاد نے ابو ہریرہ خدیعہ کی زبانی سنا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ (ایک روز) آپ نے ایک ایسے شخص کو دیکھا جو کھڑے ہو

کر کچھ پی رہا تھا۔ یہ دیکھ کر آپ نے اس شخص سے فرمایا کہ آیا وہ یہ پسند کرے گا کہ اس کے اس (طرح) پینے میں کراہت شامل ہو جائے؟ وہ بولا: ”ہرگز نہیں“ اس کا یہ جواب سن کر آپ نے فرمایا کہ تمہارے اس طرح پینے سے تمہاری اس پینے والی چیز میں شیطانی کراہت شامل ہو جاتی ہے اور شیطان کا شر بھی۔ اس حدیث میں جو کچھ آنحضرت ﷺ کے الفاظ میں بیان کیا ہے اس کی وجہ سے امام احمدؓ نے اسے بطور خاص اور منفرد کر کے بیان کیا ہے۔

امام احمدؓ سے بحوالہ عبدالرزاق، معمّر، ایک دوسرے راوی اور ابو ہریرہؓ کی زبانی روایت ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”جو شخص کھڑے ہو کر کچھ پی رہا ہے اگر اسے یہ معلوم ہو کہ اس کے پیٹ میں کیا جا رہا ہے تو وہ فوراً الٹی کر دے۔“ امام احمدؓ نے چند دوسرے حوالوں سے بھی یہ حدیث روایت کی ہے۔

امام احمدؓ فرماتے ہیں کہ ان سے موئی اور ابن لبیع نے زیر کے حوالے سے بیان کیا کہ زیر نے جابر سے کہا کہ ”میں نے سنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب کوئی شخص اپنے مکان میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت اللہ کا نام لیتا ہے تو شیطان اس کے مکان سے یہ کہہ کر نکل جاتا ہے کہ اس گھر میں میرا دن میں یا رات میں قیام نامکن ہے لیکن جب وہ شخص اپنے گھر میں داخل ہوتے وقت اور کھانا کھاتے وقت بسم اللہ نہیں کہتا تو شیطان کہتا ہے کہ ”میں ان اہل خانہ کو سمجھ گیا ہوں اس لیے میرا یہاں دن اور رات دونوں وقت قیام آسان ہے۔“ زیر کے اس سوال پر کہ آیا یہ حدیث صحیح ہے تو جابرؓ نے جواب دیا: بالکل صحیح یعنی آنحضرت ﷺ نے یہی فرمایا تھا۔

بخاریؓ فرماتے ہیں کہ ان سے عبد اللہ بن مسلمہ نے مالک، عبد اللہ بن دینار اور ابن عمرؓؑ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آنفتاب کے طلوع و غروب کے وقت نماز نہ پڑھا کرو کیونکہ یہ اوقات شیطان یا اوقات شیاطین ہوتے ہیں۔

بخاریؓ نے انہی حوالوں سے یہ حدیث بھی بیان کی ہے کہ جب کبھی آنحضرت ﷺ مشرق کی طرف رُخ فرماسکرا یادا دھوتے تو فرماتے: ”افسوس: فتنہ اس طرف سے آئے گا اور وہ صدی بھی شیطانی صدی ہوگی۔“

”سنن“ میں لکھا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے اپنے صحابہؓؑ کو دھوپ اور سائے کی درمیانی جگہ میں بیٹھنے سے یہ فرمایا کہ منع فرمایا ہے کہ ایسی ہجھوں پر شیطان کی مجلس ہوتی ہے۔

چونکہ عام لوگ شیطانی برائیوں اور ملائکہ کے حسن اخلاق میں امتیاز نہیں کر سکتے اس لیے وہ طلوع آنفتاب پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں، اسی لیے اللہ تعالیٰ نے طلوع آنفتاب کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: ﴿ طَلَعَهَا كَانَةٌ رَوْسُ الشَّيَاطِينِ ﴾

چونکہ طلوع آنفتاب کے بعد جس طرح روئے زمین پر ہر طرف آثار حیات نظر آنے لگتے ہیں اور تمام انسانی برادری عومنا مصروف کارہو جاتی ہے بالکل اس طرح شیطان اور اس کی ذریت کی البد فربی میں اضافہ ہو جاتا ہے بلکہ ایک زمانے میں تو طلوع آنفتاب کی چیک دمک دیکھ کر انسانوں کی معدہ بے تعداد آنفتاب پرستی میں بتلا ہو گئی تھی اور اس کو اپنا بھگوان یا معبود سمجھنے لگے تھے جس کی وجہ سے ان کے دلوں میں شیطان کے پیدا کردہ دسوے تھے جیسا کہ یوسف ﷺ کے خوبصورت اور آنفتاب کی طرح روشن چہرے سے نقاب اٹھتے ہی زینخا کے پاس بیٹھی ہوئی عورتیں پکارا تھی تھیں کہ: ﴿ حَاشَ لِلَّهِ مَا هَذَا بَشَرًا إِنْ هَذَا إِلَّا مَلَكٌ ﴾

کَرِيمٌ ﴿۷﴾ (سورة یوسف)

اسی لیے اللہ تعالیٰ نے حسن یوسف کو تائش آفتاب سے مماثل قرار دیتے ہوئے زیخ کی ساتھی عورتوں کے نڈکورہ بالا فریب بس بیٹا ہونے کو دوسرا شیطانی فرمایا بلکہ نو دللوں آفتاب کے بارے میں انسان کے دھوکہ کھا جانے کی وجہ سے طلعہا کا نہ رؤس الشیاطین فرمایا۔

بخاریؓ متعدد شفہ و مستند راویوں کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب شام ہونے لگے یا آفتاب غروب ہو جائے تو اپنے بچوں کو گھر میں بلا لیا کرو کیونکہ اس وقت شیاطین ادھر ادھر پھیل جاتے ہیں اور جب رات کی ایک گھنٹی گزر جائے تو اپنے مکان کا دروازہ بند کر کے اپنے بچوں کو سلا دیا کرو اور ان کی نگرانی کیا کرو نیز چنان بجادا یا کرو البته اگر اس وقت کچھ گھر میلو کام مثلاً برتوں میں پانی بھرنا یا آٹے میں خمیر ملانا وغیرہ رہ جائے تو اسے بلا ناغ اللہ کا نام لے کر شروع کیا کرو کیونکہ اللہ کا نام لینے سے شیاطین تھمارے کسی کام سے تعارض کر سکتے ہیں نہ اس میں خلل ڈال سکتے ہیں۔ (ترجمہ لفظی و مفہومی)
اماں احمد رحمۃ اللہ علیہ اور ابن حجر العسقلانیؓ کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ شیطان بند دروازے نہیں کھول سکتا۔

بخاریؓ فرماتے ہیں کہ ان سے آدم اور شعبہؑ نے منصور، سالم بن ابی الجعد، کریب اور ابن عباسؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ اگر تم میں سے کوئی اپنے اہل و عیال کے پاس جانے کا ارادہ کرے تو کہہ کے یا اللہ مجھے اور میرے اہل خانہ کو شیطان سے بچا اور اسے بھی جو تو نے بطور رزق ہمیں عطا فرمایا ہے شیطان سے بچا تو اگر ان میاں یوں کا کوئی بچہ ہو گا تو اسے شیطان کبھی کوئی نقصان نہیں پہنچا سکے گا اور اس بچے پر مسلط بھی نہ ہو سکے گا۔

بخاری رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ ان سے اعمشؓ نے بھی سالم، کریب اور ابن عباسؓ کے حوالے سے ایسی ہی ایک حدیث بیان کی۔

بخاریؓ ہی نے اس حدیث کو اسماعیل، هام، منصور، سالم، کریب اور ابن عباسؓ کے حوالے سے ان الفاظ میں بھی روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب کوئی شخص اپنے اہل خانہ کے پاس آئے اور بسم اللہ کہہ کر یہ کہہ کے یا اللہ ہمیں شیطان سے بچا اور جو رزق تو نے ہمیں عطا فرمایا ہے اسے بھی شیطان سے بچا تو اگر اللہ تعالیٰ نے اسے کوئی بیٹا دیا ہو گا تو شیطان اسے بھی کبھی کوئی نقصان نہ پہنچا سکے گا۔

بخاریؓ فرماتے ہیں کہ ان سے اسماعیل اور ان کے اپنے بھائی نے سلیمان، مجینؓ بن سعید، سعید بن میتبؓ اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب شیطان تم میں سے کسی کے سر پر آتا ہے تو اس پر تین گریں لگاؤ دیتا ہے اور ہر گرہ پر اپنا ٹھکانہ بنالیتا ہے اور اس کی وہ تینوں گریں تمام رات اپنی جگہ قائم رہتی ہیں لیکن اگر وہ شخص رات ہی کو کسی وقت اللہ کا نام لے کر اس کا (اللہ تعالیٰ کا) ذکر کرنے لگے تو پھر اس کے سر یا جسم سے شیطان کی لگائی ہوئی پہلی گرہ کھل جائے گی اور اگر

وہ شخص وضو کرے تو اس کے جسم سے شیطان کی لگائی ہوئی دوسرا گردھ کھل جائے گی اور اگر وہ شخص وضو کرے نماز پڑھنے لگے تو شیطان کی لگائی ہوئی دوسرا گردھ کھل جائے گی اور وہ صحیح کوتروتازہ ہو کر اٹھنے گا لیکن اگر کوئی شخص یہ تینوں باتیں نہ کرے تو شیطان کی لگائی ہوئی وہ تینوں گرہیں اپنی اپنی جگہ بدستور قائم رہیں گی اور وہ شخص صحیح کو جب اٹھنے گا تو اپنے سارے جسم میں اضھال اور کسلمندی محسوس کرے گا۔

مسلم نے اس حدیث کو بشر بن حکم اور دردادی کے حوالے سے روایت کیا ہے جب کہ نسائی نے اسے محمد بن زنبور اور عبد العزیز بن حازم کے حوالے سے روایت کیا ہے تاہم آخر الدّکران دونوں نے اس میں یزید بن ہادی کا حوالہ دیا ہے۔

بخاریؓ نے اسی قبل کی ایک اور حدیث عثمان بن ابی شیبہ کی زبانی اور جریر، منصور، ابی واہل اور عبد اللہ کے حوالے سے روایت کی ہے جس میں ایک ایسے شخص کا ذکر آیا ہے جس کے دونوں کانوں یا ایک کان میں شیطان نے رات بھڑیرا ڈالے رکھا اور جب وہ شخص صحیح کو بیدار ہوا تو اسے وہاں اس کی موجودگی محسوس ہوئی۔

امام احمدؓ متعدد دیگر راویوں کے علاوہ انس بن شیخون کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ نماز باجماعت میں صافیں سیدھی رکھا کرو اور دوسرے نمازوں کے ساتھ مل کر کھڑے ہوا کرو کیونکہ دو نمازوں کے درمیان اگر ذرا بھی خالی چکرہ جاتی ہے تو شیطان اس جگہ کھڑا ہو جاتا ہے۔

امام احمدؓ ایک دوسری حدیث قادة اور انس بن مالک کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”نماز (باجماعت) میں صافیں سیدھی رکھا کرو اور باہمی مل کر کھڑے ہوا کرو اپنی اپنی گردنوں کی طرف سے بھی ہوشیار رہا کرو جس کے قبضہ قدرت میں محمد ﷺ کی جان ہے اسی کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ میں نے صفوں کے خلاء میں شیطان کو کھڑے دیکھا ہے جیسے وہ جگہ اس کے لیے خالی تھی۔“

بخاریؓ فرماتے ہیں کہ ان سے ابو معمر، عبد الوارث اور یونس نے حمید بن ہلال، ابی صالح اور ابی سعید کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”جب تم دو آدمی برابر چل رہے اور کوئی تیرا شخص تم دونوں کے درمیان گس کر چلنے کی کوشش کرے تو اسے منع کرو کیونکن اگر وہ نہ مانے تو دوبارہ منع کرو اور اگر وہ پھر بھی نہ مانے تو اسے قتل کر دو کیونکہ وہ (درحقیقت) شیطان ہے۔“

اس حدیث کو مسلم اور ابو داؤد نے بھی سلیمان بن مغیرہ کی بیان کردہ حدیث کی صورت میں حمید بن ہلال کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

بخاریؓ نے اس قرآنی آیہ شریفہ کی تفسیر بیان کرتے ہوئے جس میں اللہ تعالیٰ نے سلیمان علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے فرمایا کہ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ

﴿وَرَبُّ اغْفِرْلِي وَهَبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لَأَحَدٍ مِنْ بَعْدِي إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَابُ﴾

یہ حدیث نبوی (علیہ السلام) بھی ضمناً بیان کی ہے کہ آنحضرت

شیطان نے فرمایا کہ ”جب کوئی جن میرے قریب سے گزرا تو میں نے گرم ہوا کا جھونکا اپنے اوپر آتے محسوس کیا ہے۔ یہی حال میں نے اس وقت محسوس کیا جب میں مسجد کی طرف نماز کے لیے جا رہا تھا، وہ یقیناً کوئی جن یا شیطان تھا میری نماز سے مجھے روکنا چاہتا تھا، میں نے اس سے رابطہ قائم کرنا چاہا کہ تم لوگ بھی صحیح کی نماز کے لیے مسجد کی طرف آتے ہوئے اسے دیکھ لو لیکن اللہ تعالیٰ نے (اپنے کرم سے) اسے میرے پاس سے دفع کر کے مجھے اس کے خطرے سے بچالیا۔ اس وقت میں نے اپنے بھائی سلیمان علیہ السلام کی وہ دعا پڑھی جس کا ذکر قرآن میں آیا ہے یعنی:

﴿رَبِّ اغْفِرْ لِي وَهُبْ لِي مُلْكًا لَا يَنْبَغِي لِأَحَدٍ مِنْ بَعْدِنِي إِنَّكَ أَنْتَ الْوَهَّابُ﴾ (ترجمہ لفظی و معنوی)

جناب روح اس حدیث کے بیان میں یہ بھی کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے شیطان کو ذمیل کر کے بھگا دیا تھا۔

مسلم ابی اور ایس کی زبانی ابی درداء کے حوالے سے ایک روایت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ابی اور ایس کا بیان یہ ہے کہ انہوں نے ایک دن رسول اللہ (ﷺ) کو نماز کے دوران میں: ”اعوذ بالله منک“ فرماتے ہوئے سن، پھر آپ نے اسی نماز کے دوران میں تین بار ”العنک بلعنة الله“ فرمایا اور اپنا تھا اس طرح اٹھایا جیسے آپ کچھ تناول فرم رہے ہوں۔

ابی اور ایس کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ نماز سے فارغ ہوئے تو ”میں نے آپ سے عرض کیا: یا رسول اللہ (ﷺ) آج میں نے نماز میں آپ کی زبان مبارک سے وہ کلمات نے جو پہلے کبھی نہیں نہیں تھے دوسرے یہ کہ آپ نے اپنا تھا بھی اٹھایا تھا۔ اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کہ ”وہ شیطان تھا اور میرے منہ پر آگ کا ایک شعلہ پھیکنا چاہتا تھا تو میں نے پہلے اسے مخاطب کر کے کہا کہ ”اعوذ بالله منک“ اور پھر کہا کہ ”العنک بلعنة الله“ اس کے بعد آپ نے فرمایا کہ ”میں نے اسے پکڑنے کو اپنا تھا اٹھایا تھا لیکن وہ (کم جنت) بھاگ نکلا ورنہ صحیح کو اہل مدینہ کے بچے اس کی لاش سے جو گیند کی شکل کی ہوتی کھیل رہے ہوتے“۔

اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتے ہیں:

﴿فَلَا تَغْرِبُنَّكُمُ الْحَيَاةُ الدُّنْيَا وَلَا يَغْرِبُنَّكُمْ بِاللَّهِ الْغَرُورُ﴾

یہاں غرور سے مراد شیطان ہے (مؤلف) اللہ تعالیٰ ایک اور جگہ فرماتے ہیں:

﴿إِنَّ الشَّيْطَانَ لَكُمْ عَدُوٌ فَاتَّخِذُوهُ عَدُوًا إِنَّمَا يَدْعُوَا حِزْبَهُ لِيَكُونُوا مِنْ أَصْحَابِ السَّعْيِ﴾

شیطان کسی انسان کے پاس یونہی نہیں آتا بلکہ اپنے جملہ مکروہ فریب کے حربوں کے ساتھ اس پر حملہ آور ہوتا ہے جن کا ذکر حافظ ابو بکر بن ابی الدینیا نے اپنی کتاب موسومہ ”مصادم الشیطان“ میں تفصیل سے کیا ہے۔ اس کتاب کا مطالعہ واقعی بہت مفید ہے۔ (مؤلف)

”سنن ابی داؤد“ میں ہے کہ آنحضرت ﷺ سے دعا مانگا کرتے تھے:

و اعوذ بک ان یتھبطنی الشیطان عند الموت.

بعض روایات میں آپ کی دعا یہ بھی لکھی ہے:

بِارَبِّ وَعْزَكَ وَجَلَالَكَ لَا أَزَالَ اغْوَثُهُمْ مَا دَامَتْ أَرْوَاحُهُمْ فِي أَجْسَادِهِمْ.
اللَّهُ تَعَالَى نَفَرَ مِنْ إِشَادَةِ مِنْ:

وَعَزْتِي وَجَلَالِي وَلَا أَزَالَ لَهُمْ مَا اسْتَغْفَرُونِي.

شیطان کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿الشَّيْطَانُ يَعْدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعْدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلَيْهِمْ﴾
یقیناً اللہ تعالیٰ کا وعدہ حق و مصدق اور شیطان کا وعدہ باطل ہے۔ (مؤلف)

ترمذی ونسائی اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور ابن ابی حاتم نے اپنی تفسیر میں عطاء بن سائب، مرہ ہمدانی اور ابن معوذ کے حوالے سے یہ حدیث بیان کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرشتے اور شیطان میں انسان کے لیے بالترتیب خیر و شر کی (زیادہ سے زیادہ) استعداد پائی جاتی ہے۔ لہذا جب کوئی (سجادہ دار) انسان اپنے حق میں بھلائی دیکھتا ہے تو سمجھ لیتا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہے اور اس کا شکر کا درکرتا ہے لیکن جب وہ اپنے حق میں کوئی برائی دیکھتا ہے تو اسے شیطان سے منسوب کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ سے پناہ طلب کرتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ شریفہ پڑھی:

﴿الشَّيْطَانُ يَعْدُكُمُ الْفَقْرَ وَيَأْمُرُكُمْ بِالْفَحْشَاءِ وَاللَّهُ يَعْدُكُمْ مَغْفِرَةً مِنْهُ وَفَضْلًا وَاللَّهُ وَاسِعٌ عَلَيْهِمْ﴾
ہم سورہ بقرہ کے فضائل میں بیان کرچکے ہیں کہ جس مکان میں یہ سورت پڑھی جاتی ہے اس مکان سے شیطان بھاگ جاتا ہے نیز آیت الکرسی کے فضائل بیان کرتے ہوئے ہم بتاچکے ہیں کہ جس گھر میں رات کے وقت یہ آیت پڑھی جاتی ہے شیطان صحیح تک اس گھر کے قریب نہیں آتا۔

بخاریؓ فرماتے ہیں کہ ان سے عبد اللہ بن یوسف نے بیان کیا نیز انہیں مالک نے ابی صالح اور ابی ہریرہؓؓ کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جس شخص نے "لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ" سوترتیہ کہا اس کے لیے دس گناہ جرہ ہوتا ہے اس کے حق میں سو نیکیاں لکھی جاتی ہیں اور اس کی جو سو برائیاں لکھی ہوتی ہیں وہ مٹا دی جاتی ہیں اور یہ کلمات اس شخص کے لیے اس روز شام تک شیطان کے خلاف حفاظتی تعویذ بنے رہتے ہیں، پس کسی شخص کے لیے اس سے بہتر اور کیا بات ہو سکتی ہے کہ وہ ان کلمات کا اکثر ورد کرتا رہے۔

اس حدیث کو مسلم، ترمذیؓ اور ابن ماجہؓ نے مالکؓ کے حوالے سے روایت کیا ہے اور ترمذیؓ نے اسے حسن اور صحیح بتایا ہے۔
بخاریؓ فرماتے ہیں کہ ان سے ابوالیمان اور شعیب نے ابی الزناد، اعرج اور ابی ہریرہؓؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت نے فرمایا کہ "ہر انسان اپنی ہر برائی پر بالاعلان ہر پہلو سے شیطان کو مطعمون کرتا ہے اور جب کوئی پچ عیسیٰ بن مریمؓؓ کی طرح (یعنی باپ کے نام و نشان بغیر) پیدا ہوتا ہے تب بھی وہ مخفی طور پر ہی کہی شیطان ہی کو مطعمون کرتا ہے"۔ بخاریؓ نے اسی بناء پر اس حدیث کو منفرد کر کے پیش کیا ہے۔

بخاریؓ عاصم بن علی اور ابن ابی ذئب کی زبانی اور سعید المقبری، ان کے والد اور ابو ہریرہؓؓ کے حوالے سے روایت

کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”ہر انسان کو برائیوں کی رغبت (یقیناً) شیطان ہی دلاتا ہے لیکن جب کوئی انسان کسی برائی کے ارتکاب سے حتی الوع کوشش کے باوجود نجی نہیں پاتا اور (بعد میں) ہا (افسوس) کہتا ہے تو شیطان اس پر ہوتا ہے۔“ - امام احمد، ابو داؤد اور ترمذیؓ نے بھی یہ حدیث روایت کی ہے اور نسائیؓ نے اسے ابن ابی ذیب کے ذمہ سے بیان کر کے صحیح قرار دیا ہے۔

امام احمدؓ فرماتے ہیں کہ ان سے عبد الرزاق اور سفیان نے محمد بن عجلان، سعید المقری اور ان کے والد اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ (ظاہر ہے) انسان کی نیکیوں کو پسند اور اس کی برائیوں کو ناپسند فرماتا ہے لیکن جب کوئی انسان برائیوں کے ارتکاب پر ”ہماہ“ کرتا ہے تو دراصل وہ شیطان کا قیقهہ ہوتا ہے۔“ - ترمذیؓ اور نسائیؓ نے اس حدیث کو محمد بن عجلان کے حوالے سے روایت کیا ہے۔

بخاریؓ فرماتے ہیں کہ ان سے حسن بن ربع اور ابو الاحوص نے اشعث، اشعث کے والد اور مسروق کے حوالے سے بیان کیا کہ امام المؤمنین حضرت عائشہؓ نے بتایا کہ انہوں نے (ایک روز) رسول اللہ ﷺ سے نماز کے دوران میں کسی نمازی کے نماز کے علاوہ کسی دوسری چیز کی طرف دھیان جانے کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ ”وہ شیطانی اختلاس (وسوسہ) ہے جو شیطان تم میں سے کسی نمازی کے دل میں اس کے نماز پڑھتے وقت ڈالتا ہے۔“ یہ حدیث ابو داؤد اور نسائیؓ نے بھی مسروق کے حوالے سے اشعث بن ابی شعثاء، سلیمان بن اسود المحاربی اور محاربی کے والد کی روایت کردہ حدیث کے طور پر پیش کی ہے۔

بخاریؓ نے بطور روایت اوزاعیؓ کیلی بن ابی کثیر، عبد اللہ بن ابی قادہ اور ابی قادہ کے حوالے سے جو حدیث روایت کی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”چے خواب اللہ تعالیٰ کی طرف سے ہوتے ہیں جب کہ دوسرے خوابوں کا باعث شیطان ہوتا ہے لیکن وہ برے خوابوں کا باعث بننے سے قل خواب دیکھنے والے کے دل میں خوف پیدا کرتا ہے لیکن اگر کوئی شخص باکیں طرف (کروٹ بدلت کر) تھوک دے اور اعوذ باللہ کہے تو وہ شیطان کا پیدا کردہ خوف دور ہو جاتا ہے اور اس شخص کو شیطان سے کوئی ضرر نہیں پہنچتا۔ (ترجمہ توہینی)

امام احمدؓ فرماتے ہیں کہ ان سے عبد الرزاق اور عمر نے ہمام اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”تم میں سے کوئی شخص تمہیں یہ مشورہ نہیں دیتا کہ تم اپنے کسی بھائی کے خلاف بخیار اٹھاؤ بلکہ وہ مشورہ شیطان کا ہوتا ہے۔ لہذا جو شخص شیطان کے اس مشورے پر عمل کرتا ہے تو اس کی سزا آگ کا گڑھا ہے۔“ - امام احمد اس حدیث کا اتخراج عبد الرزاق کی روایت سے کیا ہے۔

اللہ تعالیٰ شیطان کا ذکر یوں فرماتے ہیں:

① ﴿وَلَقَدْ زَيَّنَا السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِمَصَابِيحَ وَجَعَلْنَاهَا رَجُومًا لِلشَّيَاطِينِ وَأَعْتَدْنَا لَهُمْ عَذَابَ السَّعِيرِ﴾

② ﴿إِنَّا زَيَّنَاهُ السَّمَاءَ الدُّنْيَا بِزِينَةٍ ۚ الْكَوَافِرِ وَ حِفْظًا مِّنْ كُلِّ شَيْطَانٍ مَّارِدٍ ۝ لَا يَسْمَعُونَ إِلَى الْمُلَاءِ الْأَعْلَى وَ يُقْذَفُونَ مِنْ كُلِّ جَانِبٍ دُحُورًا وَلَهُمْ عَذَابٌ وَّ أَصَبٌ ۝ إِلَّا مَنْ حَطَّفَ النَّحْفَةَ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ ثَاقِبٌ﴾

﴿وَلَقَدْ جَعَلْنَا فِي السَّمَاءِ بُرُوجًا وَزَيَّنَاهَا لِلنَّاظِرِينَ ۝ وَ حَفَظْنَاهَا مِنْ كُلِّ شَيْطَانٍ رَّجِيمٍ ۝ إِلَّا مَنْ اسْتَرَقَ

السَّمْعَ فَاتَّبَعَهُ شَهَابٌ مُّبِينٌ﴾

﴿وَمَا تَرَزَّلْتُ بِهِ الشَّيَاطِينُ ۝ وَمَا يَنْبَغِي لَهُمْ وَمَا يَسْتَطِعُونَ إِنَّهُمْ عَنِ السَّمْعِ لَمَعْزُولُونَ﴾

جنات کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے اخبار ایفر مایا:

﴿وَأَنَا لَمَسْنَا السَّمَاءَ فَوَجَدْنَاهَا مُلْتَحَ حَرَّاً شَدِيدًا وَشَهْبًا ۝ وَأَنَا كُنَّا نَقْعُدُ مِنْهَا مَقَاعِدَ لِلسَّمْعِ

فَمَنْ يَسْتَمِعُ إِلَآنَ يَجِدُ لَهُ شِهَابًا رَّصَدًا﴾

بخاری اور لیث کہتے ہیں کہ ان دونوں سے الگ الگ خالد بن یزید نے سعید بن بلاں کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر کو ابوالاسود نے عروہ اور حضرت عائشہؓ کے حوالے سے بتایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ملائکہ آسمان سے زمین کی طرف آتے ہوئے جب بادلوں کے درمیان سے گزرتے ہیں تو آپؐ پس میں کسی کلمہ کا تبادلہ کرتے ہیں جسے شیاطین سن کر کاہن کے کان میں اس طرح پکاتے ہیں جیسے قاروہ کا قطرہ مپکتا ہے اور اس میں اپنی طرف سے سو جھوٹے کلمات بھی اس طرح پکا دیتے ہیں۔

بخاری و مسلم نے مندرجہ بالا حدیث کی روایت کے آخر میں زہری کی بیان کردہ روایت کے طور پر بھی بن عروہ بن زید کے حوالے یہ بھی بتایا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے آنحضرت ﷺ سے کاہن کی پیشگوئیوں کے بارے میں دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ سب فضول ہوتی ہیں۔ جب صحابہ کرامؓ نے آپؐ سے یہی سوال کیا اور عرض کیا کہ کاہنوں کی کچھ باتیں درست بھی تو ثابت ہوتی ہیں تو آپؐ نے فرمایا کہ وہ (کاہن) جو کچھ کہتا ہے اس کی حقیقت صرف اتنی ہے کہ شیاطین آسمان سے زمین کی طرف مائل پرواز فرشتوں کی کچھ میں برحقیقت با تین اچک کران کے کانوں میں اڑتے ہوئے پرندوں کی بیٹ کی طرح پکادتے ہیں جن میں کاہن اپنی طرف سے سینکڑوں جھوٹی پچی باتوں کا اضافہ کر دیتے ہیں۔ (ترجمہ مفہومی و توضیحی) اس حدیث کی روایت کے آخری الفاظ بخاریؓ کے ہیں۔ (مؤلف)

اسی قبیل کی ایک اور حدیث روایت کرتے ہوئے بخاریؓ فرماتے ہیں کہ ان سے حمیری بن سفیان اور عروہ نے بیان کیا جب کہ آخر الذکر کے بقول انہوں نے عمر مدد سے ابو ہریرہؓ کا یہ بیان سنایا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب روئے زمین کے باسیوں یا خود زمین کے بارے میں پارگاہ خداوندی سے کچھ احکام آسمان دنیا کے فرشتوں تک یکے بعد میگرے منتقل ہوتے ہیں تو وہ انہیں اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیتے ہیں لیکن جب ان کی ترسیل فرشتے باہم اسی طرح کرتے ہیں جیسے ہوا میں اڑتے ہوئے پرندے کچھ پیغامات باہم گروہ درگروہ منتقل کرتے رہتے ہیں تو انہیں آسمان و زمین کے درمیان کچھ چور شیاطین اچک کر کاہنوں اور ساحروں کے کانوں میں قطرات کی طرح منتقل کر دیتے ہیں اور یوں وہ کاہن یا ساحرز میں کے باسیوں یا زمین پر دفعہ پذیر ہونے والے واقعات و حادثات کے بارے میں تھوڑی بہت ٹھیک پیشگوئیاں کرنے پرقدرت حاصل کر لیتے ہیں لیکن چونکہ وہ اپنے اندازے سے ان میں سینکڑوں جھوٹی باتوں کی آمیزش بھی کر دیتے ہیں اس لیے وہ اکثر غلط ثابت ہوتی ہوئی ہیں۔ (ترجمہ توضیحی) اس

حدیث کو بخاریؓ نے بطور حدیث منفرد پیش کیا ہے جب کہ مسلمؓ نے اسے زہری کی روایت کردہ حدیث کے طور پر علی بن حسین زین العابدینؑ ابن عباسؓ ہنچہ اور انصار کے کچھ راویان حدیث کے حوالے سے قریباً اسی طرح پیش کیا ہے۔

اس سلسلے میں اللہ تعالیٰ کے ارشادات یہ ہیں:

- ① ﴿وَمَنْ يَعْشُ عَنْ ذِكْرِ الرَّحْمَنِ نُقِيَضُ لَهُ شَيْطَانًا فَهُوَ لَهُ قَرِينٌ ۝ وَأَنَّهُمْ لَيَصُدُّونَهُمْ عَنِ السَّبِيلِ وَيَحْسِبُونَ أَنَّهُمْ مُهَتدُونَ ۝ حَتَّىٰ إِذَا جَاءَنَا قَالَ يَا لَيْلَتُ يَسْعَىٰ وَبَيْنَكَ بَعْدَ الْمُشْرِقِينَ فِيْنَسَ الْقَرِينُ﴾
- ② ﴿وَقَفَّيْنَا لَهُمْ قُرَنَاءَ فَرَيَّنُوا لَهُمْ مَا بَيْنَ أَيْدِيهِمْ وَمَا خَلْفُهُمْ﴾
- ③ ﴿وَقَالَ قَرِينُهُ رَبَّنَا مَا أَطْغَيْتُهُ وَلَكُنْ كَانَ فِي ضَلَالٍ بَعِيدٍ ۝ قَالَ لَا تَخْتَصِمُوا لَدَيْنِي وَقَدْ قَدَّمْتُ إِلَيْكُمْ بِالْأَوْعِيدِ ۝ مَا يَدَلُّ الْقَوْلُ لَدَيْنِي وَمَا أَنَا بِظَلَامٍ لِلْعَبِيدِ﴾
- ④ ﴿وَكَذَلِكَ جَعَلْنَا لِكُلِّ نَبِيٍّ عَذَّوْا شَيَاطِينَ الْإِنْسَانِ وَالْجِنِّ بَعْضُهُمُ إِلَى بَعْضٍ رُّحْرُقُ الْقَوْلِ غُرُورًا ۝ وَلَوْشَاءَ رَئُكَ مَا فَعَلُوهُ فَدَرُّهُمْ وَمَا يَفْتَرُونَ ۝ وَلَتَضُغُى إِلَيْهِ أَفْيَادُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالآخِرَةِ وَلَيَرْضُوا وَلَيَقْتَرِفُوا مَا هُمْ مُفْتَرُفُونَ﴾

ہم ملائکہ کے اوصاف پہلے بیان کر چکے ہیں۔ یہاں ملائکہ اور جنات کے بارے میں جو حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) پیش کی جا رہی ہے وہ امام احمدؓ سے مردی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ ان سے عثمان بن ابی شیبہ اور جریر نے قابوس، قابوس کے والد مسمی حسین بن جندب یعنی ابوظیبیان الحنفی اور ابن عباس ہنچہ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”تم میں سے کوئی ایسا نہیں ہے جسے شیاطین سے داسٹانہ پڑا ہو۔“

آپ سے یہ سن کر لوگوں نے عرض کیا: ”اور یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) آپ کا؟“ آپ نے فرمایا: ”ہاں میرا بھی لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مد فرمائی اور میں (ان کے جاہل سے) سلامت رہا۔“

یہ حدیث امام احمدؓ نے صحیح بخاریؓ کی سند پر پیش کی ہے۔ (مؤلف)

امام احمدؓ نے اسی قبیل کی ایک اور حدیث دیگر راویوں کے علاوہ امام المؤمنین حضرت عائشہ ہنچہ کے حوالے سے روایت کی ہے۔ حضرت عائشہ ہنچہ نے بتایا کہ ”ایک روز شب کے وقت رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میرے پاس سے اٹھے تو میں نے آپ سے پوچھا: ”یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا بات ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”شیطان آ گیا تھا۔“ میں نے حیرت کا اظہار کرتے ہوئے کہا: ”شیطان؟“ آپ نے فرمایا: ”ہاں،“ میں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) کیا شیطان آپ کے پاس بھی آ سکتا ہے؟“ آپ نے فرمایا: ”ہاں،“ میں نے عرض کیا: ”اور میرے پاس؟“ آپ نے فرمایا: ”ہاں وہ ہر انسان کے پاس آ سکتا ہے وہ ابھی میرے نزدیک بھی آیا تھا لیکن اللہ تعالیٰ نے میری مد فرمائی اور مجھے اس کے فریب سے بچا لیا۔“

یہی حدیث مسلمؓ نے بھی ہارون یعنی ابن سعید کے حوالے اور چند دیگر اسناد کے ساتھ روایت کی ہے۔ (مؤلف)

امام احمدؓ فرماتے ہیں کہ ان سے قبیلہ بن سعید اور ابن لمیع نے موسیٰ بن وردان اور ابی ہریرہ ہنچہ کے حوالے سے بیان کیا

کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”شیطان ہر مومن کو اپنی شرارتیوں سے اسی طرح پریشان کرتا ہے جیسے تم میں سے کسی کا شریر اونٹ دورانِ سفر اسے سوار کو پریشان کرتا ہے۔“

امام احمدؓ نے شیطان کی اس خصوصی حرکت کی وجہ سے جو اس حدیث سے ظاہر ہے اس حدیث کو منفرد کر کے پیش کیا ہے لیکن اس کا مطلب یہ ہے کہ شیطان یوں توہراناں کے ساتھ اس طرح پیش آتا ہے لیکن جب وہ یہ حرکت کسی مومن کے ساتھ کرتا ہے تاکہ اس کی کسی کمزوری سے فائدہ اٹھا کر اس پر غلبہ پالے اور اسے ذلیل کرے مگر وہ مومن کے ساتھ اپنے ایمان کی بیاند پر وہی سلوک کرتا ہے جو کسی شریرو اونٹ کا ماہرسوار اپنے اونٹ کے ساتھ کرتا ہے اور آخراً خرکار اس پر قابو پالیتا ہے۔ (مؤلف)
المیر، کامیک حربکات کی تفصیل اللہ تعالیٰ نے اخبار یوں فرمائی:

﴿قَالَ فِيمَا أَغْوَيْتَنِي لَاقْعُدْنَ لَهُمْ صِرَاطَكَ الْمُسْتَقِيمَ ۝ ثُمَّ لَا تَيَّبُهُمْ مِّنْ بَيْنِ أَيْدِيهِمْ وَ مِنْ خَلْفِهِمْ وَ عَنْ أَيْمَانِهِمْ وَ عَنْ شَمَائِلِهِمْ وَ لَا تَجِدُ أَكْثَرَهُمْ شَاكِرِينَ ۝﴾

(یعنی مومن جس طرح شیطان کے غلبے سے بچتے ہیں وہ سب طریقے اور قوتِ ایمانی سب کی سب اللہ تعالیٰ انہیں عطا فرماتے ہیں لیکن اس خبر کے آخر میں اللہ تعالیٰ اپنے رسول پاک ﷺ سے ارشاد فرماتا ہے کہ آپ اس کے باوجود اکثر اہل ایمان کو بھی شکر گز انہیں پائیں گے (آیہ شریفہ کی توضیح از مترجم)

امام احمد فرماتے ہیں کہ ان سے ہاشم بن قاسم، ابو قیل یعنی عبد اللہ بن عقیل شفیعی، موسیٰ اور ابن میتب نے سالم بن ابی الجعد اور سہرہ بن ابی فاکر کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے رسول اللہ ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنائے کہ شیطان ابن آدم کو فریب دینے کے لیے ہر وقت تیار رہتا ہے اور اسے طرح طرح سے بہکانے کی کوشش کرتا ہے وہ مسلمان سے اس کے اسلام قبول کرنے اور دیگر اعمال حشر پر اعتراض کرتے ہوئے بالترتیب کہتا ہے: ”کیا تو نے اسلام قبول کر لیا اور اپنا اور اپنے آباء کا ندھب چھوڑ دیا؟“ جب وہ اس کا اقرار کرتا ہے تو اس کے بعد کہتا ہے: ”یہ تو نے بہت غلط کیا“ پھر اس سے پوچھتا ہے: ”کیا تو نے اسلام کے نام پر بھرت کر کے اپنا نام اور اپنی آبائی زمین بھی چھوڑ دی؟“ اگر تو نے ایسا کیا ہے تو تیری مثال اس گھوڑے جیسی ہے جو بے سوچ سمجھے دور دراز راستے پر جدھر منہ اٹھتا ہے ہولیتا ہے۔ پھر اس سے پوچھتا ہے: کیا تو نے جہاد کے نام سے جنگ کی ہے، کسی کو قتل کیا ہے؟ کسی (عورت) سے نکاح کر کے اپنا مال اسلام کے طریقے پر تقسیم ہونے کے لیے چھوڑ دیا ہے؟ اگر تو نے یہ سب باتیں کی ہیں تو واقعی بہت بڑی غلطی کی ہے۔

شیطان کی یہ باتیں بیان فرمایا کہ اگر کسی مسلمان نے ان باتوں میں سے کوئی ایک بات بھی کی ہے تو اس کا اللہ تعالیٰ پر حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے یعنی اگر اس نے اللہ کے لیے بھرت کی ہے تو اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے، اگر اس نے اللہ کے نام پر جہاد میں شرکت کی اور کسی (وشن اسلام) کو قتل کیا یا اس کے ہاتھوں خود قتل ہو گیا تو اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے حتیٰ کہ اگر اس کی سواری کا گھوڑا بھی جہادی نبیل اللہ میں مارا گیا ہے بھی اللہ تعالیٰ پر اس کا حق ہے کہ وہ اسے جنت میں داخل فرمائے۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ ان سے کچھ عبادہ بن مسلم الفرازی، جبیر بن ابی سلیمان اben جبیر بن مطعم نے بیان کیا کہ آخر الذکر نے عبد اللہ بن عمر بن حنفہ کو کہتے سنا کہ رسول اللہ ﷺ صبح و شام بلا ناخمیہ دعا کیا کرتے تھے کہ:

”یا اللہ میں دین و دنیا میں تجھ سے عافیت کا طالب ہوں یا اللہ میں اپنے اور اہل دعیال کے دینی دنیوی معاملات اور اپنے اور ان کے مال و متاع کے بارے میں تجھ سے معافی اور عافیت کا طالب ہوں یا اللہ میرے ستر کو مستور اور میرے قلب کو مطمئن رکھ یا اللہ میرے دائیں باکیں یعنیچہ اور اوپر سے میری حفاظت فرمائیں اپنے (قدموں کے) یونچ سے کسی غلطی (کے امکان) سے تیری عظمت کی پناہ چاہتا ہوں“۔

کچھ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں ”تحت“ کا مطلب تحت الارض یا پتی ہے۔ اس حدیث کو ابو داؤد نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان اور حاکم نے عبادہ بن مسلم کی بیان کردہ حدیث کے طور پر روایت کیا اور حاکم نے اسے صحیح الاستاد بتایا ہے۔



باب ۷

تخلیق آدم علیہ السلام

اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی مختلف آیات میں تخلیق آدم، تخلیق آدم کے بعد فرشتوں کو یہ حکم دینے کے وہ آدم کو بجہہ کریں، اللہ تعالیٰ کے اس حکم پر تمام فرشتوں کے آدم کو بجہہ کرنے لیکن عزازیل (ابليس) کا آدم کو یہ کہہ کر کہ ”تونے اسے مٹی سے اور مجھے آگ سے پیدا کیا ہے اس لیے میں خلقت میں اس سے برتر ہوں بجہہ کرنے سے انکار“ اللہ تعالیٰ کا اخبار ارشاد اہلی واسعکر وَكَانَ مِنَ الْكَافِرِينَ اور ابليس کو جنت سے نکل جانے کا حکم، ابليس کا اللہ تعالیٰ سے التماس کہ اسے بنی آدم کو تاقیام قیامت گمراہ کرنے کی اجازت دی جائے تاکہ وہ بنی آدم پر پرانی برتری ثابت کر سکے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ تو بنی آدم کو بہکا کر ان میں سے اکثر کو عذاب جہنم کا مستحق نہیں بنائے گا، اس کے ساتھ ہی آدم علیہ السلام کو اور ان کی شریک حیات حضرت حوا کو جنت میں قیام کی اجازت نیز حسب منشأہاں کھانے پینے کی اجازت لیکن ایک خاص پودے کا پھل کھانے کی ممانعت، ابليس کا حوا کو یہ کہہ کر کہ انہیں اس لیے پودے کا پھل کھانے کی ممانعت کی گئی ہے تاکہ وہ اسے کھا کر فرشتے نہ بن جائیں اور جنت میں ہمیشہ قیام کے مستحق نہ نہبھریں اسے کھانے کی تغیریب حوا کا ابليس کے فریب میں آ جانا اور ان کا آدم علیہ السلام کو بھی اس پودے کا پھل کھانے کی تغیریب دونوں کا وہ پھل کھالیتا۔ اللہ تعالیٰ کا آدم و حوا علیہ السلام سے یہ فرمाकر کہ ابليس ان کا سب سے بڑا شمن انہیں تنہیٰ اور غلطی پر جنت چھوڑ دینے کا حکم آدم و حوا کا بارگاہ الہی میں التماس ﴿وَرَبُّنَا ظَلَمَنَا أَنفَسَنَا﴾ وَ إِنَّ لَمْ تَغْفِرُ لَنَا وَ تَرْحَمُنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ ﴾ۚ﴾ تاہم اللہ تعالیٰ کا ان سے ارشاد کہ وہ جنت سے زمین پر جائیں جہاں ان کی اولاد یقیناً باہم دشمنی میں بمتلا رہے گی، پھر ان کی لباس جنت سے محرومی اور اللہ تعالیٰ کا ان سے ارشاد کہ ان کا زمین پر قیام (امتحاناً) ایک معین مدت تک رہے گا اور ساتھ ہی ان کی مٹی سے تخلیق، مٹی ہی میں ان کی مراجعت اور پھر مٹی ہی سے ان کے دوبارہ اٹھانے کے بارے میں ارشاد ﴿مِنْهَا خَلَقَنَاكُمْ وَ فِيهَا نُعِيَّدُكُمْ وَ مِنْهَا نُخْرِجُكُمْ تَارَةً أُخْرَى﴾ اللہ تعالیٰ کا ابليس کو مردود (رجیم) فرمایا کہ اسے بھی جنت سے نکلنے کا حکم اور اس کی درخواست پر اسے بھی ایک معین مدت تک زمین پر انسان کے اعمال کی پرکھ کی اجازت ﴿قَالَ فَإِنَّكَ مِنَ الْمُنْتَرَيْنَ إِلَى يَوْمِ الْوَقْتِ الْمَعْلُومِ﴾ ابليس کی اللہ تعالیٰ سے گزارش ﴿قَالَ رَبِّ بِمَا أَغْوَيْتَنِي لَأَرْزِنَ﴾ لَهُمْ فِي الْأَرْضِ وَ لَا غُوَيْنَهُمْ أَجْمَعِينَ إِلَّا عَبَادَكَ مِنْهُمُ الْمُخْلَصُينَ ﴾ۚ﴾ اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ (اگرچہ) یہ راستہ سیدھا ہے لیکن میرے بندوں پر تجھے اختیار نہیں ہے بھر جان کے جوتیرے فریب میں آ جائیں، اگر انہوں نے ایسا کیا (یعنی تیرے فریب میں آ گئے تو ان سب کا معاد جہنم ہے جس کے سات دروازے ہیں جن کا ہر حصہ منقسم ہے:

﴿إِنَّ عِبَادِي لَيْسَ لَكَ عَلَيْهِمْ سُلْطَنٌ إِلَّا مَنِ اتَّبَعَكَ مِنَ الْغَاوِينَ ۝ وَ إِنَّ جَهَنَّمَ لَمَوْعِدُهُمْ أَجْمَعِينَ ۝ لَهَا سَبْعَةَ أَبْوَابٍ لِكُلِّ بَابٍ مِنْهُمْ جُزْءٌ مَفْسُومٌ﴾

پھر آخربن اللہ تعالیٰ کا ابلیس سے ارشاد کہ جا (لیکن) جس جس نے تیری اتباع کی ان کا اور تم سب کی جزا جزاء میں موفور ہوگی:

﴿فَالْأُدَهْبُ فَمَنْ تَبَعَكَ مِنْهُمْ فَإِنَّ جَهَنَّمَ حَرَآءُكُمْ جَرَآءُكُمْ مَوْفُورًا﴾

یہ قصہ تخلیق آدم و تقصہ شیطان ہے جس کی کچھ مختصر تفصیلات ہم نے ابھی بیان کیں قرآن شریف میں متفرق مواقع پر موجود ہیں۔ ان کو مکمل طور پر ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں بیان کیا ہے۔

اب ہم اس قصہ کی تفصیلات جن کا مختصر ذکر ہم نے کچھ قرآنی آیات شریفہ کے حوالے سے سطور مسبق میں کیا ہے یہاں پیش کریں گے اور ان شاء اللہ تعالیٰ اس سلسلے میں متقلقه احادیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) بھی پیش کریں گے۔ ویسے تخلیق آدم کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ کافر شتوں سے ارشاد ”انی جاحد فی الارض خلیفہ“ اور اس پر فرثتوں کے وہ سوالات جو قرآن شریف میں درج ہیں بالترتیب اللہ تعالیٰ کی جانب سے فرثتوں کو بر سبیل توبہ تخلیق آدم اور زمین پر ان کی اولاد کی خلافت کی خبر دینا یعنی فرثتوں کے وہ سوالات علی وجہ استکشاف واستعلام تھے اور ان سے صرف اس بارے میں اللہ تعالیٰ کی حکمت سے باخبر ہونا تھا کہ ان سوالات کے ذریعہ اللہ تعالیٰ کے ارادے پر نعمۃ بالله اعتراض اور اس کی تتفییص یا بنی آدم سے رٹک وحدتھا جیسا کہ بعض مفسرین کی کم علمی پر دلالت کرتی ہیں یا صرف ان کے وہم و گمان پر۔ اس کی ایک مثال قادہ کا یہ بیان ہے کہ کہا گیا ہے کہ جان لوکہ وہ (یعنی فرثتوں کا کہنا) ”اتجعل فیہا من يفسد فیہا و یسفک الدماء“ اس بات کی دلیل ہے کہ وہ (فرشتنے) قبل آدم جو کچھ تھا (بعض جنات و بلاسمیں) سب دیکھ رہے تھے۔

عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام سے قبل جنات زمین پر ہزاروں کی تعداد میں آباد تھے لیکن جب وہ یہاں اتھا سے زیادہ خوزریزی میں مبتلا پائے گئے تو اللہ تعالیٰ نے فرثتوں کا ایک گروہ زمین پر بھیجا جس نے ان جنات کو سمندروں کی طرف مار بھگایا بن عباس رضی اللہ عنہ کی بھی بھی روایت ہے۔ اور حسن (بصری) کا بھی بھی بیان ہے۔ کہا جاتا ہے کہ فرثتوں کو ان باقوں کا علم لوح محفوظ سے ہوا تھا۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی یہ یا تین ہاروت و ماروت نے ان فرثتوں کو بتائی تھیں جوان دونوں سے اوپر آسمان کے اس مقام پر رہتے تھے ”شخل“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ یہ روایت بن ابی حاتم نے ابی جعفر الباقر کے حوالے سے بیان کی ہے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ فرشتے یہ جان گئے تھے کہ زمین پر پیدا ہونے والی کوئی دوسرا مخلوق جنات جیسی ہی ہو گی اور اسی لیے انہوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ ”وَنَحْنُ نَسْبَعْ بِحَمْدِكَ وَنَقْدِسْ لَكَ“ یعنی ہم ہمیشہ تیری عبادت کرتے رہتے ہیں اور ہم میں سے کوئی فرد واحد تیری نافرمانی نہیں کر سکتا۔ اگر فرثتوں کی اس بات سے یہ مراد ہے کہ زمین پر بنی آدم (بغرض حال) تیری عبادت کریں گے بھی تو اسی طرح تو نہیں کر سکتے جیسے ہم اس میں دن رات مصروف رہتے ہیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جو جواب دیا تھا یعنی ”انی اعلم مَا لَا تَعْلَمُونَ“ تو اس سے یقیناً یہ مراد تھی کہ زمین پر پیدا ہونے والے بنی آدم میں انبیاء رسول صدیق اور شہداء بھی تو ہوں گے۔ اس کے علاوہ آدم علیہ السلام کو فرثتوں پر بخلاف علم بھی شرف حاصل تھا جیسا کہ فرمان باری تعالیٰ ”وَعَلِمَ آدُمَ الْأَسْمَاءَ كُلَّهَا“ سے ثابت ہے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ نام وہ تھے جن سے زمینی مخلوق اور دوسرا چیزیں جیسے انسان

چو پائے، خشک زمین، سمندر پیاڑ اور اوونٹ، گدھے اور ان جیسی دوسری چیزوں کی بھانی جاتی ہیں جب کہ مجاہد کہتے ہیں کہ اس آیت میں ناموں سے مراد تمام جانوروں، پرندوں اور دوسری چیزوں کے نام ہیں۔ ایک روایت میں آسمانی کتابوں تقدیری امورحتی کر ان میں معنوی معمولی چیزوں جیسے گھاس پھونس مکھی پھرنا بینٹ پھرنا غیرہ کے نام تھے۔ سعید بن جبیر قادہ اور دوسرے متعدد لوگوں نے بھی یہی کہا ہے۔

ریغ کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو ملائکہ کے نام بتائے تھے جب کہ عبد الرحمن ابن زید کہتے ہیں کہ وہ اسمائے ذریت تھے لیکن صحیح بات وہی ہے جس کی طرف ابن عباس بن عثمن نے اشارہ کیا ہے یعنی وہ اسمائے ذوات اور ان کے سب چھوٹے بڑوں کے نام تھے۔

بخاری و مسلم نے سعید و ہشام کے توسط اور قادہ و انس بن مالک کے حوالے سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ روز قیامت جب مومنین ایک جگہ جمع ہوں گے اور آپس میں کہہ رہے ہوں گے کہ کاش انہیں کوئی اللہ تعالیٰ سے شفاعت کرنے والا مل جاتا تو اچاک انہیں آدم علیہ السلام نظر پڑیں گے چنانچہ وہ ان سے عرض کریں گے کہ آپ ابوالبشر ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے ہاتھ سے تخلیق کیا تھا اور اس کے علاوہ آپ کو فرشتوں سے سجدہ کرایا تھا۔ نیز تمام چیزوں کے نام آپ کو بتائے تھے۔

ذکورہ بالا دونوں راویوں نے یہ حدیث آخوندک پوری روایت کی ہے یعنی فرشتوں کے سامنے اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ ﴿أَبْسِنُونِي بِاسْمَاءٍ هُوَلَاءٌ إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ تک حسن بصری کہتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے تخلیق آدم علیہ السلام کا رادہ فرمایا اور اس کا ذکر فرشتوں سے کیا تھا تو وہ آپس میں بولے تھے کہ اللہ تعالیٰ ایسی کوئی مخلوق پیدا نہیں کرے گا جو ہم سے زیادہ علم رکھتی ہو اور اسی لیے وہ اللہ تعالیٰ کے متعلق ارشاد کے جواب دینے سے قاصر رہنے کی لمحہ میں بدلنا ہوئے اور اللہ تعالیٰ نے اپنے اس حکم کے آخر میں جو ﴿إِنْ كُنْتُمْ صَادِقِينَ﴾ فرمایا تھا وہ اسی لیے تھا کہ فرشتے وہ تمام نام ہرگز نہ بتائیں گے جو اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بتا دیئے تھے۔ فرشتوں کے اس جواب سے کہ ﴿لَمْ يَشْبَهْ حَانِكَ لَا عِلْمَ لَكَ إِلَّا مَا عَلِمْتَ﴾ اُنکَ أَنْتَ الْعَلِيمُ الْحَكِيمُ ہے (یعنی اے پروردگار ایسا کون ہے جو اس کے علاوہ کچھ جان سکے جتنا علم تو نے اسے عطا فرمایا ہے) جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ ﴿وَلَا يُحِيطُونَ بِشَيْءٍ مِّنْ عِلْمِهِ إِلَّا بِمَا شَاءَ﴾ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام سے ارشاد فرمایا کہ ﴿إِنَّمَا أَدْعُكُ بِإِسْمَاءِ هُوَلَاءٌ﴾ (اے آدم انہیں وہ نام بتاؤ) اور جب آدم علیہ السلام نے فرشتوں کو وہ نام بتائے ﴿فَلَمَّا أَنْبَاهُمْ بِإِسْمَائِهِمْ﴾ تو اللہ تعالیٰ نے فرشتوں سے فرمایا ﴿أَلَمْ أَقُلْ لَكُمْ إِنِّي أَعْلَمُ عَيْبَ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ وَأَعْلَمُ مَا تُبُدُّونَ وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ﴾ (یعنی میں مخفی باتوں کو بھی بالکل اسی طرح جانتا ہوں جیسے ظاہر باتوں کو جانتا ہوں) اس آیت میں ماتبدون اللہ تعالیٰ کا اشارہ فرشتوں کی اس گزارش کی طرف تھا کہ آیا تو زمین پر اسے اپنا خلیفہ بنانا چاہتا ہے جو وہاں فساد پھیلائے گا ﴿أَتَجْعَلُ فِيهَا مَنْ يُفْسِدُ فِيهَا﴾ جب کہ اس آیت میں ﴿وَمَا كُنْتُمْ تَكْتُمُونَ﴾ سے اللہ تعالیٰ جمل شانہ کا اشارہ ایسیں کے دل میں یعنی مخفی غرور و تکبر اور آدم علیہ السلام پر اپنی برتری کا خیال تھا۔ یہ روایت سعید بن جبیر، مجاهد السدی، ضحاک اور ثوری کی ہے جسے ان کے حوالے سے

ابن جبیر نے پیش کیا ہے۔

ابوالعالیہ ریبع، حسن (بصری) اور قادہ کہتے ہیں کہ اس آیت میں ”وَمَا تکثمون“ کا اشارہ فرشتوں کے دل ہی دل میں اس خیال کی طرف تھا کہ ان کا رب ہرگز کوئی ایسی مخلوق پیدا نہیں کرے گا جس کا علم ان سے زیادہ ہو یا ان پر فضیلت رکھتی ہو لیں یا خلق رہنا خلقاً الا کنا اعلم منه و اکرم عليه منه یعنی جب فرشتوں نے آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا یہ خصوصی فضل اور ان کی یہ خاص عظمت دیکھی کہ اس نے انہیں کن فیکون فرمایا کہ پیدا کرنے کے بجائے بطور خاص اپنے دست قدرت سے تخلیق فرمایا اور ان میں اپنی روح پھونگی تو پھر وہ اللہ تعالیٰ کے حکم پر فوراً آدم کو سجدہ کرنے پر تیار ہو گئے بلکہ انہیں سجدہ بھی کیا لیکن جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا اب لیں نے تکبر کی وجہ سے پھر بھی انہیں سجدہ نہیں کیا ۴۷﴿وَإِذْ قُلْنَا لِلْمَلَائِكَةَ اسْجُدُوا لِإِدْمَ فَسَجَدُوا إِلَّا إِبْرَهِيمَ أَبْيَ وَاسْتَمْجَرَ هُوَ حَالًا كَمَهْ فَرَشَتْ آدم علیہ السلام پر اللہ تعالیٰ کا وہ خصوصی فضل اور ان کی وہ عظمت جس کا ہم نے ابھی ذکر کیا اور خود اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا دیکھ کر انہیں سجدہ کر چکے تھے: ﴿فَإِذَا سَوَّيْتَهُ وَنَفَخْتُ فِيهِ مِنْ رُوْحِي فَقَعُوْلَهُ سَاجِدِينَ﴾

بہر کیف فرشتوں پر آدم کی فضیلت کی وہی چار وجوہ تھی جن کا ہم تفصیل سے ان شاء اللہ آگے چل کر ذکر کریں گے اور جن کی بناء پر آدم کے زمین پر ورود سے قبل جب وہ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام ملاعہ اعلیٰ میں ایک جگہ جمع ہوئے تھے تو موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا تھا کہ آپ ابوالبشر ہیں، آپ کو اللہ تعالیٰ نے (بطور خاص) اپنے دست قدرت سے پیدا کیا، آپ کو فرشتوں سے سجدہ کرایا اور آپ کو تمام اشیاء کے نام بتائے اور یہی آدم سے دوسرے تمام انسان بھی جیسا کہ ہم ان شاء اللہ آگے چل کر جلد ذکر کریں گے روز خوش گھبیں گے۔ دیسے آدم علیہ السلام کو اب لیں کے سجدہ نہ کرنے کی خاص وجہ وہی تھی جس کا ذکر خود اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے یعنی یہ کہ ”جب ہم نے اپنے حکم کے باوجود اس سے آدم علیہ السلام کو سجدہ نہ کرنے کی وجہ پوچھی تو وہ بولا کہ“ میں اس سے بہتر ہوں کیونکہ تو نے اسے مٹی سے اور مجھے آگ سے پیدا کیا ہے:

﴿فَالَّا مَا مَنَعَكَ أَنْ لَا تَسْجُدَ إِذْ أَمْرُتُكَ فَالَّا أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ خَلَقْتَنِي مِنْ نَارٍ وَ خَلَقْتَهُ مِنْ طِينٍ﴾
حسن بصریؓ فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے (باطل طور پر) قیاسی گھوڑے دوڑانے والا گھن اب لیں تھا اور محمد بن سیرینؓ کہتے ہیں کہ دنیا میں مش و قمر کی پرستش کا آغاز صرف باطل قیاسات کی بنیاد ہی پر ہوا۔

اسی تصور کی دور وابستیں ابن جریر نے بھی پیش کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ اب لیں نے قیاسی طور پر اپنی اور آدم علیہ السلام کی شخصیتوں پر غور کیا اور اسی لیے اس نے اپنی شخصیت کو آدم علیہ السلام کی شخصیت سے برتر سمجھتے ہوئے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کے باوجود کہ تمام فرشتے آدم علیہ السلام کو سجدہ کرنے سے انکار کر دیا لیکن ظاہر ہے کہ قطعی حکم کے مقابلے میں قیاس فاسد الاعتبار ہوتا ہے جب کہ مٹی اور آگ میں خود اپنی اپنی جگہ فطری طور پر متفاہد ہیں۔ مثلاً مٹی میں نفع، آگ میں ضرر، مٹی میں خلائق، آگ میں حرارت، مٹی میں نماؤں اور آگ میں فساد و احتراق اور خلائق بالذات موجود ہیں۔ یہی اسباب اللہ تعالیٰ نے بالترتیب اب لیں کی سرکشی اور سجدے سے انکار اور آدم علیہ السلام کے اس پر شرف کے بیان فرمائے ہیں۔ دیسے بھی عذر گناہ بدتر از گناہ ہوتا ہے۔ اسی لیے اللہ نے اخبار ارشاد فرمایا: ”اور جب ہم نے فرشتوں سے کہا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر اب لیں نے نہ کیا۔ بولا بھلا میں ایسے

شخص کو سجدہ کروں جسے تو نے مٹی سے پیدا کیا ہے (از راہ طنز) کہنے لگا کہ دیکھ تو یہی وہ ہے جسے تو نے مجھ پر فضیلت دی ہے۔ اگر تو مجھے قیامت کے دن تک کی مہلت دے تو میں تھوڑے سے شخصوں کے سوا اس کی (تمام) اولاد کی جڑ کا شمار ہوں گا۔ خدا نے فرمایا (یہاں سے) چلا جا۔ جو شخص ان میں سے تیری یہی وی کرے گا تو تم سب کی جزا جہنم ہے (اور وہ پوری سزا ہے) اور ان میں سے جس کو بہکائے اپنی آواز سے بہکاتا رہ اور ان پر اپنے سواروں اور پیادوں کو چڑھا کر لاتا رہ اور ان کے مال اور اولاد میں شریک ہوتا رہ اور ان سے وعدے کرتا ہے سب دھوکا ہے۔ جو میرے (ملخص) بندے ہیں ان پر تیرا کچھ زور نہیں۔ اور (اے پیغمبر) تمہارا پروردگار کار ساز کافی ہے۔“ (۱۵:۱۷)

اور جیسا کہ ہم پہلے ہی بیان کر چکے ہیں اللہ تعالیٰ نے ایک اور جگہ ارشاد فرمایا: ”اوجب ہم نے فرشتوں کو حکم دیا کہ آدم کو سجدہ کرو تو سب نے سجدہ کیا مگر ابلیس (نے نہ کیا) وہ جنات میں سے تھا تو اپنے پروردگار کے حکم سے باہر ہو گا۔“ (۱۸:۱۵) یعنی آگ سے پیدائش کی وجہ سے سرتاپی و سرخی شیطان کی فطرت میں تھی اس لیے اس نے اللہ تعالیٰ کا حکم مانتے سے انکار کیا۔ یہی بات رسول اللہ ﷺ نے فرمائی ہے ہم صحیح مسلم کے حوالے اور حضرت عائشہؓ کی زبانی پہلے بھی پیش کر چکے ہیں یعنی ملائکہ نور سے جنات آگ کے بھڑکتے ہوئے شعلے اور آدم اسی طرح اور اسی چیز سے پیدا کیے گئے جیسا کہ تم سے پہلے بیان کیا جا چکا ہے:

خلقت الملائکة من نور و خلق الجنان من مارج من نار و خلق آدم منها وصف لكم.

من درجہ و مذکورہ بالا تمام ہاتوں کی وضاحت خود اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یوں فرمائی:

① ”جب تمہارے پروردگار نے فرشتوں سے کہا کہ میں مٹی سے انسان بنانے والا ہوں۔ جب میں اس کو درست کرلوں اور اس میں اپنی روح پھونک دوں تو اس کے آگے سجدے میں گر پڑنا۔ تو تمام فرشتوں نے سجدہ کیا۔ مگر شیطان اکثر بیخا اور کافروں میں ہو گیا (خدا نے) فرمایا کہ اے ابلیس جس شخص کو میں نے اپنے ہاتھوں سے بنایا اس کے سجدہ کرنے سے تھے کس چیز نے منع کیا؟ کیا تو غور میں آ گیا یا اونچے درجے والوں میں تھا؟ بولا کہ میں اس سے بہتر ہوں (کہ) تو نے مجھ کو آگ سے پیدا کیا اور اسے مٹی سے بنایا۔ (خدا نے) فرمایا: یہاں سے نکل جاؤ تو مردود ہے اور تجوہ پر قیامت کے دن تک میری لعنت (پڑتی) رہے گی۔ کہنے لگا کہ میرے پروردگار مجھے اس روز تک کہ لوگ اٹھائے جائیں مہلت دے۔ فرمایا تجوہ کو مہلت دی جاتی ہے اس روز تک جس کا وقت مقرر ہے کہنے لگا کہ مجھے تیری عزت کی قسم میں ان سب کو بہکاتا رہوں گا۔ سوا ان کے جو تیرے خالص بندے ہیں فرمایا تھا (ہے) اور میں بھی سچ کہتا ہوں کہ میں تجوہ سے اور ان میں سے جو تیری پیروی کریں گے۔ سب سے جہنم کو بھر دوں گا۔“ (۳۸:۴۳ - ۳۹:۴۹)

② ”(پھر) شیطان نے کہا کہ مجھے تو تو نے ملعون کیا ہی ہے، میں بھی تیرے سیدھے رستے پر ان (کو گمراہ کرنے) کے لیے میٹھوں گا، پھر ان کے آگے سے اور پیچھے سے اور دائیں سے اور بائیں سے (غرض ہر طرف سے) آؤں گا (اور ان کی راہ ماروں گا) اور تو ان میں اکثر کوشک گزار نہیں پائے گا،“ (۸:۷)

امام احمدؓ فرماتے ہیں کہ ان سے ہاشم بن قاسم، ابو عقیل یعنی عبداللہ بن عقیل ثقیفی اور موسیٰ بن میتib نے سالم بن ابی الجعد اور ببرہ بن

ابی الفاکر کے حوالے سے بیان کیا اور یہ بھی بتایا کہ آخراً الذکر نے رسول اللہ ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ”ابليس ابن آدم کی را باث مارنے کے لیے اس کے جملہ راستوں میں بیٹھتا ہے اور اپنی سی پوری کوشش کرتا ہے۔“

ان الشیطان قعد لابن آدم باطربقة.

امام احمدؓ نے اس حدیث کے علاوہ شیطان کے بارے میں اور کئی احادیث کا ذکر کیا ہے۔

مفسرین ان فرشتوں کے متعلق جنہیں اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کو بجہہ کرنے کا حکم دیا تھا مختلف الراء ہیں لیکن جملہ آیات متعلقہ اور اقوال جمہور سے یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس حکم میں تمام فرشتے شامل تھے لیکن جیسا کہ ابن جریر نے ضحاک اور ابن عباس کے حوالے سے روایت کیا ہے اس حکم میں صرف ملائکہ ارضی شامل تھے یعنی یہ حکم صرف ملائکہ ارضی کو دیا گیا تھا تاہم ان تمام آیات و احادیث سے جو ہم اب تک اس سلسلے میں پیش کرچکے ہیں یہی ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اس حکم میں تمام فرشتے شامل تھے۔ واللہ اعلم۔ تاہم اللہ تعالیٰ کا ابليس سے یہ فرمانا کہ ”یہاں سے چلا جا، اور“ یہاں سے نکل جا“ اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اس وقت تک ابليس آسمان ہی پر تھا اور فرشتوں میں اس کا شمار ہوتا تھا کیونکہ وہ بھی انہی کی طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کیا کرتا تھا لیکن اس کے غرو اور آدم علیہ السلام سے اس کے حد کی وجہ سے اسے اس کی سابقہ منزلت سے گرا کر دیا ہاں سے نکلنے اور نیچے جانے کا حکم دیا گیا تھا۔ متعلقہ آیات قرآنی سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ آدم کو جنت میں قیام کی اجازت دینے سے قبل اللہ تعالیٰ نے حوا کو پیدا نہیں کیا تھا جس کیوضاحت الحلق ابن بشار نے ان آیات کی تفسیر میں کی ہے۔

جہاں تک حضرت حوا کی تخلیق کا سوال ہے تو اس کے بارے میں السدی نے ابی صالح ابی مالک، ابن عباس، مرمہ، ابن مسعود اور متعدد دیگر صحابہ کرام علیہم السلام کے توسط اور احادیث کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جنت سے ابليس کے اخراج کے بعد آدم علیہ السلام وہاں تھا ای کی وجہ سے پریشانی کے عالم میں ادھر ادھر پھرا کرتے تھے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی دل بستگی کے لیے ان کی بائیں پسلی سے حضرت حوا کو تخلیق فرمادیا۔ اس سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ آدم علیہ السلام کی طرح حضرت حوا مٹی سے نہیں بلکہ خود آدم علیہ السلام کے جسم کے زیریں حصے کے گوشت سے پیدا کی گئی تھیں۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی تخلیق سے قبل آدم علیہ السلام نے خواب میں ایک عورت کو اپنے سرہانے بیٹھے دیکھا تھا اور اس سے پوچھا تھا کہ تم کون ہو تو اس نے کہا تھا کہ میں ایک عورت ہوں اور اس خواب کے بعد ہی اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت سے حضرت حوا کو تخلیق فرمایا تھا اور انہیں ان کی شریک حیات (زوج) بنایا تھا۔ ہم اس واقع پر ان شاء اللہ آگے چل کر تفصیلی روشنی ڈالیں گے۔ صحیحین (صحیح بخاری و صحیح مسلم) میں میسرہ الجبی، ابی حازم اور ابی ہریرہ علیہم السلام کے حوالے سے زائدہ کی روایت کردہ حدیث میں بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ ”عورتوں سے زمی کا برداشت کیا کرو کیونکہ عورت پسلی سے پیدا کی گئی ہے اور پسلی کا بالائی حصہ اگر میڑھا ہو تو وہ سیدھا نہیں ہو سکتا، اگر تم اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو وہ ٹوٹ جائے گا اور چھوڑ دو گے تو میڑھا ہی رہے گا۔ اس لیے عورتوں سے زمی ہی کا برداشت کیا کرو“۔ اس حدیث کے الفاظ بخاری کے پیش کردہ ہیں۔

جہاں تک آدم و حوا علیہم السلام کو جنت میں اللہ تعالیٰ کے حکم ”ولا تقرباً هذه الشجرة“ (یعنی تم دونوں اس درخت کے

قریب نہ جانا) کا تعلق ہے تو مفسرین نے جن میں کئی صحابہ کرام نبی ﷺ شامل ہیں اس درخت کو انگور کی بنل بتایا ہے۔ یہ بیان خصوصاً ابن عباس، سعید بن جبیر، شعی، جعده بن ہمیر، محمد بن قیس، السدی اور ابن مسعود نبی ﷺ کی روایت سے ماخوذ ہے لیکن ابن مسعود نبی ﷺ کی بھی کہتے ہیں کہ اس ”درخت“ کو یہود کی روایات میں ”گیوں کی بائی“ کہا گیا ہے جب کہ قادہ، ابن برتخ اور ابوالعالیہ کہتے ہیں کہ اس فرمانِ الہی میں جس شجر کا ذکر ہے وہ ایسا درخت تھا جس کا پھل کھا کر جتنی حادث (فانی) ہو جاتا جب کہ جنت کی کسی چیز کو نہیں ہے۔^①

بہر حال اس آیہ قرآنی کی تفسیر میں مفسرین کے باہم اختلافات بہت معمولی ہیں جب کہ اس آیت میں شجر کی تعین نہ ہونا یا اس کے نام میں ابہام یقیناً مصلحت خداوندی پر منی ہے ورنہ کلامِ الہی میں ابہام ناممکن ہے۔ (مؤلف) رہے جنت کے محل و قوع یعنی جنت کے زمین یا آسمان پر ہونے کے بارے میں اختلافات تو وہ بھی کچھ ایسے خاص نہیں ہیں۔ ویسے راویوں میں اکثریت کا یہ متفقہ فیصلہ ہے کہ آیہ قرآنی ﴿وَقُلْنَا يَآدُمْ أَسْكُنْ أَنْتَ وَرَزُّجُكَ الْجَنَّةَ﴾ میں ”الجنة“ میں الف اور لام کی حیثیت عمومی یعنی معہود و لفظی کی نہیں ہے جس کا مطلب جنت سے مراد ”نظروں سے پوشیدہ“ ہوگی جب کہ یہاں اس کی حیثیت معہودہ ہنی کی ہے جس سے مراد صرف ”جنت الماواۃ“ ہی ہو سکتا ہے یعنی وہ جنت جس کا محل و قوع آسمان ہے۔ تاہم متاخرین کا کہنا یہ ہے کہ جس جنت میں اللہ تعالیٰ نے آدم و حوا کو قیام کے لیے ارشاد فرمایا تھا وہ ”جنت الخلد“ نہیں تھی کیونکہ اگر ایسا ہوتا تو وہاں سے ان کا خروج ممکن نہ ہوتا جب کہ ایک حدیث سے ثابت ہے کہ جب روزِ حشر تمام نبی آدم ایک جگہ جمع ہوں گے تو وہ آدم ﷺ سے عرض کریں گے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے ان کے ”جنت الخلد“ میں داخلے کی سفارش فرمادیں تو آدم ﷺ ان سے فرمائیں گے کہ کیا تم وہاں جانا چاہتے ہو جہاں سے تمہارے باپ کو خروج کا حکم ملا تھا؟ آدم ﷺ کا یہ جواب اس بات کی دلیل ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ کی طرف سے خلد ہی سے خروج کا حکم ملا تھا کہ اس جنت سے جس کا محل و قوع زمین تھا لیکن لفظی اعتبار سے اس کا مطلب نکا ہوں سے مخفی ہوتا ہے۔ چنانچہ ثابت ہوا کہ جس جنت کا ذکر مندرجہ بالا آیت قرآنی میں آیا ہے اس سے مراد جنت الماواۃ (خلد) ہی ہے جس کا محل و قوع آسمان ہے۔ اس حدیث پر ہم آگے چل کر ان شاء اللہ تفصیلی گفتگو کریں گے جس سے متاخرین کا مندرجہ بالا استدلال ضعیف تر ہو جاتا ہے۔

ویسے متفقہ مین و متاخرین دونوں کا بیان یہ ہے کہ جنت ہو یا دوزخ ان کا جنت و دوزخ کے محل و قوع پر گفتگو سے ان کے وجود سے ہرگز انکا رہنیں ہے کیونکہ ان کا یہیں ثبوت قرآنی آیات اور احادیث سے جگہ جگہ ملتا ہے۔

شجر منوع سے پھل کھانے کی پہلی:

امام احمدؓ نے آیات قرآنی اور احادیث کے علاوہ متعدد راویان احادیث و مفسرین کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ شجر منوع کا پھل کھانے میں پہل حضرت حوڑا کی طرف سے ہوئی تھی جس کی ترغیب جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے انہیں المیس نے دی تھی اور

^① ظاہر ہے کہ آدم و حوا ﷺ کے لیے اس امنا عی فرمانِ الہی میں بھی حکمت تھی۔ (شادانی)

آدم علیہ السلام نے حضرت حوا کی ترغیب سے یہ پھل کھایا تھا۔ توریت کی متعدد آیات سے بھی یہی ثابت ہوتا ہے۔
جنت میں آدم و حوا علیہم السلام کا لباس:

اس سے قبل تخلیق ملائکہ، اوصاف ملائکہ، اقسام ملائکہ، تخلیق آدم علیہ السلام، اللہ تعالیٰ کی طرف سے فرشتوں کو یہ حکم کہ وہ آدم علیہ السلام کو سجدہ کریں تمام فرشتوں کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی قیمتی، ابلیس کی طرف سے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی قیمتی سے انکار اور اس کے اسباب، جنات کی تخلیقی اصلاحیت یعنی ان کا پیدائش غصہ، اللہ تعالیٰ کا فرشتوں سے ارشاد کہ وہ زمین پر اپنا خلیفہ (آدم علیہ السلام) کو بنانے والے ہیں، فرشتوں کا اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد پر حیرت اور اپنے کمال عبودیت کے مقابلے میں زمین پر انسانی اعمال پر اظہار خیال، اللہ تعالیٰ کا ارشاد کہ ﴿إِنَّى أَعْلَمُ مَا لَا تَعْلَمُونَ﴾ ابلیس کا مردود بارگاہ الہی تھہرا یا جانا، آدم علیہ السلام کو جنت میں سکونت کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم، جنت و دوزخ کا محل و قوع، شیطان کی طرف سے بارگاہ خداوندی میں یہ التماں کہ اسے آدم و بنی آدم کو روز قیامت تک فریب میں بتتا اور گراہ کرتے رہنے کی اجازت دی جائے۔ اللہ کی طرف سے اس ارشاد کے ساتھ کہ وہ اس کے مخلص بندوں کو ہرگز راح حق سے نہیں ہٹا سکے گا اسے انسان کو فریب دینے کی اجازت، آدم علیہ السلام کی دل بستگی کے لیے اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت حوا کی تخلیق، تلبیس ابلیس اور اس کی ترغیبات کا پہلا شکار وغیرہ پر چھپے صفات میں کلام الہی اور احادیث نبوی کے حوالے سے تفصیلی گفتگو کی جا چکی ہے اور انہی ناقابل تردید حوالوں سے یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ جنت میں آدم و حوا علیہم السلام کا لباس کیا تھا نیز یہ کہ جنت سے خروج کے وقت وہ دونوں اس بہشتی لباس سے محروم کر دینے گئے تھے تاہم اس بارے میں راویوں میں اختلاف کی نشاندہی کی گئی ہے کہ درحقیقت وہ لباس کیا تھا؟

اس راجیلیات کے زبانی بیانات یہ ہیں کہ آدم و حادونوں جنت میں اپنے فطری لباس میں رہتے تھے لیکن توریت کے کچھ بیانات سے یہ بھی پتا چلتا ہے کہ ان کی شرمگا ہیں زیتون کے چوں سے چپری رہتی تھیں جب کہ وہب بن منبه کے بقول ان کی شرمگا ہوں کے لیے جواب نور فراہم کیا گیا تھا۔

امام احمدؓ نے توریت و انحصار میں بدیہی تحریفات اور وہب بن منبه کی روایت میں مستند حوالوں کی عدم موجودگی کے پیش نظر مذکورہ بالا روایات سے اختلاف کرتے ہوئے انہی روایات کو مستند تھہرا یا ہے جن میں بتایا گیا ہے کہ جنت میں آدم و حوا علیہم السلام کا وہی لباس تھا جس کا مابقیہ بنی آدم کے جسم پر ہاتھوں اور پیروں کے ناخنوں کی شکل میں اب تک موجود ہے۔
حافظ بن عساکر مجاهد کی روایت حدیث کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے دو فرشتوں کو حکم دیا کہ وہ آدم و حوا کو جنت سے لے جائیں اور اسی کے حکم سے جبریل علیہ السلام کے سر سے تاج اور میکائیل علیہ السلام نے ان کا لباس اتنا لیا لیکن ان کی پیشانی پر ناخن کی شکل کا ایک پرت چھوڑ دیا، آدم یہ دیکھ کر بار بار ”الغفو الغفو“ کہہ کر رب العزت سے معافی کے طالب ہوئے لیکن اللہ تعالیٰ نے حکم دیا کہ آدم و حوا علیہم السلام کے جسموں پر جنت کے لباس کا مذکورہ بالا مابقیہ لباس چھوڑ کر انہیں زمین پر اتنا دیا جائے تاکہ وہ وہاں اپنی خط پر عمر بھرا ظہار نہ دامت کرتے رہیں۔

آدم و حوا علیہم السلام کی طرف سے ”الغفو الغفو“ کی تکرار سے طلب معافی کا ذکر ابھی کیا جا چکا ہے نیز آدم و حوا علیہم السلام کی دعا

﴿وَرَبُّنَا ظَلَمْنَا أَنفُسَنَا وَإِنْ لَمْ تَغْفِرْنَا وَتَرْحَمْنَا لَنَكُونَنَّ مِنَ الْخَاسِرِينَ﴾ کا ذکر پہلے آچکا ہے اور قرآن کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا جا چکا ہے کہ آدم و حوا علیہم السلام اور ان کی اولاد کو ایک مقررہ وقت تک (امتحاناً) زمین پر قیام کا حکم اللہ تعالیٰ ہم نے دیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ آدم علیہم السلام کی جنت میں قیام سو سال اور ایک روز استرسال تک رہا وہ جنت کی یاد میں زمین پر آ کر ستر سال تک آہو بکا میں بتدار ہے نیز ستر سال تک اپنی خط پر بتلائے گریہ وزاری رہے۔ یہ روایت ابن عساکر کی ہے۔ زمین پر آدم و حوا علیہم السلام کے مقامات نزول:

ابن ابی حاتم کہتے ہیں کہ ان سے ابو زرعہ عن عثمان بن ابی شیبہ اور جریر نے سعید اور ابن عباس علیہم السلام کے حوالے سے بیان کیا کہ آدم علیہم السلام جنت سے زمین کے اس مقام پر اترے تھے جو کمک و طائف کے درمیان واقع ہے اور جسے دھنا کہا جاتا ہے جب کہ حسن (بصری) کا بیان یہ ہے کہ آدم علیہم السلام کا نزول ہند میں اور حوا کا جدہ میں ہوا تھا۔ السدی کہتے ہیں کہ آدم علیہم السلام کو پہلے جو حراسو کے ساتھ کے میں اس مقام پر اتر اگیا تھا جہاں حجر اسود آج بھی قائم ہے لیکن بعد میں انہیں ہند بھیج دیا گیا تھا جہاں شجر جنت گیوں کا پودا آج بھی اُگتا ہے۔

ابن عمر علیہم السلام کہتے ہیں کہ آدم صفات میں اترے تھے جب کہ حوار وہ میں اتری تھیں۔ یہی روایت ابن ابی حاتم کی بھی ہے۔ عبد الرزاق اور عمر کہتے ہیں کہ ان سے عوف نے قسام بن زہیر اور ابو موسیٰ الشعرا علیہم السلام کے حوالے سے بیان کیا کہ جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہم السلام کو جنت سے زمین پر اتر ا تو انہیں تمام صنعتوں کا علم بھی عطا فرمادیا۔ اس کے علاوہ انہیں بطور رزق جنت کے پھل بھی عطا فرمائے جن میں اب کچھ تبدیلیاں رونما ہو گئی ہیں لیکن جس کا پھل کھانے کی وجہ سے وہ جنت سے زمین پر اترے گئے اس شجر جنت (گیوں کے پودے) میں ابھی تک کوئی تغیر واقع نہیں ہوا۔

حاکم اپنی کتاب مسند رک میں کہتے ہیں کہ ان سے ابو بکر بن باہر یہ نے محمد بن احمد بن نظر معاویہ بن عمر زائدہ عمار بن ابی معاویہ الجبلی، سعید بن جبیر اور ابن عباس علیہم السلام کے حوالے سے بیان کیا کہ آدم علیہم السلام کا جنت میں قیام کا زمانہ وقت عصر سے غروب آفتاب تک رہا۔ حاکم کے بقول اس روایت میں شیخین (حضرت ابو بکر و حضرت عمر علیہم السلام) کا حوالہ بھی دیا گیا ہے لیکن اس روایت سے استخراج کسی محدث نہیں کیا۔

صحیح مسلم میں اعرج اور ابی ہریرہ علیہم السلام کے حوالے سے زہری کی بیان کردہ روایت یہ ہے کہ آنحضرت علیہم السلام نے فرمایا کہ وہ دون کتنا اچھا تھا جس میں یعنی بروز جمع طلوع آفتاب کے وقت آدم علیہم السلام پیدا ہوئے، اسی روز اور اسی وقت وہ جنت میں واصل ہوئے۔ اور اسی روز اور اسی وقت وہ جنت سے نکلے۔ صحیح مسلم میں اس آخری واقعے کی بھی جسے آنحضرت علیہم السلام نے وقت خیر سے تعبیر کیا یہ تو جیسے کی گئی ہے کہ اسی سے تقویم اوقات کی بنیاد پڑی ہے۔

امام احمد بن یہ حدیث محمد بن مصعب اور اوزاعی کی زبانی ابی عمار عبد اللہ بن فروخ اور ابو ہریرہ علیہم السلام کے حوالے سے روایت کی ہے۔

اس حدیث کی رو سے جسے ابن عساکر نے ابی القاسم بغوی کے توسط، محمد بن جعفر درکانی اور سعید بن میسرہ کی زبانی انس

کے حوالے سے روایت کیا ہے۔ جنت سے زمین پر اترنے کے بعد بھی آدم علیہ السلام کے جسم پر لباس جنت کے کچھ اور اس جنت کے کچھ اور اس باقی تھے جن کی وجہ سے انہیں حرارت ارضی تکلیف پہنچا رہی تھی اور جس کا اظہار انہوں نے حضرت حوا سے کیا تھا نیز یہ کہ پہلے وہ ارض بھٹاک (مکہ) پر اترے تھے۔ اس کے بعد جرمیل علیہ السلام ان کے پاس آئے تھے اور ان سے کہا تھا کہ وہ اپنی الہیت کو تلاش کریں اور انہیں ان کی تلاش کا طریقہ بھی بتا دیا تھا۔ پھر جب حضرت حوا علیہ السلام انہیں مل گئیں تو جرمیل علیہ السلام نے ان سے پوچھا تھا کہ انہوں نے اپنی بیوی کو کیا پایا تو انہوں نے جرمیل علیہ السلام کو جواب دیا تھا کہ ”صالح“۔

یہ بڑی غریب حدیث ہے جس کی روایت عموماً سعید بن میسرہ یعنی ابو عمران الجیری البصري سے منسوب کی جاتی ہے لیکن چونکہ اس کی روایت کردہ احادیث کو وضعی احادیث میں شمار کیا جاتا ہے اسی لیے بخاریؓ نے اس حدیث کو منکر کیا ہے اور اپنے فیصلے میں ابن حبان کا حوالہ دیا ہے۔ ویسے یہ حدیث مجاہد سعید بن جبیر، ابوالعالیہ، ریبع بن انس، حسن بصری، قادہ، محمد بن کعب، خالد بن معدان، عطاء خراسانی اور عبد الرحمن بن زید بن اسلم سے بھی مرودی ہے۔

ابن حاتم کہتے ہیں کہ ان سے علی بن حسین، بن اشکاب اور علی بن عاصم نے سعید بن ابی عروبة، قادہ، حسن اور ابی بن کعب کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ اگر میں توبہ کر لوں تو کیا مجھے (دوبارہ) جنت میں بھیج دے گا؟“ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”ہاں“۔

یہ حدیث درج ذیل کلام الہی سے مطابقت رکھتی ہے:

﴿فَتَلَقَّى آدُمْ مِنْ رَبِّهِ كَلِمَاتٍ فَنَأَتَ هُنَّةً﴾

تاہم یہ حدیث اس لیے غریب ہے کہ اس موضوع پر صرف یہی ایک حدیث دستیاب ہے۔

مندرجہ بالا آیت قرآنی میں لفظ ”کلمات“ سے ابن ابی بحیث نے مجاہد کے حوالے سے آدم علیہ السلام کے درج ذیل کلمات مراد

لیے ہیں:

اللَّهُمَّ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سَبَّحَنْكَ وَبِحَمْدِكَ رَبَّ أَنِي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْلِي أَنْكَ أَنْتَ خَيْرُ الْغَافِرِينَ. اللَّهُمَّ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سَبَّحَنْكَ وَبِحَمْدِكَ رَبَّ أَنِي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَاغْفِرْلِي أَنْكَ خَيْرُ الرَّاحِمِينَ. اللَّهُمَّ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سَبَّحَنْكَ وَبِحَمْدِكَ رَبَّ أَنِي ظَلَمْتُ نَفْسِي فَتَبْعَثْ عَلَى أَنْكَ أَنْتَ التَّوَابُ الرَّحِيمُ .

حاکم نے اپنی کتاب مسند رک میں سعید بن جبیر کے توسط اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے حوالے سے روایت کیا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا کہ ”اے (میرے) پروردگار کیا تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے پیدا نہیں کیا؟“ جواب ملا: ”ہاں“ اس کے بعد آدم علیہ السلام نے عرض کیا: ”کیا تو نے مجھے میں اپنی روح نہیں پہونچی؟“ جواب ملا: ”ہاں“ آدم علیہ السلام نے عرض کیا: اور جب مجھے چھینک آئی تو تو نے فرمایا: ”اللہ تجوہ پر حرم کرے“ جواب ملا: ”درست ہے“ (اللہ تعالیٰ جل شانہ کے اس جواب کے پیش نظر) آدم علیہ السلام نے عرض کیا: ”(اس طرح) تیری رحمت کو تیرے غصب پر سبقت حاصل ہوئی“ جواب ملا: ”ہاں“ آدم علیہ السلام نے عرض کیا:

”کیا میرا (یہ) عمل میرے اعمال میں پہلے نہیں لکھا گیا تھا؟“ جواب ملا: ”ہاں“ (آخر میں) آدم علیہ نے عرض کیا: (پس) اگر میں توبہ کرلوں تو کیا تیرے پیش نظر یہ ہے کہ تو مجھے جنت میں بھیج دے گا؟ جواب ملا ”ہاں“ توبہ کرلوں تو کیا تیرے پیش نظر یہ ہے کہ تو مجھے جنت میں بھیج دے گا؟ جواب ملا ”ہاں“۔

حاکم نے اس روایت کو صحیح الاسناد بتایا ہے لیکن اس پر اپنی ذاتی رائے کا اظہار نہیں کیا۔

حاکم کے علاوہ یہی اور ابن عساکر سے بتوسط عبد الرحمن بن زید بن اسلم اور آخراً خراذ کر کے والد اور دادا نیز عمر بن خطاب (رضی اللہ عنہ) کے حوالے سے یہ حدیث بھی مردوی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”جب آدم علیہ السلام سے خطسرزد ہو جکی تو انہوں نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ اے میرے رب میں تجوہ سے التجا کرتا ہوں کہ تو بحق محمد ﷺ مجھے معاف فرمادے“ تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سوال کیا گیا کہ ”تم محمد ﷺ کو کیسے جانتے ہو؟“ آدم علیہ السلام نے عرض کیا کہ جب تو نے مجھے اپنے ہاتھ سے تخلیق کر کے مجھے میں اپنی روح پھونکی تو میں نے اور پر اٹھایا اور دیکھا کہ تو ا تم عرش پر لکھا ہے: ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدُ رَسُولُ اللَّهِ“ تو میں نے سمجھ لیا کہ تو نے جس ہستی کا نام اپنے نام کے ساتھ اضافہ فرمایا ہے وہ کوئی ایسی ہستی نہیں ہو سکتی جو تجھے تیری تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب نہ ہو۔ (آدم علیہ السلام سے یہن کر) اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ”اے آدم تم نے سچ کہا وہ مجھے میری تمام مخلوقات میں سب سے زیادہ محبوب ہے اور (چونکہ) تم نے اس کا واسطہ دے کر مجھے سے دعا کی ہے (لہذا) میں نے تمہیں معاف کر دیا اور اگر محمد نہ ہوتے تو میں تمہیں پیدا نہ کرتا۔“

اگرچہ یہی نے اس حدیث کو عبد الرحمن بن زید بن اسلم کے حوالے سے منتخب کر کے پیش کیا ہے تاہم اسے ضعیف احادیث میں شمار کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم۔ البتہ اس سلسلے میں یہ فرمان الہی بھی پیش نظر رہنا چاہیے:

﴿وَ عَصَى آدُمْ رَبَّهُ فَغَوَى ۝ ثُمَّ أَجْبَاهُ رَبَّهُ قَتَابَ عَلَيْهِ وَ هَدَى﴾



آدم و موسی علیہما السلام کے مابین بحث

بخاری نے بحوالہ تفہیہ، ایوب بن نجاشیجی بن ابی کثیر ابی سلمہ اور ابو ہریرہ یہ حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) روایت کی ہے کہ آپ نے فرمایا کہ آدم و موسی علیہما السلام کے مابین ایک بحث میں موسی نے آدم سے کہا کہ انہوں (آدم) نے ایک خطا کر کے تمام نوع انسانی کو جنت سے نکلوادیا تو آدم نے جواب دیا کہ اے موسی (علیہما السلام) خدا نے آپ کو اپنی رسالت اور (دودبو) کلام سے سرفراز فرمایا لیکن کیا آپ مجھے اس خطا پر موردا الزام ٹھہر ار ہے ہیں جو میری تخلیق سے قبل میرے لیے لکھ دی گئی تھی؟

یہ حدیث مسلم نے عمر والناقد اور نسائی نے محمد بن عبد اللہ بن یزید اور ایوب بن نجاشی کے حوالے سے روایت کی ہے لیکن ابو مسعود دمشقی کہتے ہیں کہ ان صحیحین (صحیح مسلم اور صحیح نسائی) کے سوا انہوں نے اس حدیث کی روایت میں کسی اور کا حوالہ نہیں دیا جب کہ یہ حدیث امام احمد سے بھی بحوالہ عبد الرزاق، معمڑہ، هام اور ابو ہریرہ میں لکھا گردی ہے۔

امام احمد اسی حدیث کو (اپنی منند میں) ابوکامل، ابراہیم، ابو شہاب، حمید بن عبد الرحمن اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آدم و موسی علیہما السلام کے مابین ایک بحث کے دوران میں موسی نے آدم سے کہا کہ ”آپ ایک خطا کے سبب جنت سے خروج کا باعث ہے“، آدم نے جواب دیا: ”آپ کو اللہ تعالیٰ اپنی رسالت اور (دودبو) اپنے کلام سے سرفراز فرمایا لیکن کیا آپ مجھے میری اس خطا پر موردا الزام ٹھہراتے ہیں جو میرے حق میں میری تخلیق سے قبل لکھ دی گئی تھی؟“۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے کہ ”یہ بحث آدم و موسی علیہما السلام کے مابین دوبار ہوئی“۔

جہاں تک میری معلومات کا تعلق ہے یہی حدیث بخاری و مسلم دونوں نے زہری کی زبانی اور حمید بن عبد الرحمن اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔ (مؤلف)

و یہ یہ حدیث سفیان نے بھی ابو الزناد، اعرج اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے اسی طرح اور انہی الفاظ میں روایت کی ہے نیز راویوں کی ایک اور جماعت نے بھی اسے اسی طرح روایت کیا ہے جب کہ ابن ماجہؓ نے اسے سفیان بن عینہ، عمرو بن دینار، عبد اللہ بن طاؤس، عبد اللہ کے والد طاؤس اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے دس جگہ مختلف الفاظ میں روایت کیا ہے۔

امام احمد (اپنی منند میں) ایک جگہ کہتے ہیں کہ ان سے عبد الرحمن اور حماد نے عمار اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ جب موسی نے آدم کو دیکھا تو ان سے کہا کہ آپ وہی آدم ہیں جنہیں اللہ تعالیٰ نے خود اپنے دست قدرت سے تخلیق کیا اور آپ میں اپنی روح پھونکی، فرشتوں سے آپ کو تجدہ کرایا اور آپ کو جنت میں رکھا (پھر بھی) آپ نے یہ خطا کی! آدم نے جواب دیا۔ آپ کو اللہ تعالیٰ نے رسالت بخشی، آپ پر توریت نازل کی۔ اس نے آپ سے (دودبو) گفتگو فرمائی

لیکن کیا آپ بھی مجھے اس خطاب پر موردا لازم سمجھتے ہیں جو میری تخلیق سے (چالیس سال) قبل میرے حق میں لکھ دی گئی تھی۔

کہا جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام نے اس بحث میں فرمان الہی ﴿وَ عصى آدم ربه فغوى﴾ کا حوالہ بھی دیا تھا۔ (مؤلف)

فرقہ قدریہ نے اس حدیث کی صحت سے ارتکاب کیا ہے جب کہ فرقہ جبیریہ نے اس کی صحت کی تصدیق کی ہے۔

تحقیق مرید سے معلوم ہوا کہ یہ حدیث دوسرے متعدد روایوں نے بھی مختلف الفاظ میں روایت کی ہے؛ جن میں کہیں لفظی

اور کہیں معنوی اختلاف پائے جاتے ہیں تاہم اس کی صحت کو انساد قوی کی بنا پر ہر جگہ تسلیم کیا گیا ہے۔ ابتدۂ تمام علماء (جعفر شیعی) نے یہ

بھی تسلیم کیا ہے کہ مویٰ علیہ السلام کا اس سلسلے میں نو شترہ قدر پر اعتراض نہیں تھا اور بالکل اسی طرح آدم علیہ السلام کے جواب میں بھی ان کا

اشارہ اپنی مصیبت کی طرف تھا نہ کہ معصیت بالقدر کی طرف۔ واللہ اعلم



تجلیق آدم علیہ السلام پر احادیث نبوی کا ذکر

امام احمد فرماتے ہیں کہ ان سے تھی، محمد بن جعفر، عوف اور قاسمہ بن زہیر نے ابی موسیٰ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آدم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے زمین کے مختلف حصوں کی منی سے تخلیق فرمایا (اس لیے) نبی آدم زمین کے ان مختلف حصوں کی مختلف خصوصیت کی بنیا پر سعید سرخ سیاہ یا ان کے میں پیدا ہوتے ہیں اسی طرح ان کی طبعی خصوصیات میں طیب، خبیث، شاداں، ملول یا ان کے میں ہونا شامل ہے۔

اسی حدیث کو امام احمد نے ہوذہ اور اشعری وغیرہ کے حوالے سے بھی روایت کیا ہے ترمذی اور ابن حبان نے اپنے اپنے مجموعہ ہائے صحیح میں اس حدیث کو عوف بن ابی جیلہ اعرابی کی زبانی اور قاسمہ بن زہیر المازنی بصری اور ابی موسیٰ عبد اللہ بن قیس الاشعری کے حوالے سے پیش کیا ہے اور ترمذی نے اس حدیث کو ”حدیث صحیح“ اور ”حدیث حسن“ بتایا ہے۔

السدی ابی مالک، ابی صالح، ابین عباس، مرہ، ابن مسعود اور کئی دوسرے اصحاب رسول اللہ ﷺ کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جل شانہ نے پہلے جریل علیہ السلام کو زمین پر بھیجا تھا تاکہ وہ وہاں سے (تجلیق آدم علیہ السلام کے لیے) منی لا میں لیکن زمین نے ان سے کہا کہ میں تم سے اللہ کی پناہ مانگتی ہوں کیونکہ تم مجھ میں بہت سے فناکش نکال کر مجھے طرح طرح سے برا بتاؤ گے۔ زمین سے یہ سن کر جریل علیہ السلام یہاں سے واپس چلے گئے اور اللہ تعالیٰ کے حضور وہ سب باقی عرض کر دیں جو زمین نے ان سے کھی تھیں۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ زمین نے تمہاری طرف سے اذیت محسوس کی ہوگی جو ایسی باقی کہیں۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے زمین سے منی لینے کے لیے میکائیل کو بھیجا تو وہ بھی زمین سے وہی باقی سن کر یہاں سے واپس چلے گئے تو آخر میں اللہ تعالیٰ نے عزرائیل کو بھیجا لیکن انہوں نے زمین کو نہ کوڑہ بالا باقی سن کر کہا کہ وہ اس کی منی بہر حال لے کر جائیں گے اور یہ بھی کہا کہ آئندہ نہ جانے مجھے تیرے کتنے اجزاء پر قبضہ جانا پڑے گا۔ یہ کہہ کر انہوں نے (جگہ جگہ سے) زمین کی منی لے جا کر اللہ تعالیٰ کے حضور پیش کر دی۔ اس کے بعد اسے اگرچہ گوندھ کر یکساں کیا گیا تاہم اس میں زمین کی مختلف طبعی خصوصیات باقی رہیں جو بنی آدم میں ان کے مختلف الالوان ہونے کے علاوہ آج بھی پائی جاتی ہیں۔

بہر کیف اللہ تعالیٰ نے زمین کے مختلف حصوں کی نرم منی کو گارے میں تبدیل فرمایا اس سے آدم کا پٹالا خود اپنے دست قدرت سے بنایا اور فرشتوں سے فرمایا: (میں نے آدم کو منی سے تخلیق کیا ہے) پھر جب اللہ تعالیٰ نے آدم علیہ السلام کے اس پتلے میں اپنی روح پھونکی تو اللہ تعالیٰ کے حکم پر تمام فرشتوں نے ابلیس کے سوا نہیں سجدہ کیا۔

مذکورہ بالا روایوں کی روایت کردہ اس حدیث سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ روح آدم کے سر کی طرف سے پھونکی گئی تھی جس سے ان کے دماغ میں روشنی آئی، جب وہ ان کی آنکھوں تک پہنچی تو انہیں بصارت حاصل ہوئی اور وہ جنت کی مختلف چیزیں دیکھنے

لگے، پھر جب روح ان کے شکم تک پہنچی تو انہیں کھانے پینے کی خواہش ہوئی۔ اس کے بعد جب روح بدر تنگ ان کے مخنوں تک پہنچی تو وہ چلنے پھرنے کے قابل ہوئے اور جلدی جلدی اثمار جنت کی طرف بڑھے جس کا ثبوت فرمان الٰہی ﴿خُلُقُ الْأَنْسَانَ مِنْ عَجَلٍ﴾ سے ملتا ہے۔ دیسے اس حدیث سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ آدم کی تخلیق کے وقت اس گارے کو جس سے ان کی تخلیق ہوئی تھی سنکر میں تبدیل کروایا گیا تھا۔ اس لیے جب روح ان کے منہ تک پہنچی تھی تو ان کے منہ سے مخکرے کے بختی کی سی آواز نکلی تھی۔ اس کا ثبوت تخلیق آدم علیہ السلام میں فرمان الٰہی ﴿مِنْ صَلْصَالٍ كَالْفَخَارِ﴾ سے ملتا ہے۔

اس سلسلے میں اسی قبیل کی متعدد روایات ملتی ہیں جن میں کچھ اسرائیلیات سے ماخوذ روایات بھی شامل ہو گئی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کی ایک حدیث مبارکہ سے ہے ابو ہریرہ بنی خذل کے حوالے سے روایت کیا گیا ہے پتہ چلتا ہے کہ آدم ﷺ کا قدس سرگز تھا جس کے بعد رفتہ رفتہ بنی آدم کا قدم ہوتے ہوتے اس حد تک آگیا جو کم و بیش آج کل دیکھا جاتا ہے۔ حدیث نبوی (ﷺ) کے الفاظ یہ ہیں:

انَّ اللَّهَ خَلَقَ آدَمَ وَطَوَّلَهُ سَتِينَ ذِرَاعًا فَلَمْ يَزِلِ الْخَلْقُ يَنْقُصُ حَتَّى الْآنِ.

ایک اور حدیث سے جو متعدد مستند حوالوں سے روایت کی گئی ہے پتہ چلتا ہے کہ آدم کو جنت سے اول اڈل مکہ کے مقام صفا پر اتار کر جبریل ﷺ نے جو انہیں کھانے کی مختلف چیزوں دی تھیں ان میں گندم بھی شامل تھا جس کے آٹے سے زمین پر پہلی بار روٹی پکائی گئی۔

اس سلسلے کی بہت سی دوسری احادیث کی جتو تحقیق سے یہ بھی معلوم ہوا کہ آدم و حوا ﷺ جنت سے پہلے زمین کے الگ الگ مقامات پر اترے تھے۔ اس کی تقدیق فرمان الٰہی ﴿فَلَا يُخْرِجُنَّكُمَا مِنَ الْجَنَّةِ فَتَشْقَى﴾ سے بھی ہوتی ہے۔ ان احادیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ جب آدم و حوا ﷺ ایک جگہ اکٹھے ہوئے اور ان کے اولاد پیدا ہونا شروع ہوئی تو ان میں ایک لڑکا اور ایک لڑکی تو ام پیدا ہوتے تھے لیکن ان میں لڑکوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا حکم یہ تھا کہ وہ اپنے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کی بجائے صرف اپنے بھائی کے ساتھ پیدا ہونے والی لڑکی کو اپنی زوجیت میں لے سکیں گے۔



آدم عَلَيْهِ السَّلَامُ کے بیٹوں قابل وہابیل کا قصہ

قابل وہابیل کا قصہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف میں یوں بیان فرمایا ہے:

”اور (اے محمد) ان کو آدم عَلَيْهِ السَّلَامُ کے دو بیٹوں (قابل اور قابل) کے حالات جو (بالکل) چھ (بین) پڑھ کر سنادو کر جب ان دونوں نے (خدا کی جانب میں) کچھ نیازیں چڑھائیں تو ایک کی نیاز تو قبول ہو گئی اور دوسرے کی نہ ہوئی (تب قابل وہابیل سے) کہنے لگا کہ میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اس نے کہا کہ خدا پر ہیزگاروں ہی کی (نیاز) قبول فرمایا کرتا ہے اور اگر تو مجھے قتل کرنے کے لیے مجھ پر ہاتھ چلانے گا تو میں تجھے کو قتل کرنے کے لیے تجھ پر ہاتھ نہیں چلاوں گا مجھے تو خدائے رب العالمین سے ڈر لگتا ہے، میں چاہتا ہوں کہ تو اپنے گناہ میں بھی ماخوذ ہوا اور اپنے گناہ میں بھی پھر (زمرة) اہل دوزخ میں ہوا اور ظالموں کی بھی سزا ہے۔ مگر اس کے نفس نے اس کو بھائی کے قتل ہی کی ترغیب دی تو اس نے اسے قتل کر دیا اور خسارہ اٹھانے والوں میں ہو گیا۔ اب خدا نے ایک کو ایجاد جو زمین کریدنے لگاتا کہ اسے دکھائے کہ اپنے بھائی کی لاش کو کونکر چھپائے۔ کہنے لگا اے ہے مجھ سے اتنا بھی نہ ہو سکا کہ اس کوے کے برابر ہوتا کہ اپنے بھائی کی لاش چھپا دیتا پھر وہ پیشان ہوا۔“ (۲۷:۵-۶، ۳۱)

ہم نے اس قصے کو بحمد اللہ سورہ مائدہ کی تفسیر کرتے ہوئے اپنی کتاب تفسیر میں حتی الامکان تفصیلًا پیش کیا ہے۔ بہر کیف ہم اسے یہاں ائمہ سلف کے بیانات کی روشنی میں مختصر اپیش کر رہے ہیں۔

السدی بحوالہ ابی مالک، ابی صالح، ابن عباس[ؓ]، مرہ ابن مسعود[ؓ] اور کئی دوسرے صحابہ کرام عَلَيْهِمُ السَّلَامُ بیان کرتے ہیں کہ جب آدم عَلَيْهِ السَّلَامُ کے ہاں سلسلہ تو الدو تناسل شروع ہوا تو انہوں نے یہ اصول رکھا کہ ان کا ہر بیٹا اپنے بعد پیدا ہونے والے بھائی کی بہن سے نکاح کرے اور انہوں نے اسی اصول کے تحت جو حکم اللہ پرمنی تھا قابل کو حکم دیا کہ وہ اس کے بعد پیدا ہونے والے بھائی اپنے بہن کی بہن سے عقد کرے اور ہابیل قابل کی بہن کو اپنی زوجیت میں لائے لیکن قابل جو ہابیل سے بڑا تھا اکثر گیا اور ہابیل سے اپنی بہن کی شادی کرنے سے صاف انکار کر دیا جب کہ اس صورت میں قابل کی شادی ہابیل کی بہن سے ہوئی جو بہت حسین تھی لیکن ہابیل کے سمجھانے کے باوجود قابل اپنی ضد پر اڑا رہا بلکہ ہابیل سے یہاں تک کہا کہ اگر وہ اس کی بہن سے شادی پر اصرار کرے گا تو وہ اسے قتل کر دے گا۔ حضرت آدم عَلَيْهِ السَّلَامُ کو بھی اصرار تھا کہ ہابیل قابل کی بہن سے شادی کرے لیکن قابل کی عمد کے پیش نظر انہیں حکم دیا کہ وہ دونوں خدائے قدوس کے حضور قربانی پیش کریں اور جس کی قربانی بارگاہ حق میں قبول ہو جائے گی اس کی بات مانی جائے گی۔ یہ حکم دے کر آدم عَلَيْهِ السَّلَامُ کے لیے روانہ ہو گئے اور اپنے دونوں بیٹوں سے کہتے گئے کہ وہ اپنی اپنی املاک کے علاوہ دوسرے کی املاک کی حفاظت کا بھی خیال رکھے۔ ہابیل تو آدم عَلَيْهِ السَّلَامُ کے اس حکم پر عمل کے لیے تیار ہو گیا جب کہ قابل نے اس سے بھی انکار کر دیا حالانکہ قابل کی بھیز بکریوں کے رویہ بہت زیادہ تھے جب کہ ہابیل کی ملکیت صرف کچھ زراعتی زمین تھی۔

جب ان دونوں بھائیوں نے اپنی اپنی قربانی بطور نذر خدا ساتھ ساتھ ایک جگہ رکھیں تو آسمان سے ایک بجلی کی طرح ایک شعلہ آیا اور بابیل کی قربانی کو لے اڑا جس کا یہ مطلب تھا کہ بابیل کی قربانی بارگاہ خداوندی میں قبول ہو گئی جب کہ قابیل کی قربانی اپنی جگہ موجود رہی جس کا یہ مطلب تھا کہ اس کی قربانی ناقابل قول ہے۔ یہ دیکھ کر قابیل اور بچپر گیا بابیل نے اسے لاکھ سمجھا نے کی کوشش کی کہ بارگاہ خداوندی میں نذر کی قبولیت کی شرط صرف قربانی پیش کرنے والے کی پر ہیزگاری ہوتی ہے۔ بابیل سے یہ سن کر قابیل اور غضب ناک ہو گیا۔ اور اس نے اپنے بھائی بابیل کو قتل کر دیا۔

اس کے بعد جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک کو اواہاں آیا اور زمین کریدنے لگا جس سے قابیل کو یہ اشارہ ملا کہ وہ بابیل کی لاش زمین میں کس طرح چھپائے۔ قابیل بولا کہ اس سے زیادہ عشق مند کو اسی رہا اور اس نے زمین کھو دکر اس میں بابیل کی لاش دفن کر دی۔ مورخین کا اس بات پر اتفاق ہے کہ زمین پر نوع انسانی میں یہ پہلا قتل تھا۔ جن راویوں نے ایک حدیث کے حوالے سے یہ بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد کے مطابق قاتل نے اگر مقتول کو آخراں ذکر کے کسی گناہ پر اسے قتل کیا ہے تو قتل کا حرم نہیں ہوتا اور اس پر شرعاً قاتل کی ذمہ داری عائد نہیں کی جاسکتی اس کی کوئی اصل نہیں ہے اور جملہ محدثین نے اس روایت کو بطور حدیث پیش کیے جانے کو غلط ظہر ہے ایسا ہے کیونکہ جملہ صحیح احادیث میں قتل کو عظیم ترین گناہ بتایا گیا ہے۔ ہم نے اس مسئلے پر اپنی کتاب تفسیر میں مفصل گفتگو کی ہے۔

مورخین اور اہل سیر نے بیان کیا ہے کہ آدم ﷺ نے بابیل کی موت پر مرثیہ کہا تھا جو دنیا کا بالاتفاق پہلا مرثیہ کہا جاتا ہے۔ ایک صحیح حدیث کی روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ المناک و افات پر اظہار غم ایک فطری عمل ہے اور آنحضرت ﷺ نے بابیل کے قتل پر آدم ﷺ کے اظہار غم کو انسان کے لیے ایک فطری عمل ہی قرار دیا۔ اس موضوع پر علماء نے بڑی تفصیل سے اظہار خیال کیا ہے جس پر شرح و بسط کے ساتھ اظہار رائے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔

بعض علماء کے بیانات کے مطابق آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ یوسف ﷺ کے حسن کا ایک حصہ دیا گیا تھا۔ علماء نے آنحضرت ﷺ کے اس قول مبارک سے یہ معانی اخذ کیے ہیں کہ یوسف کو آدم ﷺ کے حسن کا نصف حصہ دیا گیا تھا علمائے کرام کا رسول اللہ ﷺ کے مندرجہ بالا قول مبارک سے یہ تجھے اخذ کرنا نامناسب یا العید از قیاس نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے آدم ﷺ کو اپنے دست قدرت سے پیدا کیا جب کہ ساری کائنات کی حیثیت تخلیق اللہ تعالیٰ کے حکم ”کن نیکون“ سے ظاہر ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے آدم میں اپنی روح پھوکی اور فرشتوں کو یہ حکم دے کر کہ انہیں سجدہ کریں انہیں اعلیٰ ترین عظمت سے سرفراز فرمایا۔ پھر جب فرشتوں نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا کہ آدم ﷺ کو زمین پر تو نے اپنی خلافت سونپ کر وہاں کی ہر چیز پر انہیں تسلط عطا فرمایا ہے اب جنت کو ہمارے لیے مخصوص فرمادے۔ فرشتوں کے اس التماس کے جواب میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد کہ جنت بھی اس کی صالح ذریات کے لیے مخصوص ہے جس نے اپنے ہاتھ سے پیدا کیا، اس میں اپنی روح پھوکی اور اس سے اپنی صورت پڑھالا اس امر کی بین دلیل ہے کہ خود اللہ تعالیٰ کے نزدیک ابوالبشر حضرت آدم ﷺ کی عظمت کیا تھی۔

حضرت آدم علیہ السلام کی وفات اور اپنے بیٹے شیث کو ان کی وصیت

شیث کے معنی اللہ کے نام بھے کے ہوتے ہیں۔ اپنے اس بیٹے کا یہ نام آدم علیہ السلام نے اس لیے رکھا تھا کہ انہیں تو اللہ تعالیٰ اپنی قدرت سے رزق دے ہی رہا تھا لیکن ان کے اس بیٹے کے لیے بھی بغیر مشقت ہاتھیل کے قتل کے بعد رزق کا وہی (اللہ تعالیٰ) ضامن تھا۔

ابوذر شیخ شفعت آنحضرت علیہ السلام کی ایک حدیث روایت کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ رسول اللہ علیہ السلام نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے (اپنے پیغمبروں پر) صحیفے اور چار (مکمل آسمانی) کتابیں نازل فرمائیں جن میں سے پچاس صحیفے صرف شیث (علیہ السلام) پر نازل فرمائے۔

محمد بن الحنفی (ایک حدیث کے حوالے سے) فرماتے ہیں کہ جب آدم علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹے شیث علیہ السلام کی وصیت کی، انہیں شب و روز کی ساعتوں اور ان ساعتوں میں عبادات نیز (آنندہ) آنے والے طوفان کے بارے میں بتایا۔ ابن الحنفی کچھ دوسری روایات کے حوالے سے یہ بھی بیان کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام نے صرف شیث بلکہ جملہ بن آدم کو پیش آنے والے واقعات کے بارے میں بھی بتا دیا تھا۔ واللہ اعلم

حضرت آدم علیہ السلام نے جمع کے روز وفات پائی۔ اللہ تعالیٰ نے فرشتوں کے ہاتھ ان کی لاش کے لیے جنت سے اشیائے خنوٹ اور کفن بھیجا جوان کے بیٹے شیث اور ان کی وصیت کے لیے بھی بڑا اعزاز تھا۔

ابن الحنفی مزید بیان کرتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد سورج اور چاند سات روز تک مسلسل رات دن گھن میں رہتے۔

عبد اللہ بن امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ ان سے ہدبه بن خالد اور حماد بن سلمہ نے حمید، حسن اور تیجیٰ یعنی ابن ضمرہ السعدی کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے مدینے میں ایک شخص کو گفتگو کرتے ہوئے سن تو لوگوں سے اس کے بارے میں دریافت کرنے پر معلوم ہوا کہ وہ ابی بن کعب ہیں۔ اب کعب کہہ رہے تھے کہ جب آدم علیہ السلام کی وفات قریب آئی تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا کہ ان کا جی جنت کے پھل کھانے کو چاہ رہا ہے اور ان سے فرمائش کی کہ وہ انہیں کہیں سے ڈھونڈ کر لائیں۔ یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کے زمین پر نزول کے وقت ان کے ساتھ جنت کے پھل اور ان کے پودے جن میں گیہوں کا پودا بھی شامل تھا بھجوائے تھے۔ چنانچہ جب وہ (آدم علیہ السلام کے بیٹے) ان کی تلاش میں نکلے تو ان کا سامنا ان فرشتوں سے ہو گیا جو آدم کی تجدیہ و تکفین، خنوٹ اور ان کی تدفین کے لیے دوسرا سامان لے کر آ رہے تھے۔ فرشتوں نے ان سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہے ہیں اور کیا لینے جا رہے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ وہ اپنے مریض باپ کے لیے جنت کے پھلوں کی تلاش میں جا رہے ہیں کیونکہ ان کے والد کو

ان کے کھانے کی خواہش ہے۔ فرشتوں نے یہ سن کر کہا کہ ان کے والد تو قضاۓ الٰہی سے فوت ہو چکے ہیں۔ فرشتوں سے یہ سن کر آدم کے بیٹے اپنے گھر کی طرف لوٹے تو فرشتے بھی ان کے ساتھ ہو لیے لیکن جب وہ ان کے مکان پر پہنچ تو بی بی حوانہ بی پچان کر بولیں کہ اللہ تعالیٰ نے آدم کو ان سے جدا کر دیا ہے اور یہ کہہ کر انہوں نے فرشتوں کو آدم علیہ السلام کی میت کے قریب جانے کے لیے راستہ چھوڑ دیا۔ فرشتوں نے آدم علیہ السلام کی میت کو غسل دے کر اسے حنوط کیا۔ پھر اسے کفنا کر اس کے لیے قبر کھودی اور اس میں اسے دفن کر کے فاتحہ پڑھی اور آدم کے بیٹوں سے کہا کہ ”یہی تھماری اور باقی تمام بی آدم کے لیے آج سے سنت ہوگی۔“ اس روایت کی جملہ اسناد صحیح اور مستند ہیں۔ (مؤلف)

شیان بن فروخ کی طرح ابن عسا کرنے بھی محمد بن زیاد میمون بن مہران اور ابن عباس رض کے حوالے روایت کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ فرشتوں نے آدم علیہ السلام (کے جنازے) پر چار تکبیریں کی تھیں، اسی طرح ابو بکر، فاطمہ رض (کے جنازے) پر چار تکبیریں کیے گئے، عمر، ابو بکر رض کے جنازے پر چار تکبیریں اور اسی طرح صہیب، عمر رض (کے جنازے) پر چار تکبیریں کیے گئے۔ ابن عسا کر کہتے ہیں کہ اس حدیث کی میمون نے ابن عمر رض کے حوالے سے بھی روایت کی ہے۔

آدم علیہ السلام کے مدفن کے بارے میں موخرین میں باہم اختلافات ہیں سب سے زیادہ مشہور روایت یہ ہے کہ آدم ہندوستان میں پہاڑ سے اتر کر جس میدان میں آئے تھے ان کا مزار وہ ہیں ہے لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کی قبر کے کوہ ابو قبیس پر ہے۔ بعض روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ان کا سر مسجد ابراہیم میں ہے اور ان کے پاؤں صحرہ بیت المقدس تک پہلی ہوئے ہیں۔

ایک روایت یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام نے طوفان کے وقت آدم و حوانہ رض دونوں کی لاشیں ایک تابوت میں رکھ کر بیت المقدس پہنچائی تھیں۔ یہ روایت ابن جریر کی ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حوانہ آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سال بعد ہی وفات پا گئی تھیں۔ آدم علیہ السلام کی عمر کے بارے میں بھی روایات میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ہم نے اس سے قبل حدیث کے حوالے سے اس سلسلے میں جو روایت پیش کی ہے اس میں تایا گیا ہے کہ آدم علیہ السلام کی عمر لوح محفوظ میں ایک ہزار سال درج ہے جب کہ توریت میں بتایا گیا ہے کہ وہ نوستمیں سال زندہ رہے۔ توریت کا یہ بیان بظاہر مذکورہ بالاحدیث سے متعارض ہے لیکن غور کیا جائے تو یہ تعارض باقی نہیں رہتا۔ کیونکہ توریت کے بیان میں بدیہی طور پر آدم علیہ السلام کے جنت سے زمین پر اتر کر زندہ رہنے کا ذکر ہے اور نوستمیں سال کی یہ مدت بھی سمشی سال کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ اگر اس میں قمری سال کے لحاظ سے ستائیں سال اور بڑھادیئے جائیں تو آدم علیہ السلام کی زندگی کی یہ مدت نوسو ستاون سال ہو جاتی ہے اور اگر اس میں ابن جریر کی روایت کے مطابق آدم علیہ السلام کی جنت میں زندگی کے ۲۸۳ سال اور اضافہ کر دیئے جائیں تو ان کی زندگی کی مجموعی مدت وہی ایک ہزار ہو جاتی ہے جو مذکورہ بالاحدیث کے حوالے سے بیان کی گئی ہے۔

عطاء الخراسانی کہتے ہیں کہ آدم علیہ السلام کی وفات پر ساری مخلوق خداوندی سات دن تک گریدوزاری میں بیتلاری۔

ابن عسا کر سے روایت ہے کہ آدم علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے بیٹے شیث علیہ السلام ان کے جانشین ہوئے اور ایک

باب ۸

قصہ حضرت نوح علیہ السلام

حضرت نوح علیہ السلام لاکم بن متولی بن خوخ کے فرزند تھے جب کہ خوخ تاریخ میں عموماً ادریس بن یرد بن مہلا تیل بن قین بن انوش ابن شیث بن ابو البشر آدم علیہ السلام کے نام سے مشہور ہیں۔

جیسا کہ ابن جریر نے بیان کیا ہے حضرت نوح علیہ السلام کی ولادت حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھیس سال بعد ہوئی تھی لیکن قدیم اہل کتاب کے مطابق وہ حضرت آدم علیہ السلام کی وفات کے ایک سو چھیس سال بعد پیدا ہوئے تھے۔ تاہم حافظ ابو حاتم بن حبان نے اپنی تاریخ صحیح میں حضرت آدم علیہ السلام کی وفات اور حضرت نوح علیہ السلام کی ولادت میں درمیانی فصل کے بارے میں محمد بن عمر بن یوسف وغیرہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ ایک شخص نے آنحضرت علیہ السلام سے دریافت کیا کہ آیا حضرت آدم علیہ السلام اور حضرت نوح علیہ السلام دونوں نبی تھے اور جب آپ نے اس کے سوال کا اثبات میں جواب دیا تو اس نے حضرت آدم علیہ السلام کی وفات اور حضرت نوح علیہ السلام کی پیدائش کے درمیانی وققے کے بارے میں آپ سے سوال کیا تو آپ نے دس قرون فرمایا۔ یہ حدیث مسلم نے پیش کی ہے لیکن اس کا کہیں سے استخراج نہیں کیا۔

صحیح بخاری میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہی حدیث آئی ہے اور اس میں بیان کیا گیا ہے کہ ایک قرن سے یہاں مراد سو سال ہیں۔ اس طرح وفات حضرت آدم علیہ السلام اور ولادت حضرت اور لیس علیہ السلام کا درمیانی فصل ایک ہزار سال قرار پاتا ہے نیز یہ کہ اس دوران میں حضرت آدم علیہ السلام کی جملہ اولاد کا نہ ہب اسلام تھا۔ البتہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے صحیح بخاری میں جو روایت بیان کی گئی ہے اس پر تمام اہل اسلام متفق ہیں اس سے جوبات تبارہ ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ حضرت اور لیس علیہ السلام کی اولاد کا نہ ہب اسلام نہیں تھا۔ اس طرح کچھ مورثین اور اہل کتاب کی اس بارے میں روایات صحیح قرار پاتی ہیں لیکن حضرت اور لیس علیہ السلام کے بعد حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد اسلام پر قائم نہیں رہی۔ تاہم ابن امامہ کی روایت سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ غیر مسلم مورثین اور اہل کتاب کا یہ بیان کہ قابل اور اس کے بعد ہی سے آدم علیہ السلام کی اولاد اسلام کے دائرے سے خارج ہو گئی تھی غلط ہے۔

اگر قرن سے مراد ہی آدم کا ایک زمانہ یا ان کی ایک نسل لیا جائے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ ”ہم نے نوح کے بعد کوئی قرون کے لوگوں کو بلا کر کہا اور قرن آخر میں ان کی نشأۃ ثانیہ کی اور یہ بھی فرمایا کہ اس دوران میں ان کی کئی قرون یعنی نسلیں گزریں اور یہ بھی کہ اس سے قبل ان کی کئی نسلیں گزر چکی تھیں اور اس کے علاوہ آنحضرت علیہ السلام کی حدیث مبارکہ کو کہ ”میرا زمانہ خرا القرون ہے، پیش نظر رکھا جائے تو اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام سے پہلے ہی بنی آدم کی کئی نسلیں دنیا میں رہ چکی تھیں اور اس طرح حضرت اور لیس علیہ السلام سے حضرت نوح علیہ السلام تک ہزاروں سال ہو جاتے ہیں اور یہی بات اللہ تعالیٰ نے

فرمائی ہے کہ ”اس دوران میں کئی قرون یعنی تسلیم تھیں،“ - واللہ اعلم

بہر کیف نوح ﷺ وہی تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے اس وقت نبوت عطا فرمائی جب اس زمانے کے لوگ اصنام پرستی اور حد درجہ گراہی میں بنتا تھا اور وہ اللہ تعالیٰ کے پہلے شفیر تھے جنہیں اس نے زمین پر نبوت کے مہدہ جلیلہ سے سرفراز فرمایا جیسا کہ اہل موقف قیامت کے دن بھی کہیں گے۔ حضرت نوح ﷺ کی قوم کا نام جیسا کہ ابن جبیر وغیرہ نے بیان کیا ہے بور اس ب تحا اور وہ اسی نام سے مشہور تھی۔

ابتدئے اس روایت میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ حضرت نوح ﷺ کو پچاس سال کی عمر میں نبوت عطا ہوئی جب کہ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ وہ اس وقت تمیں سو پچاس سال کی عمر کو پہنچ چکے تھے اور بعض روایوں کے بیان کے مطابق وہ اس وقت چار سو اسی سال کے ہو چکے تھے۔ یہ روایات ابن جبیر نے بیان کی ہیں اور انہیں حوالہ بحوالہ ابن عباس ہی تک پہنچا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح کا تصدہ اور یہ کہ ان کی قوم میں جن لوگوں نے ان کی ہدایات پر عمل کرنے سے نہ صرف انکار کیا بلکہ انہیں کاذب اور گمراہ تھہرایا اور ان سے مجرمات طلب کیے اور تا آخراً کفر و ضلالت میں بنتا رہے تا آنکہ ان پر طوفان عظیم کی صورت میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے عذاب نازل ہوا اور وہ لوگ جنہوں نے حضرت نوح ﷺ کا اتباع کیا تھا اور ان پر اور خدائے تعالیٰ پر ایمان لا چکے تھے کس طرح ان کے ساتھ کشتمیں سوار ہو کر اس طوفان عظیم اور دردناک عذاب سے نق نکلے تھے سورہ ہائے اعراف، یونس، ہود، انبیاء، مومون، شعرا، عکبوبت، صافات، اقترب میں تفصیل بیان فرمایا ہے بلکہ اس قصے کی مکمل تفصیل کے ایک پوری سورت (سورہ نوح) بھی نازل فرمائی ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے سورت سورہ برآۃ اور سورہ ابراہیم میں بھی حضرت نوح اور عاد و شمود کی قوموں پر عذاب انہی کے نزول کا ذکر فرمایا ہے۔ تاہم ہم نے حضرت نوح کی وادت کے حالات تمام کے تمام کتاب و سنت اور دوسری دینی کتب سے لیے ہیں اور ان میں ابن عباس ہی تکمیل کی روایات کو مقدم سمجھا ہے اور انہی کو ترجیح دی ہے جیسا کہ ہم نے اس سے قبل حضرت اوریس ﷺ کی وفات اور حضرت نوح کی ولادت کے درمیانی فصل کے بارے میں قروں کا ذکر کرتے ہوئے انہی کی روایات کا حوالہ دیا ہے اور وہی روایات بخاریٰ نے بھی پیش کی ہیں۔ ویسے بخاریٰ نے ابن عباس ہی تکمیل کی جو روایات قوم نوح کے بعد دیگر اقوام کے بارے میں ابن جریرؓ اور عطاءؓ کے حوالے سے پیش کی ہیں اور ”کلہم علی الاسلام“ کے الفاظ یعنی وہ سب اسلام پر تھیں استعمال کیے ہیں ان میں یہ بھی بتایا ہے کہ ابن عباس ہی تکمیل نے وہ روایات احادیث نبویٰ کے علاوہ متعلقہ قرآنی آیات کے حوالے سے بیان کی ہیں اور ان اقوام کے بعد عرب کی دوسری اقوام جوزمانہ رسول اللہ ﷺ تک نسل اسے بدلنے کے اسنام پرستی میں بنتا ہوئیں اس کے اسباب بھی تفصیل سے بیان کیے ہیں اور ان سے قبل قوم نوح کے رجال صالحین کا بھی ذکر کیا ہے۔

یہ روایات عکرمہ، ضحاک، قادہ اور محمد بن الحنفی نے بھی مذکورہ بالاحوالوں ہی سے پیش کی ہیں۔

حضرت نوح ﷺ کے تبعین کی نسلوں کے جو افراد عرصہ بعید و مدت مدید تک اسلام پر قائم رہے ان کی اصنام پرستی کے آغاز کے اسباب میں سے ابی حاتم نے متعدد حوالوں سے ایک سبب یہ بھی بیان کیا ہے کہ اس زمانے کے کچھ لوگ اپنے کسی عزیز کی

وفات کے بعد اس کی قبر پر اظہار افسوس اور گریہ و زاری کر رہے تھے کہ اس وقت شیطان انسانی شکل میں ان کے سامنے آ کر بولا کہ وہ خواہ مخواہ اس شخص کی موت پر نوح کنان میں جب کہ وہ اسے زندہ سلامت ان کے رو برو لا سکتا ہے۔ شیطان سے یہ سن کر وہ لوگ بولے کہ اگر وہ ایسا کر سکتا ہے تو کر کے دکھائے۔ چنانچہ شیطان فوراً اس مردہ شخص کی شکل اختیار کر کے ان کے سامنے آ گیا۔ پھر بولا کہ اگر وہ چاہیں تو وہ ان کے بہت سے دوسرے مردہ افراد کو بھی زندہ کر کے دکھائے۔ پھر ان کی درخواست پر شیطان نے ایسا ہی کیا اور ان کے متعدد افراد کی شکل اختیار کر کے یہکے بعد دیگرے ان کے سامنے آتا گیا۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ حیرت میں رہ گئے اور پھر شیطان کے اس مظاہرہ قدرت و اختیار کو اپنی آنکھوں سے دیکھنے کے بعد خداۓ واحد کی پرستش ترک کر کے شیطان کے کہنے پر اس راستے پر یعنی اضمام پرستی کے راستے پر چلنے لگے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک تک اقوام عرب اولاد را اولاد اس کفروضلالت میں بنتا رہیں جس کا ذکر ہم نے حسب موقع اپنی کتاب تفسیر میں بالتفصیل کیا ہے۔

صحیین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں آنحضرت ﷺ کی حدیث مبارکہ درج کرتے ہوئے بیان کیا گیا ہے کہ جب آپ سے ام سلمہ و ام حبیبہ نے جب شہ کے ایک تبدیلے کا ذکر کرتے ہوئے بتایا کہ وہاں بڑی خوب صورت تصاویر اور بتوں کے مجسم رکھے گئے ہیں تو آپ نے فرمایا کہ از منہ قدیم میں جب کوئی مرد صالح وفات پاتا تھا۔ تو اس کی قوم کے افراد اس کی قبر پر ایک مسجد تعمیر کر دیتے تھے لیکن رفتہ رفتہ وہی مساجد اب تبدیل وں میں تبدیل ہو گئی ہیں جہاں لوگ اپنے اپنے مردہ افراد کے مجسم بناؤ کر انہی کی پرستش کرنے لگے ہیں جو اللہ تعالیٰ جل شانہ کے نزدیک اس کے بندوں کا شر ہے۔

ان روایات کے اندر اس کا بیان اصل مقصد یہ بیان کرنا ہے کہ جب دنیا میں بت پرستی کی وبا عام ہوئی اور اس سے ہر طرف انتشار کی کیفیت پیدا ہوئی تو اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے اور رسول حضرت نوح ﷺ کو زمین پر اپنے بندوں کی اصلاح اور صرف اپنی پرستش کی ہدایت کے لیے میوثر فرمایا تاکہ تخلق خداوندی اس شر آمیز و باسے نج سکے۔ چنانچہ حضرت نوح نے جو متفق علیہ اللہ تعالیٰ کے زمین پر پہلے پیغمبر تھے اپنی قوم کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے بت پرستی سے بازاں نے کی حتی الامکان کوشش کی لیکن ان کے کچھ تبعین کے علاوہ سب کے سب اسی وبا میں بنتا رہے بلکہ ان کے تبعین کی اولاد را اولاد بھی آگے چل کر جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا چکا ہے اس بلا کا شکار ہو گئی۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ حدیث شفاعت میں آیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کے ارشاد گرامی کے مطابق قوم نوح کے بت پرست جنہیں انہوں نے خدائے واحد کی پرستش کی ہدایت فرمائی تھی لیکن وہ اس ہدایت پر عمل پیرا ہونے کے بعد آپ کو کاذب ٹھہراتے ہوئے اضمام پرستی پر بھدر رہے تھے روز قیامت پہلے حضرت آدم ﷺ کی خدمت میں گروہ درگروہ پیش چیزیں گے اور ان سے عرض کریں گے کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے خود اپنے ہاتھ سے پیدا کیا تھا اور آپ میں اپنی روح پھونکی تھی، پھر آپ کو جنت میں قیام کی اجازت مرحمت فرمائی تھی۔ لہذا آپ اللہ تعالیٰ سے ہماری شفاعت فرمادیجیئے تاکہ وہ ہمارے گناہ معاف فرمادے لیکن

ان کے جواب میں حضرت آدم علیہ السلام فرمائیں گے کہ وہ خود اللہ تعالیٰ سے شرمندہ ہیں کہ وہ جنت میں رہتے ہوئے اس کے حکم کی خلاف درزی کر بیٹھے تھے۔ اس لیے تم اپنے نبی حضرت نوح (علیہ السلام) کے پاس جاؤ۔

اس کے بعد وہ حضرت نوح علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو کر وہی درخواست ان سے بھی کریں گے لیکن وہ فرمائیں گے کہ اللہ تعالیٰ آج اس قدر حالت غصب میں ہے کہ اس سے قبل کبھی نہیں ہوا تھا اور آج کے بعد شاید پھر کبھی نہ ہوئی کہہ کرو وہ ان سے اللہ تعالیٰ کے سامنے ان کی شفاعت سے اپنی مذکورت کا اظہار فرمائیں گے۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ اس حدیث شفاعت کو جو کافی طویل ہے بخاری نے قصہ نوح کے تحت بهتمام و کمال روایت کیا ہے۔ بہر کیف حضرت نوح علیہ السلام نے اپنی قوم کو جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا جا پکا ہے حتی الامکان وہ تمام ہدایات کی تھیں جو اللہ تعالیٰ کے ایک رسول کے شایان شان ہو سکتی تھیں۔

الغرض حضرت نوح علیہ السلام نے وہی تمام باتیں جو آخر حضرت علیہ السلام نے قریش کے سامنے بیان کی تھیں اپنی قوم سے بیان کی تھیں اور جیسا کہ سورہ انعام اور سورہ کہف میں آیا ہے وہ اپنی قوم کو ایک ہزار سال تک اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کا قائل کرنے اور اس سلسلے میں ان سے متواتر بحث کرتے رہے تھے جس کے بعد ان کی قوم پر طوفان عظیم کی صورت میں عذاب الہی نازل ہوا تھا۔ قرآن میں اللہ تعالیٰ کے ارشاد کے بعد کہ اس نے اپنے فضل و کرم سے حضرت نوح علیہ السلام اور ان کے اہل ایمان ساتھیوں کو مذکورہ بالاطوفان عظیم میں غرقاً کیا ہے پھر اس کے باشندوں کا ذکر ہم ”خلق الجبال“ (پہاڑی باشندے) کے ضمن میں کر رکھے ہیں کچھ لوگ یہ (احمقانہ) سوال کرتے ہیں کہ جب طوفان نوح میں سب کچھ اور تمام مخلوق غرق ہو گئی تھی تو پھر روئے زمین پر اتنی کثرت سے انسان کہاں سے آگئے؟ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کے مذکورہ بالا ارشاد کے علاوہ اس کے یہ ارشادات کہ: ① ”ہم نے اس کی ذریت کے کچھ لوگوں کو باتی رکھا تھا“، ② ”وہ ہمارے رحم و کرم کی وجہ سے نجات گئے تھے“۔ بھول جاتے ہیں۔

حضرت نوح علیہ السلام کی ذریت میں تین افراد سام، حام اور یافت بہت مشہور ہیں اور وہی زمین پر خصوصاً جبڑ اور روم وغیرہ میں تمام اجناس انہی تینوں کے نام سے مشہور چلی آتی ہیں۔

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کی یہ حدیث مردوی ہے کہ سام کی اولاد میں عرب، اہل فارس اور اہل روم ہیں، یافت کی اولاد میں ترک، سقالہ اور یا جوج ماجوج ہوئے اور حام کی اولاد میں قبط، بربر اور سوڈان کے لوگ ہیں۔

ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت کردہ حدیث نبویؐ کے مطابق آپؐ نے یہ بھی فرمایا کہ ”سام کی اولاد میں اچھے لوگ پیدا ہوئے جب کہ یافت اور حام کی اولاد میں بُرے لوگ ہیں“۔

حافظ ابوکبر البزر ارکتھے ہیں کہ ”اس حدیث نبویؐ کے علاوہ ایسی دوسری کوئی مستند روایت ہماری نظر سے نہیں گزری۔ لہذا ہم

نے حضرت نوح علیہ السلام کی ان اولادوں کے بارے میں جو کچھ لکھا ہے وہ ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی بیان کردہ اس حدیث نبوی کی بنیاد پر لکھا ہے۔ واللہ اعلم

و یہ کہا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کے یہ تینوں بیٹے ان کے ساتھ تھے جب کہ ان کا بیٹا کنعان طوفان میں غرق ہوا اور دوسرا بیٹا عابر طوفان سے قبل فوت ہو چکا تھا اور یہی روایت صحیح ہے۔

مستند خبروں کے مطابق حضرت نوح علیہ السلام کی سیرت:

اللہ تعالیٰ نے حضرت نوح علیہ السلام کے متعلق فرمایا ہے: ﴿كَانَ عَبْدًا شَكُورًا﴾ یعنی وہ شکرگزار بندہ تھا۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جب بھی کچھ کھاتے پیتے یا پہنچتے تو اللہ تعالیٰ کا شکر ضرور ادا کرتے تھے اور وہ اپنی شانِ نبوت پر بھی ہمیشہ اپنے پروردگار کے شکرگزار ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ ان سے ابو اسامہ اور زکریا بن ابی زائدہ نے سعید بن ابی برده اور ناس بن مالک کے حوالے سے یہ حدیث نبوی روایت کی کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ”اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے راضی ہوتا ہے جو کھائے تو اس کا شکر ادا کرے پئے تو اس کا شکر ادا کرے“۔ یہ حدیث نبوی مسلم، ترمذی اور نسائی نے بھی ابو اسامہ ہی کے حوالے سے روایت کی ہے۔ ظاہر ہے کہ شکرگزار وہی ہو سکتا ہے جو اپنے قول و عمل اور دل سے اپنی تمام عبادات میں اپنے پروردگار کا شکر ادا کرتا رہے جیسا کہ ایک شاعر کہتا ہے۔

شکر فائدہ مند تب ہی ہوتا ہے کہ شکر زبان، عمل اور شمیر سے ادا ہوتا رہے

حضرت نوح علیہ السلام کا روزہ:

باب صائم نوچ میں ابن ماجہ فرماتے ہیں کہ ان سے ہبہ بن ابی ہبہ اور سعید بن ابی مریم نے ابن ابی لمیہ، جعفر بن ربیعہ اور ابی فراس کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ”نوح (علیہ السلام) روز عید الفطر اور روز عید الاضحیٰ کے علاوہ ہمیشہ روزہ رکھا کرتے تھے“۔

یہی حدیث نبوی ابن ماجہ نے عبد اللہ بن لمیہ کے ذریعہ سے انہی کی سند اور الفاظ میں روایت کی ہے۔

طرائفی کہتے ہیں کہ ان سے ابو اثر بن ابی فرج، عمر بن خالد حرانی اور ابن لمیہ نے ابی قاتاہ اور یزید بن ربانج کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذکر نے عبد اللہ بن عمر سے سننا اور عبد اللہ بن عمر نے آنحضرت ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا کہ ”نوح (علیہ السلام) عید الفطر کے دن اور عید الاضحیٰ کے دن کے علاوہ ہمیشہ روزے سے رہتے تھے جب کہ داؤد علیہ السلام آدھے سال کے روزے رکھا کرتے تھے اور ابراہیم (علیہ السلام) ہر مہینے میں تین دن روزے سے رہتے تھے اور ان میں تین دنوں میں کبھی روزہ چھوڑ بھی دیتے تھے“۔

حضرت نوح علیہ السلام کے حج کا ذکر:

حافظ ابو یعلی فرماتے ہیں کہ ان سے سفیان بن وکیع اور خود ان کے والد نے زمعہ یعنی ابن ابی صالح، سلمہ بن وہرام، عکرمہ

اور ابن حبیب جہاں تک حملہ کے ہوائے سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ (مدینے سے لئے) حجَّ کے لیے تشریف لے گئے تو آپ کے راستے میں وادیِ عستان پڑی۔ جب آپ اس وادی سے گزر رہے تھے تو آپ نے حضرت ابو مہر سے دریافت فرمایا: ”اے ابو مہر شیخ شہزاد یہ کون سی وادی ہے؟“۔

حضرت ابو بکر شیخ نے جواب دیا: ”یا رسول اللہ ﷺ (شیخ شہزاد) یہ وادی عسفان ہے۔“

حضرت ابو بکر سے یہ سن کر آپ نے فرمایا: ”جب نوح نبود اور ابراہیم (شیخ شہزاد) بیت العیت (قدیم خارہ کعبہ) کے حجَّ کے لیے آئے تھے تو وہ اسی وادی سے گزر رہے تھے، ان کے اوپنے سرخ رنگ کے تھے جن کی تکمیلیں کھجور کی چھال کی بنی ہوئی تھیں، ان کا اپنا لباس تہدوں اور جباوں پر مشتمل تھا اور ان کی عبا کیسی چیتے کی کھال کی طرح تھیں۔“

اس حدیث میں بڑی غرابت پائی جاتی ہے۔ (مؤلف)

حضرت نوحؐ کی اپنے بیٹے کو وصیت:

امام احمدؓ فرماتے ہیں کہ ان سے سلیمان بن حرب اور حماد بن زید نے صقعب بن زہیر اور زید بن اسلم کے ہوائے سے بیان کیا جب کہ حماد کو جہاں تک یاد تھا انہوں نے عطاء بن یسار اور عبد اللہ بن عمر و سے سنا تھا کہ ایک روز جب وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر تھے تو وہاں ایک صحرائشن شخص یعنی بد و آبیا جس نے بڑا قیمتی جبہ پہننا ہوا تھا جس میں دیبا کا کام تھا۔ یہ دیکھ کر آپ نے اس بد سے فرمایا کہ آیا اس کا ساتھی وہی لباس تھا جو اہل فارس اور اہل روم بطور نمائش استعمال کرتے ہیں اور کیا اہل عرب بھی اب اہل فارس اور اہل روم کی طرح کبر و خوت میں بتلا ہونے لگے ہیں؟ پھر آپ نے اس کا جہہ ایک طرف سے پکڑ کر فرمایا: ”یہ لباس تم پر نہیں بجا کیونکہ اس سے عقل میں اضافہ نہیں ہوتا۔“

اس کے بعد آپ نے جملہ حاضرین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

”جب اللہ کے نبی حضرت نوح (علیہ السلام) کی وفات کا وقت قریب تھا تو انہوں نے اپنے بیٹے کو بلا کر فرمایا تھا: میں بطور

وصیت تھمیں دو باتوں کا حکم دینا اور دو باتوں سے روکنا چاہتا ہوں۔ جن دو باتوں کا میں تھمیں حکم دینا چاہتا ہوں ان میں

سے پہلی بات یہ ہے کہ ہمیشہ یاد رکھنا کہ خداۓ واحد کے سوا کوئی مبعوث نہیں اور دوسرا یہ کہ ہمیشہ اس کی تحریم و تجدید بیان

کرتے رہتا۔ زمین اور آسمان کے سات سات طبقات ہیں اگر زمین کے ساتوں طبقات اور آسمان کے ساتوں طبقات

کسی ایک جگہ جمع ہو کر بہم شکل میں بھی کسی کے سامنے آ جائیں تو وہ ان سب کو لا الہ الا اللہ اور سبحان اللہ و محمد کہتا ہوا

پائے گا کیونکہ اللہ ہی ہے جو تمام زمینوں اور آسمانوں کی مخلوقات کو رزق دیتا ہے اور انہیں شرک اور کبر سے روکتا ہے۔

لہذا میں بھی تھمیں ان دو باتوں سے اجتناب کی وصیت کرتا ہوں۔“ راوی بیان کرتا ہے کہ اس نے یا تمام حاضرین نے

آپ سے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ کیا اچھا لباس زیب تن کرنا شرک میں داخل ہو گا؟“ آپ نے فرمایا نہیں۔

پھر دریافت کیا گیا: ”کیا اچھی سواری پر سوار ہونا شرک سمجھا جائے گا؟“۔

جب آخر میں آپ سے دریافت کیا گیا کہ آیا کسی کی مجلس میں لوگوں کا آ کر بیٹھنا اس شخص یا دوسروں کے لیے شرک سمجھا

جائے گا؟ تو آپ نے اس کا جواب ہی نبی میں دیا۔ اس لیے آپ سے دریافت کیا کہ پھر ببر و ترک میں فرقی لیا ہے اور شرک لیا ہے؟ اس کا جواب آپ نے یہ دیا کہ ”حق کو مکتر اور لوگوں کو بڑا آجھنا شرک ہے۔“
یا عاد صحیح میں لیکن ان سے کسی (محدث) نے اخْرَان نہیں کیا۔ (منافق)

ابوالقاسم طبرانی نے عبد الرحیم بن سلیمان کی روایت محمد ابن الحنفی علیہ السلام کی کہ حضرت نوح علیہ السلام کی وصیت کے بارے میں فرمایا تھا کہ انہوں نے اپنے بیٹے کو دو خصائص سے پیوں گلی اور دو خصائص سے اجتناب کی وصیت کی تھی۔ اس کے بعد آپ نے وہ باتیں بھی بیان فرمائی تھیں جن کا ذکر حضرت نوح علیہ السلام کی زبان سے مطور بالا میں آچکا ہے۔

یہ حدیث ابو بکر بزار سے بھی ابراہیم بن سعید، ابی معاویہ الضریر، محمد ابن الحنفی علیہ السلام کی کہ عمر بن خطاب علیہ السلام کے حوالے سے اسی طرح مردی ہے جیسا اسے طبرانی نے روایت کیا ہے لیکن ظاہر ہے کہ اس کے آخری حوالے میں بھی عبد اللہ بن عمر بن خطاب علیہ السلام کی جگہ عبد اللہ بن عمر بن عاصی علیہ السلام ہو گا جیسا کہ طبرانی کی روایت کے آخری حوالے میں بیان کیا گیا ہے۔ واللہ اعلم

اہل کتاب کا گمان یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام جب کشتی میں سوار ہوئے تھے اس وقت ان کی عمر شریف چھ سو سال تھی لیکن اہل کتاب کا یہ گمان یا خیال ملک نظر ہے کیونکہ اگر قرآنی بیانات سے اہل کتاب کے اس قیاس کا مقابلہ کیا جائے تو اہل کتاب کا یہ قیاس صریحاً غلط ٹھہرے گا۔ قرآن کا پہلا بیان یہ ہے کہ حضرت نوح علیہ السلام کی عمر بعثت سے قبل اور طوفان تک کا زمانہ ملا کر نو سو پچاس سال ہو چکی تھی۔ طوفان کے بعد وہ کتنے سال اور زندہ رہے یہ خدا بہتر جانتا ہے۔ قرآن کا دوسرا بیان ہے ابن عباس علیہ السلام نے اخْرَان اچا پیش کیا ہے اور اب تک محفوظ ہے یہ ہے کہ وقت بعثت حضرت نوح علیہ السلام کی عمر چار سو اسی سال تھی اور طوفان کے بعد وہ تین سو پچاس سال اور زندہ رہے تو اس حساب سے ان کی پوری عمر ایک ہزار سالات سو اسی سال قرار پاتی ہے۔

جہاں تک حضرت نوح علیہ السلام کی قبر کے محل وقوع کا سوال ہے تو جیسا کہ ابن جریر اور ازرقی نے عبد الرحمن بن سابط یا کسی دوسرے تابعی کے حوالے سے مرسلًا بیان کیا ہے ان کی قبر مسجد حرام میں ہے۔ یہ بیان قوی ہے اور یقیناً صحیح بھی ہے کیونکہ اکثر متاخرین نے حضرت نوح علیہ السلام کا قیام علاقہ بقاع کے کسی شہر میں بتایا ہے جسے آج کل بکر نوح علیہ السلام کہا جاتا ہے جہاں ایک جامع مسجد بھی تعمیر کی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ مسجد بکر نوح علیہ السلام کی نسبت سے تعمیر کی گئی ہو گی۔ واللہ اعلم



قصہ ہود علیہ السلام

حضرت ہود علیہ السلام کا پورا نام ہود بن شائخ بن ارثشد بن سام بن نوح تھا۔ انہیں ہود کے عاد وہ عابر بن شائخ بن ارثشد بن سام بھی کہا جاتا تھا جب کہ پچھلے لوگ انہیں ہود بن عبد اللہ بن رباح بن جارود بن عاد بن عوش بن ارم ابن سام بن نوح (علیہ السلام) بھی کہتے تھے اور پچھلے دوسرے لوگ انہیں یکے بعد دیگرے وقف افوتا پہلے دو ناموں سے پکارتے تھے۔ ابن جبیر نے ان کا ذکر کرتے ہوئے کہا ہے کہ ان کا قبیلہ عاد بن عوش بن سام بن نوح کے نام سے یاد کیا جاتا تھا۔ یہ لوگ عرب تھے اور ان کی سکونت یمن کے پہاڑی علاقے رمل میں تھی جو عمان و حضرموت کے سمندری ساحل پر واقع تھا جسے شحر کہا جاتا تھا اور ان کی وادی کا نام مغیث تھا۔

حضرت ہود علیہ السلام کے قبیلے والے خس سے تیار کردہ خیموں میں رہتے تھے لیکن ان کی بناوٹ اتنی عمدہ ہوتی تھی کہ خود اللہ تعالیٰ نے قوم عاد پر عذاب الہی کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے اس کے خیموں کی خوب صورتی اور عمدگی کی طرف بھی اشارہ کیا جو عذاب خداوندی کے بعد یکسر تباہ و بر باد ہو گئے تھے ﴿إِنَّمَا تَرَكَيْفَ فَعَلَ رَبُّكَ بِعَادٍ إِذْ أَرَمَ ذَاتَ الْعِمَادِ﴾ یہی عاد اول کی وہ قوم تھی جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ اس جیسی قوم پھر دنیا کے کسی علاقے میں نہیں پیدا کی گئی ﴿إِذْ أَرَمَ ذَاتَ الْعِمَادِ الَّتِي لَمْ يُخْلُقْ مِثْلُهَا فِي الْبَلَادِ﴾ اس آیت قرآنی میں عاد ارم سے ظاہر ہے کہ عاد اولی کی قوم مراد ہے۔ پچھلے لوگ اس آیہ قرآنی میں عاد ارم یعنی قوم عاد پر زور بخجھتے ہیں جب کہ پچھلے دوسرے لوگ ذات العما د یعنی ان کے خیموں کی عمدگی اور خوب صورتی کی طرف اشارہ بتاتے ہیں لیکن ہمارے نزدیک اس آیہ قرآنی میں قوم عاد ہی پر زور دیا گیا ہے جو اپنے رہن سکن کے لحاظ اس قدیم ترین زمانے میں بھی عروج پر تھی لیکن اپنے کبر و غرور اور کفر و الخاد کی بناء پر اسے عذاب الہی سے دوچار ہونا پڑا جس کا ذکر ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں تفصیل سے کیا ہے۔

جن لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ارم ایک شہر تھا جو سطح ارضی پر دائیے کی شکل میں تھا اور جس کا ایک حصہ شام اور ایک حصہ جاہ میں تھا وہ بعد از قیاس ہے اس قیاس کا کوئی ثبوت اب تک سامنے آیا ہے نہ کوئی دلیل حتیٰ کہ کوئی ایسی روایت بھی موجود نہیں کی نظر سے اب تک نہیں گزری جو اس قیاس کی بنیاد پر ہے۔

ابن حبان کی کتاب ”صحیح“ میں ابوذر کی طویل روایت میں جس میں انبیاء و مسلمین کا ذکر کیا گیا ہے یہ بھی بتایا گیا ہے کہ ان چاروں انبیاء یعنی ہوٰ، صالح، شعیب اور ایک صاحب صحیفہ نبی یا اباذر کا تعلق عرب کی سر زمین سے تھا۔ کہا جاتا ہے کہ حضرت ہود علیہ السلام پہلے شخص تھے جو عربی زبان میں گفتگو کرتے تھے جب کہ وہب ابن منبه نے بتایا ہے کہ عربی زبان میں پہلی بار گفتگو کرنے کا سہرا حضرت ہود علیہ السلام کے والد کے سر تھا۔ پچھلے لوگوں نے یہ بات حضرت نوح کی بابت کہی ہے اور پچھلے دوسروں نے یہی بات

حضرت آم علیہ السلام کے بارے میں بتائی ہے لیکن یہ زنوں باتمی بڑی مشتبہ ہیں، کچھ لوگوں نے اس لئے میں اور بہت کچھ لہاہے۔ جہاں تک عرب مستحبہ کا تعلق ہے تو اس کا اطلاق حضرت اسماعیل بن حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کی اولاد پر ہوتا ہے اور یہ بھی درست ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام پہلے شخص تھے جو فصح و بلغ عربی میں کشف فرماتے تھے۔ تاہم حق بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زین حرم پر ان کی والدہ حضرت ہاجہ کو جن انعامات سے سرفراز فرمایا ان میں عربی زبان بھی شامل تھی اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اسی عربی زبان میں حد درجہ فصاحت کے ساتھ مخاطب فرمایا تھا جس کا ذکر ہم حسب موقع ان شاء اللہ گے جل کر کریں گے۔ و یہیں اتنا عرض کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے کہ عربی زبان میں رسول اللہ علیہ السلام کی فصح الیانی بھی خدا داد تھی۔

بہر کیف اس باب میں یہیں یہ بیان کرتا ہے کہ عاد کی قوم اور عاد کے زمانے سے طوفان کے بعد ہر بیت پرستی شروع ہوئی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس قوم میں انہی کے ایک بھائی حضرت ہود علیہ السلام کو بہیثت نبی مسیح فرمایا تاکہ وہ اپنی قوم کے لوگوں کو خداۓ واحد کی پرستش کی ہدایت فرمائیں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے سورہ اعراف میں بیان فرمایا ہے اور قوم نوح علیہ السلام کے بعد سورہ ”قد افلح المؤمنون“ میں بھی قوم عاد کا ذکر فرماتے ہوئے بتایا ہے کہ حضرت ہود نے انہیں راہ راست پرلانے کی کوشش کی لیکن وہ پھر بھی بت پرستی کی عادت قبیحہ میں بٹلار ہے اللہ تعالیٰ نے سورہ حم سجدہ میں بھی قوم عاد کی شدت سے اضام پرستی کے علاوہ ان کے انتہائی کبر و نحوت کا بھی ذکر فرمایا ہے۔ اس کے بعد قرآن مجید کی سورہ الحلقہ میں ارشاد فرمایا کہ قوم عاد پر ہوائے تند کی طوفانی شکل میں عذاب الہی کس طرح نازل ہوا۔

اس کے بعد اللہ تعالیٰ نے قوم ثمود اور فرعون پر عذاب الہی کے نزول کی طرف اشارے فرمائے ہیں جن کا ذکر ہم نے بحمد اللہ اپنی کتاب تفسیر میں جگہ جگہ حسب موقع تفصیلاً کیا ہے۔

عاد اور اس کی قوم کی پہلی شان و شوکت اور صرصر کے ذریعہ ان کی تباہی و بر بادی کے بارے میں مذکورہ بالاقصے سے متأجلہ ایک قصہ امام احمد بن زید میں زید بن حباب ابوزندہ رسول اسلام بن سلیمان نجوى اور عاصم بن ابی الجود کی زبانی اور ابی واکل اور حارث یعنی ابن حسان کے حوالے سے جواب بن زید الکبری بھی کہلاتا تھا بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ آخر الذکر ایک روز آنحضرت علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کے لیے ربڑہ سے گزر رہا تھا کہ اسے بنی تمیم کی ایک بہت بھی بوڑھی عورت ملی۔ اس نے اس ضعیفہ کی منزل مقصود ریافت کی تو اس نے آگے کی طرف اشارہ کر دیا۔ چونکہ وہ ضعیفہ بہت کمزور تھی اور چلنے میں دشواری محسوس کر رہی تھی اس لیے اس نے اسے اپنی پیٹھ پر اٹھایا۔ کافی دور چلنے کے بعد ایک مسجد نظر آئی جہاں اس ضعیفہ کے کہنے پر اس نے اسے اپنی پشت سے اتار دیا۔ بوڑھی نے اس سے پوچھا کہ وہ کہاں جا رہا ہے؟ اس نے جواب دیا کہ وہ رسول اللہ علیہ السلام کی خدمت میں حاضری کے لیے مدینے جا رہا ہے اور اس سے پوچھا کہ اگر وہ آنحضرت علیہ السلام کی خدمت میں کچھ عرض کرنا چاہتی ہو تو اسے بتا دے وہ آپ کی خدمت میں اس کی طرف سے اسے پیش کر دے گا۔ بوڑھی نے جواب دیا کہ اس نے اپنی قوم کے بزرگوں کی زبانی قوم عاد کے بارے میں وہ قصہ سنائے جو اس کی قوم کے بڑے بوڑھے یکے بعد دیگرے انہیں سناتے آئے تھے۔ پھر وہ بوی کہ میں وہ قصہ آپ کو سنانا چاہتی تھی لیکن میں اتنی دور خود چلنے سے قاصر ہوں اور تمہیں بھی تکلیف دینا نہیں چاہتی۔ اس لیے تم میرے

حوالے سے آپ اورہ قصہ سنادیں۔ اس نے اس کا اقرار کیا تو اس ضعیفہ نے قوم عاد کا قصہ جو اس کے بزرگ اپنے قبیلے کے بزرگوں سے سنتے چلے آ رہے تھے اور اس نے بھی سناتھا اسے سنایا۔ پھر اس نے سبب وعدہ قوم عاد سے باہم میں تمام قصہ جو اس قوم کی پہلی زبان و شکر ت اور آخر میں اس کی تباہی کا قصہ آپ کی خدمت میں عرض کر دیا۔

یہ بھی لہا جاتا ہے کہ راوی اس ضعیفہ کو آپ کی خدمت میں لایا تھا اور اسی نے آپ کو قوم عاد کا قصہ اپنی زبان سے سنایا تھا۔ اس نے آپ کو یہ بھی بتایا تھا قوم عاد کی تباہی کے بعد ان کی عمارت کے کھنڈرات کی زمیں بوس دیواروں کی درازوں سے بے شمار خزانے بھی نکلے تھے۔ اس بوزھی عورت نے آپ سے یہ بھی عرض کیا تھا کہ وہی خزانے قبل اسلام بنو تمیم اور بنو عاص کی باہمی مخاصمت کا سبب بننے تھے۔ اس روایت کے بارے میں راویوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ویسے بھی یہ روایت غریب اور محل نظر ہے۔ حضرت ہود علیہ السلام کے حج کے بارے میں جو قصہ بیان کیا جاتا ہے اسے ہم پہلے ہی حضرت نوح علیہ السلام کے قصہ حج کے ضمن میں بیان کر چکے ہیں۔ امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی ذئبؑ کی روایت کے مطابق حضرت ہود علیہ السلام کی قبر کا بیکن میں پایا جانا ثابت ہوتا ہے لیکن بعض متاخرین نے اس کا محل و قوع دمشق میں بتایا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ دمشق کی جامع مسجد کے احاطے میں مست قبلہ جو قبر پائی جاتی ہے وہ حضرت ہود علیہ السلام کی ہے۔ واللہ اعلم



قوم ثمود کے نبی حضرت صالح عليه السلام کا قصہ

ثمود وہی قبیلہ ہے جو اپنے جد ثمود اور اپنے بھائی جدیس کے نام سے مشہور ہے اس قبیلے کا جد اور اس کا بھائی جدیس دونوں عابر بن ارم بن سام بن نوح کی اولاد میں سے تھے۔ یہ قبیلہ عرب العاریہ میں شامل اور عرب ہی کا مشہور قبیلہ تھا جو وادی حجر میں سکونت رکھتا تھا یہ وادی تبوک اور جاز کے درمیان واقع ہے۔

رسول اللہ ﷺ وادی حجر سے مسلمانوں کے ساتھ تبوک جاتے ہوئے گزرے تھے۔ اسی زمانے میں غزوہ تبوک و قوع پذیر ہوا تھا۔ ہم اس کا ذکر ان شاء اللہ آگے چل کر حسب موقع جلد کریں گے۔

قوم ثمود بت پرست تھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس قوم کا ایک شخص صالح بن عبد بن ماتع بن عبید بن حاجرا بن ثمود بن عابر بن ارم بن سام بن نوح اس قوم کی بدایت و اصلاح کے لیے بحیثیت نبی مبعوث فرمایا جس نے انہیں اللہ تعالیٰ وحدہ لاشریک کی عبادت کی دعوت دی۔ اور اصنام پرستی سے روکنے کی کوشش کی مگر اس کی قوم کے کچھ لوگ تو اس پر اور اس کے پروردگار اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آئے۔ البتہ ان میں سے اکثر لوگ کفر پر قائم رہے بلکہ اپنے قول و فعل سے حد رجہ ان کی مخالفت کرنے لگے بلکہ حضرت صالح عليه السلام کے قتل کی کوشش کرنے لگے بلکہ اس اونٹی کو مارڈا جو اللہ تعالیٰ نے اس قوم پر اتمام محنت کے لیے دلیل حق بنا کر ان پر اتاری تھی۔ چنانچہ اللہ تعالیٰ نے اپنی قدرت کاملہ سے انہیں گھیر اور ان پر وہ عذاب نازل کیا جس کا ذکر اس نے سورہ اعراف میں فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اس قوم کا ذکر سورہ ہود سورہ حجر سورہ سجحان (سجحان الذی) سورہ شراء سورہ نمل میں بھی فرمایا ہے اور وہ تمام ہدایات بھی ارشاد فرمائی ہیں جو اس نے اپنے بندے اور نبی حضرت صالح عليه السلام کے ذریعہ ان کو پہنچائیں لیکن جب وہ بت پرستی اور احکام الہی سے روگردانی سے بازنہ آئے تو ان پر بطور سزا عذاب عظیم نازل فرمایا لیکن ان لوگوں کو محفوظ رکھا جو اس پر اور اس کے بندے اور نبی حضرت صالح عليه السلام پر ایمان لا کر خداۓ بزرگ و برتو و احدی طرف مائل ہو گئے تھے

﴿وَنَجَّيْنَا الَّذِينَ آتُوا وَ كَانُوا يَتَقْوَنَ﴾ (سورہ حم سجدہ)

الله تعالیٰ نے اس قوم اور اس پر عذاب الہی کا ذکر سورہ برآۃ، سورہ ابراہیم، سورہ فرقان، سورہ (ق)، سورہ بجم والغیر میں بھی فرمایا ہے۔ ان تمام قرآنی سورتوں میں اگرچہ انہیاۓ بنی اسرائیل حضرت موسیٰ عليه السلام وغیرہ کے ذریعہ ان کی قوم پر توریت و زبور میں جو ہدایات بھیجی گئی تھیں اور اسے خداۓ واحد پر ایمان لانے کا حکم دیا گیا تھا۔ بطور خاص انہی کا ذکر کیا گیا ہے لیکن ساتھ ہی قوم ثمود کی نافرمانی و سرکشی کا ذکر اس کے انجام سے آگاہ کیا گیا ہے۔ ہم نے ان قرآنی آیات کی تفصیلی تفسیر بحمد اللہ اپنی کتاب تفسیر میں

^① ایک نسخے میں عبید بن ماتع کھاطبے جو دراصل صالح بن عبید بن ماتع بن آصف اخ نہ تھا۔ (محمود الامام)

کی ہے۔ یہاں ہم نے عنوان بالا کے تحت قوم عاد کے بعد قوم ثمود کا ذکر کیا اس پر عذابِ الہی کا اور حضرت صالح عليه السلام کو محفوظ رکھنے نیزان کے تبعین کو اس عذاب سے بچائیں کا ذکر کیا ہے۔ قوم ثمود پر عذابِ الہی کے سلسلے میں اللہ تعالیٰ نے خود ارشاد فرمایا:

﴿وَ آتَيْنَا ثُمُودَ النَّاقَةَ مُبَصِّرَةً فَظَلَمُوا بِهَا﴾

مذکورہ بالناقہ کے قتل کا مرتکب اگرچہ قوم ثمود کا رئیس قدار بن سلف بن جندع ہوا تھا لیکن اس کی سزا اس کی ساری قوم نے جو کفر و سرکشی میں اس سے کم نہ تھی بھلگی۔ قدار کے متعلق کہا جاتا ہے کہ وہ ایک زانیہ کے بطن سے پیدا ہوا تھا لیکن پونکہ اس نے سالف کے بستر پر جنم پایا تھا، اس لیے اسے قدار بن سالف بن جندع کہا جاتا تھا وہی یہ جیسا کہ کہا جاتا ہے، اس کے باپ کا نام صیبان تھا۔ قوم ثمود کے رئیس قدار کی رنگت سرخ بتائی گئی ہے لیکن یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس کے جسم اور چہرے پر گہرے نیلے دھبے تھے۔

امام احمدؓ نے عبد اللہ بن نمير اور ہاشم یعنی ابو عزرہ کی زبانی اور ہاشم کے والد عبد اللہ بن زمعہ کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کے ایک خطبے کا ذکر کیا ہے جس میں آپؐ نے حضرت صالحؑ، ان کی قوم ثمود اور اس پر وجود باری تعالیٰ اور اس کی قدرت کا مالم کی دلیل ثابتہ کے طور پر نزول ناقہ کا ذکر فرمایا کہ اس کی سرکشی اور ناقہ صالحؑ پر ظلم اور اس کے قتل کا ذکر بھی فرمایا تھا نیز اس قدم پر بالآخر عذابِ الہی کا تصدیق فرمایا تھا اور آیہ قرآنی ﴿إِنَّ ثُمُودَ كَفَرُوا بِرَبِّهِمْ إِلَّا بَعْدًا الشَّمُوذُ﴾ بھی تلاوت فرمائی تھی جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ قوم ثمود اپنے جدا علی کے بعد لعنت کفر میں بٹلا ہوئی تھی۔

آنحضرت ﷺ نے ایسا ہی ایک خطبہ غزوہ بدر کے بعد تیری شب کو مدینے واپس ہوتے ہوئے اہل قلب کے سامنے اس وقت فرمایا جب آپ سواری پر سوار ہو کر اپنے ہمراہ یوں کوہاں سے کوچ کا حکم دے پکھے تھے۔ آپؐ نے اہل قلب سے فرمایا تھا: "تم نے اپنا ہوتے ہوئے اپنے نبی کو یعنی مجھے ہزار باتا کیں پہنچا میں جب کہ غیروں (اہل مدینہ) نے میرا ساتھ دیا، تم نے میرے قتل کی سازش کی جب کہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے غیروں نے مجھے بچانے کی کوشش کی، میں نے تمہیں اللہ تعالیٰ کی ہدایات اور اس کے احکام پہنچائے لیکن تم لوگوں نے میری ایک نہ سنبھالیں ہمیشہ میری مخالفت اور دشمنی پر کمر بستہ رہے اور اب آخر میں مجھے اور میرے ساتھیوں کو کمزور بکھر کر ہم پر چڑھ دوڑے لیکن تم نے اس کا انجام دیکھ لیا کہ میرے رب نے اپنے فضل و کرم سے تمہاری کثرت تعداد کے باوجود ہماری قلیل تعداد اور بے سروسامانی کے باوجود ہمیں تم پر غالب کیا۔ لیکن کیا یہ میرے رب کی حقانیت اور میری تمہارے نبی کی حیثیت سے صداقت کا ثبوت نہیں ہے؟" (خطبہ بنوی کا تشریحی ترجمہ)

آنحضرت ﷺ کے اس خطبے کے خاتمے پر حضرت عمر بن حنبل نے آپؐ سے عرض کیا کہ "حضور! آپ ان لوگوں کو قوم نوح اور قوم عاد و ثمود کے انعام سے بھی آگاہ فرمادیتے"۔ حضرت عمر بن حنبل کی یہ بات سن کر آپؐ نے فرمایا: اس کے بارے میں تو میں انہیں آیات قرآنی کے حوالے سے بار بار آگاہ کر چکا ہوں لیکن یا اپنی حرکات سے کہیں بازاں نے والے تھے۔ تاہم یہ بھی اپنا انعام کچھ دیکھے چکے ہیں، اور کچھ آگے چل کر دیکھ لیں گے۔ ۱۱۳ ما شاء اللہ۔ (خطبہ بنوی.. فتحی ترجمہ)

امام احمد فرماتے ہیں کہ ان سے کچھ اور زمانہ میں صالح نے مسلم بن وہرام اور ابن عباس شویم کے نواسے سے بیان کیا کہ جب آنحضرت ﷺ کے لیے مدینے سے مکہ جاتے ہوئے وادی عسفان سے گزرے تو آپ نے حضرت ابو بکر بن عبد اللہ سے دریافت فرمایا۔ ”اے ابو بکر یا کوئی وادی ہے۔ تو انہوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ یا وادی عسفان ہے۔“ حضرت ابو بکر بن عبد اللہ سے یہ سن کر آپ نے ارشاد فرمایا: ”ہود اور صالح ﷺ بھی حج کے لیے جاتے ہوئے اسی وادی سے گزرے تھے۔ ان“۔

حدیث نبوی کی یہ روایت ہم قصہ نوح ﷺ کے ضمن میں طبرانی کے حوالے سے بھی تفصیل بیان کرچکے ہیں۔

غزوہ تبوك کے سال آنحضرت ﷺ کا وادی حجر سے گزر:

امام احمد فرماتے ہیں کہ ان سے عبدالصمد اور صخر بن جو یہ یون نافع اور ابن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب غزوہ تبوك کے سال رسول کریم ﷺ اپنے ہمراہیوں کے ساتھ ارض ثمود کی قربی وادی حجر سے گزرے تو آپ کے ہمراہیوں نے وہاں خیمنے نصب کر کے اس چشمے سے پانی پیا جس سے قوم ثمود کے لوگ پانی پیا کرتے تھے اور اپنی سواری کے اونٹوں کو چارہ ڈالا تو آنحضرت نے ان سے فرمایا کہ اپنے اپنے چوہلے کی لکڑیاں جلا کر بھسم کر دو اور اپنے اونٹوں کا باقی ماندہ چارہ بھی جلا دیا تو آپ نے انہیں وہاں سے (جلد) کوچ کا حکم دیا۔ اس کے بعد جب آپ اس کنویں پر پہنچے جہاں (حضرت صالح ﷺ کی) اونٹی پانی پیا کرتی تھی تو آپ نے اپنے ہمراہیوں کو حکم دیا کہ وہ اس زمین میں داخل نہ ہوں جس پر عذاب الہی نازل ہو چکا ہے مبادا کہیں انہیں بھی کسی ایسے ہی عذاب سے دوچار ہونا پڑے۔ البتہ وہ اسے دیکھ کر عذاب الہی سے خوف کا سبق حاصل کرنا چاہیں تو بے جان ہو گا۔

امام احمد نے اسی ہی ایک روایت عفان، عبد العزیز بن مسلم اور عبد اللہ بن دینار کی زبانی عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کی ہے جس میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے غزوہ تبوك کے سال سرز میں ثمود کی قربی وادی حجر سے گزرتے ہوئے اپنے ہمراہیوں سے فرمایا تھا کہ وہ اس سرز میں میں داخل نہ ہوں جہاں قوم ثمود عذاب الہی سے دوچار ہو چکی ہے بلکہ اسے دور سے دیکھ کر عذاب الہی سے خوف کا سبق حاصل کریں۔

مذکورہ بالا روایات کے علاوہ قوم ثمود کے بارے میں کچھ اسی روایات بھی سننے میں آئی ہیں جن پر اعتبار نہیں کیا جاسکتا کیونکہ وہ مستند نہیں ہیں۔ لہذا اسی روایات پر اعتبار نہ کرنا بہتر ہے۔ البتہ یہ دیکھ لیا جائے کہ وہ متعلق آیات قرآنی اور احادیث نبوی سے متفاوت نہیں اور اگر ہوں تو انہیں مسترد کر دیا جائے۔



باب ۱۰

قصہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا پورا نام اہل کتاب کی کتابوں میں اندر ارج کے مطابق ابراہیم بن تارخ "۲۵۰" بن ناخور "۱۲۸" بن سارو غ "۲۳۹" بن راعو "۲۳۹" بن فالغ "۲۳۹" بن عابر "۳۶۳" بن شاوخ "۳۳۳" بن ارشد "۳۳۸" بن سام "۴۰۰" ابن نوح علیہ السلام تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے آبا و اجداد کے یہ نام جیسا کہ ابھی بیان کیا گیا اہل کتاب کی کتابوں سے لیے گئے ہیں نیز خود میں نے ان کے ناموں کے نیچے ہندی اعداد جو یہاں درج کیے گئے ہیں دیکھئے ہیں اور یقیناً انہی کی مدد سے اہل کتاب کی کتابوں میں یہ نام درج کیے گئے ہیں۔^۱ چونکہ ہم قصہ نوح کے تحت اس موضوع پر فصیلی گفتگو کر چکے ہیں اس لیے یہاں اس مختصر بیان پر اکتفا کیا گیا ہے۔

حافظ ابن عساکر نے اپنی کتاب تاریخ میں الحنفی بن بشر اکاذبی صاحب "المبتدأ" کے حوالے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کا نام "أمیله" بتایا ہے جس کے بعد آپ کی ولادت کے ضمن میں جو طویل گفتگو کی ہے اس میں بھی بار بار یہی نام لکھا ہے لیکن کلبی نے آپ کی والدہ کا نام بونا بنت کریمہ کا لکھا ہے اور انہیں بنی ارشد بن سام بن نوح کے خاندان سے بتایا ہے۔

ابن عساکر نے مذکورہ بالاحوالے کے علاوہ عکرمہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم ممکن ہے "اباضفان" ہوں اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب تاریخ کی عمر پانچ سو سال تھی تو ان کے بیٹے حضرت ابراہیم علیہ السلام پیدا ہوئے تھے اور ناہر و باران بھی تاریخ ہی کے بیٹے تھے جب کہ ران لوٹ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی والدہ کے بطن سے پیدا ہونے تھے اسی روایت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام ان بھائیوں میں تاریخ کے "فرزند اوسط" یعنی درمیان کے بھائی کہلاتے تھے۔ اسی روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہاران اپنے والد کی زندگی اور اپنی جائے ولادت یعنی کلدانیوں کی سر زمین میں جو بابل کے نام سے مشہور ہے وفات پا گئے تھے۔ ابن عساکر کا وہ بیان اہل سیر و تواریخ کے نزدیک درست سمجھا گیا ہے جو انہوں نے پہلے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی جائے ولادت کے بارے میں پیش کیا تھا یعنی انہوں نے جیسا کہ ابن عساکر نے پہلے ہشام ابن عمار کی طرح ولید سعید ابن عبد العزیز، "مکھول" اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے حوالے سے لکھا تھا بقوطہ دمشق کے ایک قریہ میں جسے بزرہ کہا جاتا تھا اور جو اس

^۱ ہماراں ناموں کے متعلق یہ بیان تورات سے مأخوذه ہے لیکن خود تورات میں بھی اکثر جگہوں پر ان ناموں میں تقاضا پایا جاتا ہے۔ ان میں کہیں کہیں تاریخ کی چلگتا رج، سارو غ کی سر درج فالغ کی جگہ فالغ کی جگہ ارکھنڈ کی جگہ ارکھنڈ راعو کی جگہ روعکھا گیا ہے۔ اسی وجہ سے ہم نے ان کے ناموں کے ساتھ ان کے ناموں سے منسوب ثمارات بران کے ناموں کے نیچے درج ہندی اعداد بھی درج کر دیں۔ (مؤلف)

پہاڑی علاقے میں واقع تھا جسے اس زمانے کے لوگ قبیلہ نکتہ ولادت پائی تھی لیکن ابن عساکر نے اپنے اس پہلے بیان کی بعد میں صحیح کر کے ان کی جائے ولادت بامل ہی بتائی ہے۔ بابل حضرت ابراہیم علیہ السلام کے اسم گرامی سے اس لیے بھی منسوب ہے کہ بب آپ لوٹ علیہ السلام کی مد کے لیے وہاں آئے تھے تو وہیں نماز بھی یہی تھی۔

جیسا کہ مؤرخین نے بیان کیا ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام نے سارہ سے شادی کی تھی۔ کہتے ہیں کہ سارہ بانجھ تھیں اور ان کے کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ کہتے ہیں کہ تاریخ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی بیوی سارہ سے بہت محبت کرتے تھے۔ وہ اپنی بہو سارہ اپنے بھائی کی بیوی ملکا اور اپنے بھائی کے بیٹے لوٹ بن باراں کو بھی بہت چاہتے تھے۔ چنانچہ وہ ان تینوں کو لے کر اور کلدانیوں کی سرز میں کو جو بامل کہلاتی تھی چھوڑ کر کعنایوں کی سرز میں کی طرف چلے گئے تھے۔ مزید بتایا گیا ہے کہ جب یہ لوگ حران پہنچے تو تاریخ جن کی عمر اس وقت دوسو پچاس سال تھی وہاں وفات پا گئے۔ اس سے صاف ظاہر ہے کہ وہ حران میں پیدا نہیں ہوئے تھے بلکہ ان کی جائے ولادت کلدانیوں کی سرز میں یعنی بابل ہی تھی۔

بہر کیف باقی لوگ حران سے کعنایوں کے علاقے تا صد میں چلے گئے تھے جہاں بیت المقدس واقع ہے۔ جب یہ لوگ حران میں مقیم تھے اس وقت وہ علاقہ سرز میں کشدانیاں کھلاتا تھا جس میں جزیرہ اور شام بھی شامل تھے۔ حران کے لوگ کو اکب سبعد (سات ستاروں) کا علم رکھتے تھے۔

انہی لوگوں نے شہر دمشق کی بنیاد ڈال کر اسے تعمیر کیا تھا۔ ان کا نام ہب یہ تھا کہ وہ قطب شمالی کا احترام اور سات ستاروں کی جن کا نہیں علم تھا پرستش کرتے تھے اور ان کے نام اقوال و اعمال انہی سات ستاروں کی پرستش کے تحت یا زیراث تھے۔ یہی وجہ ہے کہ دمشق کے سات دروازوں پر جو سات ہیکلیں یا عبادت خانے تھے وہ الگ الگ انہی سات ستاروں کے نام سے منسوب تھے جہاں ان کی تماشیں رکھی گئی تھیں اور بار بار ناقوس بجائے جاتے تھے۔

یاد رہے کہ اس زمانے میں تمام روئے زمین پر کفر کا ذور دورہ تھا اور اصحاب پرستی رائج تھی الایہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام، ان کی بیوی سارہ اور ان کے بھائی کے بیٹے حضرت لوٹ علیہ السلام اس مرض کفر و مذلالت سے بچے ہوئے تھے۔

حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام وہی تھے جن کے ذریعہ اللہ تعالیٰ نے اپنے دین یعنی اسلام کی اشاعت کا آغاز فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے پہلے انہی کو صفر سنی میں رشد و بہادیت اور پھر بعثت نبوت سے سرفراز فرمایا اور آخر کار ان کے عالم پیری میں انہیں اپنا خلیل ٹھہرایا ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا إِبْرَاهِيمَ رُشْدًا مِّنْ قَبْلُ وَ كَنَّا بِهِ غَالِمِينَ﴾ آیہ قرآنی۔ یعنی وہ اس کے اہل تھے کہ وہ روئے زمین پر خدائے واحد کی پرستش کا آغاز کریں اور اہل عالم کو اس را ہ پڑا لیں۔

اس کے بعد قصہ ابراہیم علیہ السلام کے تحت قرآن شریف کی سورہ ابراہیم میں ان کے بت پرستوں کے معبد میں جانے اور بتوں کے مختلف اعضاء کی قطع و برید اور اس کے بارے میں ان کا یہ بیان کہ بڑے بت نے دوسرے بتوں کے اعضاء کی شکست و ریخت کر دی ہوگی۔ اس کے بارے میں ان کے اور ان کے والد کے درمیان بحث و تکرار ان کے والد کا یہ کہنا کہ بت نہ حرکت کر سکتے ہیں۔ نہ ان میں نفتگو کی طاقت ہے، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد سے یہ کہنا کہ پھر وہ ایسے پھر ووں سے تراشیدہ بتوں کی

پرستش کیوں کرتے ہیں اور انہیں خدا کے قدوس و واحد اور قادر مطلق کی پرستش پر مائل کرنا اور یہی بحث و تکرار باہل کے حکمران نہروں کے الہکار ان اور حضرت ابراہیم کے درمیان ہوتا اور آخر کار نہروں سے جسی ان کی بحث اور اس کا انہیں آگ کے انبار میں پھٹکوانا اور وہاں سے بحکام خداوندی ہوئیا تاریخ گونی بُرْدَا وَسَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ، ان کا صحیح سلامت مکمل آتا اور اس سے قبل عفرین ہن میں اللہ تعالیٰ کی جانب سے انہیں رشد و بدایت کی دولت میرزا نائیقی قرآنی الفاظ میں پہلے ان کا ستاروں کو دیکھ کر انہیں اپنارب صحمنا اور پھر یکے بعد دیگرے چاند اور سورج کو اپنارب صحمنا لیکن پھر ان کا یہ کہہ کر کہ وہ غروب ہونے والی چیزوں کی عبادت نہیں کر سکتے اور آخر میں نہ صرف خود خدا کے واحد کی پرستش کرنے لگنا بلکہ دوسروں کو بھی اس کی ہدایت کرنا بالتفصیل بیان کیا گیا ہے۔

امام بخاریؓ سے اسماعیل ابن عبد اللہ اور ان کے بھائی عبد الحمید کی زبانی ابی ذہب، سعید المقری اور ابو ہریرہؓ ختنہ کو کے حوالے یہ حدیث بنوی مردی ہے کہ آپؐ نے ارشاد فرمایا کہ (روز قیامت ابراہیم علیہ السلام کے والدآذر کے پرخالت کے آثار ہوں گے اور وہ اپنے بیٹے ابراہیم سے کہے گا کہ وہ اپنے پچھلے اعمال پر شرمند ہے اور اب ہمیشہ ان کی ہدایت پر عمل کرے گا۔ اپنے باپ کی اپنے پچھلے گناہوں پر خالت دیکھ کر اور اس کی زبان سے آئندہ راہ ہدایت پر چلنے کا وعدہ سن کر ابراہیم اللہ تعالیٰ سے عرض کریں گے کہ ”یا اللہ تو نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ تو مجھے روز قیامت رنجید و نہیں کرے گا لہذا آج میں تجھ سے اپنے باپ کی مغفرت کا طالب ہوں اور میری تجھ سے آج پہلی اور آخری گزارش ہے۔“ اس پر اللہ تعالیٰ کی طرف سے ارشاد ہو گا کہ ”میں نے کافروں پر جنت حرام کر دی ہے۔“ یہ فرمائ کر اللہ تعالیٰ ابراہیم سے فرمائیں گے کہ ابراہیم اپنے مخنوں کے نیچے دیکھو۔ جب ابراہیم نیچے دیکھیں گے تو انہیں وہاں آگ بھڑکتی اور اس سے شعلے اٹھتے نظر آئیں گے۔ اس کے بعد اللہ تعالیٰ ان سے فرمائیں گے کہ تمام کافروں کا یہی مقام ہے جہاں وہ ہمیشہ رہیں گے۔“

بخاریؒ نے قصہ ابراہیم کے تحت یہ حدیث نبوی منفرد اور ایت کی ہے۔ البتہ انہوں نے اس کی تفسیر میں ابراہیم بن طہمان وغیرہ کے حوالے بھی دیئے ہیں۔ قرآن میں سورہ الانبیاء، سورہ شعراً اور سورہ الصافات وغیرہ کی قرآنی آیات میں بھی جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں قصہ ابراہیم کے ضمن میں بہت سے واقعات کا ذکر آتا ہے۔

امام بخاریؓ فرماتے ہیں کہ ان سے عبد اللہ بن موسیؑ نے یا ابن سلام نے عبد اللہ بن موسیؑ سے سن کر اور ابن جرجج نے عبد الحمید بن جبیرؓ سعید بن مسیتبؓ اور امام شریکؓ کے حوالے سے یہ حدیث نبوی بیان کی کہ آپؐ نے گرگٹ کے مارنے کا حکم دیا اور یہ فرمایا کہ اس نے اپنی پھونکوں سے اس آگ کو بھڑکانے کی کوشش کی تھی۔

مسلم نے یہ روایت ابن جریح کے حوالے سے بیان کی ہے اور نسائی اور ابن ماجہ نے اس کا استخراج سفیان بن عینہ کی روایت سے کرتے ہوئے دونوں نے عبدالحمید بن جبیر بن شیبہ کا حوالہ دیا ہے۔



حضرت ابراہیم علیہ السلام کا ان ملادہ سے جو اللہ تعالیٰ کی ربوبیت کے منکر تھے

خصوصاً نمرود سے جسے خدائی کا دعویٰ تھا مناظرہ

قرآن پاک میں کلام الہی کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بابل کے حکمران نمرود کے حامیوں سے جنہیں نمرود کی خدائی کا اقرار تھا اور اللہ کے خالق کون و مکان اور قادر مطلق ہونے اور اس کی ربوبیت سے انکار تھا اللہ کی عظمت و ربوبیت کے بارے میں مناظرہ کیا۔ ان میں خود نمرود بھی شامل تھا جسے خدائی کا دعویٰ تھا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی شان قدرت اور اس کی ربوبیت کی عظمت بیان کرتے ہوئے نمرود سے کہا کہ اللہ تعالیٰ ہی نے اسے بادشاہت بخشی ہے لہذا اسے خدا پر ایمان لانا اور اس کا شکرگزار ہونا چاہیے نہ یہ کہ وہ خود خدائی کا دعویٰ کرنے آپ نے نمرود سے یہ بھی فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ ہی ہے جو اپنے بندوں کو جلاتا اور مارتا ہے۔ حضرت ابراہیم کی زبان سے یہ سن کر نمرود بولا کہ ”یہ تو میں بھی کر سکتا ہوں“۔ یہ کہہ کر اس نے ایک شخص کو اپنے سامنے حاضر کرنے کا حکم دیا۔ جب وہ شخص نمرود کے سامنے حاضر ہوا تو اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام سے کہا: ” بتاؤ میں اس شخص کو قتل کر سکتا ہوں یا نہیں؟ تم کہو گے کہ میں اسے قتل کر سکتا ہوں لیکن میں اس کی جان بخشی کر کے یہ ثابت کرنا چاہتا ہوں کہ اس شخص کی موت اور زندگی میرے قبضہ قدرت میں ہے۔ ایک بھی شخص نہیں بلکہ میں روئے زمین کے ہر شخص کو مار سکتا ہوں۔ اگر میں اسی طرح سب کو مارنے یا زندہ رکھنے پر قدرت رکھتا ہوں تو بتاؤ میں تمہارے بقول جلانے اور مارنے والا یعنی خدا ہو یا نہیں؟“۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے نمرود کی اس گفتگو کے جواب میں فرمایا:

” جس شخص کی بھی تو مارنے پر قدرت رکھنے کا دعویٰ کرتا ہے اگر تو اسے مار دے تو وہ اس شخص کی طبعی موت نہ ہوگی جس کا اختیار قادر مطلق خدائی کو حاصل ہے، اس کے علاوہ تو جو کسی کو مارنے کے بجائے اس کی جان بخشی کر کے اسے جلانے کا دعویٰ کرتا ہے یعنی اپنے آپ کو خالق نہ سمجھ رہا تا ہے تو تو ایک بھی ہی پیدا کر کے دکھادے اور یہ بھی دیکھ کر سورج خدا کے حکم سے مشرق سے طلوع ہوتا ہے اور مغرب میں غروب ہوتا ہے، اگر تجھے خدائی کا دعویٰ ہے تو سورج کو مغرب سے نکال کر دکھادئے“۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ مدلل گفتگوں کرنے صرف نمرود کے جماعتی بلکہ وہ خود بھی خیر ان رہ گیا لیکن پھر بھی کفر و ضلالت سے باز نہ آیا۔

اسی لیے اللہ نے قصہ ابراہیم علیہ السلام کی بیان فرماتے ہوئے فرمایا: ﴿وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الظَّالِمِينَ﴾ یعنی اللہ تعالیٰ کسی

ظالم قوم کو راہ برداشت نہیں دکھاتا۔

مفسرین اور مورخین کے بیانات اور علماء علم الانساب کی روایات کے مطابق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانے میں باہل کے تکران کا نام نمرود تھا اور اس کا شجرہ نسب حصہ ذیل بنایا گیا ہے۔
”نمرود ابن کعنان بن کوش بن نوح“۔

نمرود کا یہ شجرہ نسب مجاہد کا بیان کر رہا ہے جب کہ پچھے دوسرے اس کا شجرہ نسب یہ بتاتے ہیں۔
”نمرود بن صالح بن ارشاد بن سام بن نوح“۔

مجاہد نے نمرود کے بارے میں بیان کیا ہے کہ وہ دنیا کے بادشاہوں میں اپنے زمانے کا ایک بادشاہ تھا۔ اس کے زمانے میں دو مونوں اور دو کافروں کا ذکر کیا گیا ہے اور مونوں کے نام ذوالقرنین اور سلیمان جب کہ کافروں کے نام نمرود اور جنت نصر بتائے گئے ہیں۔ اس کے ساتھ یہ بھی بتایا گیا ہے کہ اس نے اپنے ملک پر چار سو سال حکومت کی وہ بڑا جابر و ظالم بادشاہ تھا۔ اور اس نے دنیا میں اپنی ان ظالمانہ عادات کے کافی آثار چھوڑے۔ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسے حق پرستی کی دعوت دی تو اپنی راہ پر قائم رہا اور اپنی زندگی کے آخری ایام تک خدائی کا دعویٰ کرتا رہا۔ حضرت ابراہیم نے جب اس سے فرمایا تھا کہ موت و زندگی کا اختیار صرف خدائے واحد کے قبضہ قدرت میں ہے تو اس نے جواب دیا تھا: ”جلانا اور مارنا تو میرے ہاتھ میں بھی ہے۔“

ابو لیلی کہتے ہیں کہ ان سے ابوہشام الرفاعی اور الحنفی بن سلیمان نے ابی جعفر الرازی عاصم بن ابی الجود ابی صالح اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب نمرود کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں پھینکا گیا تو اس وقت ان کی زبان پر یہ تھا کہ ”یا اللہ تو آسمان پر واحد ہے اور تیری عبادت کرنے والا زمین پر صرف میں واحد ہوں“۔

اسلاف صالحین میں سے بعض نے بتایا ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو جبریل علیہ السلام نے انہیں اپنے ہاتھوں پر اوپر اٹھایا اور ان سے دریافت کیا: ”اگر آپ کو میری کچھ اور ضرورت ہو تو فرمائیے؟“ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان سے فرمایا: ”محض آپ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔“

ابن عباسؓ اور سعید بن جبیرؓ سے مردی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بارش کے فرشتے کو حکم دیا تھا کہ وہ آگ کے اس انبار پر پانی برساتا رہے جہاں ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تھا۔ چنانچہ وہاں صرف ایک دائرے کی شکل میں تماشا یوں کی نظر ہوں کے سامنے آگ کے شعلے اٹھتے رہے لیکن اس کے درمیانی حصے میں اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک گلزار کی کیفیت پیدا ہو گئی۔ اس کے علاوہ اس حصے پر سائے کے فرشتے نے اللہ تعالیٰ کے حکم سے سایہ ابر کیے رکھا اور حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود بعد میں فرمایا کہ انہیں وہاں ایسا آرام و سکون ملا تھا کہ اس جگہ ساری عمر ہی خوشی سے رہ سکتے تھے کیونکہ فرشتوں نے جیسا کہ انہیں حکم دیا گیا تھا اس کی فوری تعیل کر دی تھی اور منشائے الہی بھی بھی تھا۔ آیہ شریفہ ﴿بِأَنَّا رَأَيْنَاكُوْنِي بَرَدًا وَ سَلَامًا عَلَى إِبْرَاهِيمَ﴾ کے بارے میں حضرت علیؓ نے لفظ سلاماً کی تفہیم فرمانتے ہوئے بیان فرمایا کہ اس سے اللہ تعالیٰ کا مقصد یہ تھا کہ آگ سرد ہو کر اتنی سرد نہ ہو

جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کو ضرر پہنچانے لگے۔ این عبادت خواہ اور ابوالعلیٰ نے تھی مندرجہ بالا آیہ شریفہ میں لفظ سلام کی تکمیل فضاحت کی ہے۔

کعب الاحرار نے بیان کیا کہ اگر آگِ اللہ تعالیٰ کے حکم سے بالکل نمرود (ؑ) ہو جاتی تو اس میں حرارت باقی نہ رہتی اور وہ اپنی فطرت کو پہنچتی لہذا پھر اس سے نوع انسانی کو ضرورت بھی کوئی فائدہ نہ پہنچتا۔

ضحاک ایک روایت کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ جب ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالا گیا تو ان کے چہرہ مبارک پر پسیے کے سو اجسے جریل صاف کرتے رہے اور کسی تکلیف کے آثار نہیں پائے گئے تھے۔

چند دوسری روایات کے مطابق آتش نمرود کے گرد کھڑے ہوئے تماشاکوں نے یہ حیرت انگیز منظر تو دیکھا کہ آگ کے حلقے کے اندر ایک پر بہار گلزار ہے اور اس میں حضرت ابراہیم علیہ السلام بالکل مطمئن اور سکون سے تشریف فرمائیں لیکن وہ اس حلقہ آش کو عبور کر کے اس گلزار ابراہیم میں جانبیں سکتے تھے۔

حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے باپ آزر نے اپنی تمام زندگی میں منہ سے کوئی اچھا کلمہ نکالتا تو وہ یہ تھا کہ جب اس نے ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالے جانے کے بعد یہ منظر دیکھا تو بولا:

”اے ابراہیم! تیر ارب واقعی عظیم ہے۔“

منہاں بن عمرو سے مروی ہے کہ اس وقت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف چالیس یا پچاس سال تھی۔ اس روایت میں یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زبانی یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ انہوں نے اس خوف ناک آگ سے باہر آنے کے بعد فرمایا تھا کہ اگر میں تمام عمر بھی اس آگ کے حلقے میں قیام کرتا تو اپنے پروردگار کی حمد و شکر تارہتا۔

اس روایت کو بخاریؓ نے ابی یمان، شعیب بن ابی حمزة، ابی زنا اور اعرج نیز ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بحوالہ حدیث نبوی مختصر ابیان کیا ہے۔

ایک حدیث نبوی میں جسے ابی حاتم نے سفیان، علی بن زید اور ابن جدعان کی زبانی ابی نصرہ اور ابی سعید کے حوالے سے بیان کیا ہے آپؐ نے یہ فرمایا تھا کہ ابراہیم اور ایک دوسرے نبی لوط علیہ السلام نے جو اپنے اور دشمنان خدا کے سامنے اپنی اپنی بیویوں کو اپنی بھنیں بتایا تھا تو وہ ان دونوں کے مومنات اور اپنی ہم نمہب ہونے کے رشتے سے بتایا تھا جس رشتے سے روئے زمین کے تمام مسلمان مرد اور عورتیں ایک دوسرے کے بین جمائی ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ ان کے اس قول میں بحکم الہی کا فرود کے مکر کا توڑ بھی تقصود تھا نیز یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آتش نمرود میں جس صبر و استقامت کا ثبوت دیا تھا تو وہ تمام اہل ایمان کو اللہ تعالیٰ کے حکم ﴿وَاسْتَعِنُوْا بِالصَّمْرِ وَالصَّلَاةِ﴾ کے عین مطابق تھا کہ ابراہیم اس وقت بھی انہماں کی صبر کے ساتھ نماز میں مصروف تھے۔ یہی وجہ تھی کہ اللہ تعالیٰ نے نہ صرف انہیں آتش نمرود میں محفوظ رہا بلکہ ان کی بیویوں کی عصمت کی بھی حفاظت فرمائی۔

بعض علماء نے عورتوں میں زوجہ ابراہیم حضرت سارہ، ام موسیٰ اور حضرت مریم والدہ عسلی علیہما السلام کی نبوت کی طرف بھی

اشارات کیے ہیں۔ خصوصاً حضرت سارہ کی طرف کران کے اور ان کے خادم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ماہین جنہیں وہ بہت چاہتی تھیں اللہ تعالیٰ نے تمام ظاہری و باطنی جوابات اٹھا کر انہیں معصوم قرار دیا تھا۔

بعض روایات میں حضرت سارہ کو حضرت نوآ کے، ان کے زمانے تک تمام دنیا کی حسین ترین خاتون بتایا گیا ہے اور یہ بھی کہ وہ بابل کے حکمران کی دختر ہونے کے باوصف اپنے خادم ابراہیم علیہ السلام کی ہم مذہب تھیں۔ جیسا کہ بعض اہل تواریخ نے بیان کیا ہے کہ بابل کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے مصر میں قیام فرمایا تھا جہاں کا بادشاہ خحاک کا بھائی تھا جو اپنے ظلم واستبدادی وجہ سے آج تک ساری دنیا میں مشہور ہے۔ کہا جاتا ہے کہ اس زمانے کے فرعون مصر کا پورا نام سنان بن علوان بن عبید بن عوچ بن عملاق بن لاود بن سام ابن نوح تھا۔ سیلی نے بھی یہی بتایا ہے۔ واللہ اعلم

حضرت ابراہیم علیہ السلام جب مصر سے یہی تشریف لے گئے تو ان کے ساتھ کافی مال و ممتال کے علاوہ غلام بھی تھے اور ان کے ہمراہ ہاجرہ قبطیہ بھی تھیں جو ان کی بیوی سارہ کی کنیز تھیں۔ وہاں سے حضرت لوٹ علیہ السلام وہ سامان اور مال و ممتال لے کر جو ابراہیم نے انہیں دیا تھا اور انہی کے حکم سے علاقہ غور کی طرف چلے گئے جسے اس زمانے میں غور زغرتہ تھے۔ پھر وہ وہاں سے شہر سدوم چلے گئے تھے جسے اس زمانے میں ”ام البلاد“ کہا جاتا تھا لیکن وہاں کے باشندے انتہائی شریر و مفسد اور کافر تھے اور بد اعمال بھی۔ اس لیے اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ ابراہیم کو حکم دیا کہ وہ لوٹ علیہ السلام کی مدد کے لیے بصرہ جائیں اور مشرق و مغرب اور شمال و جنوب میں ہر طرف نظر رکھیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے روئے زمین کے تمام حصوں پر انہیں اور ان کی اولاد کو حکمران بنایا ہے۔ نبی کریم علیہ السلام کا یہ ارشاد کہ وہ دیکھ رہے ہیں کہ ان کی امت بھی (قریبًا) تمام اقصائے عالم پر حکومت کرے گی، ابراہیم پر اس وحی الہی پر محمول تھا۔

کہا جاتا ہے کہ تمیں کے ظالم و جابر لوگوں نے حضرت لوٹ علیہ السلام پر حدست زیادہ ظلم کیا، ان کا تمام مال لوٹ لیا اور انہیں قید کر دیا۔ البتہ جب وہ ان کی اسیری سے نجات حاصل کرتے اور کچھ مال واپس لینے میں کامیاب ہو گئے تو انہوں نے اللہ تعالیٰ اور اپنے دشمنوں کو شکست دی اور انہیں کثیر تعداد میں قتل کر کے تمیں سے شرقی دمشق کی طرف چلے گئے اور وہاں انہوں نے عساکر بھی جمع کر لیے۔ اس تمام عرصے میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہمراہ تھے۔ اسی لیے دمشق کے اس شرقی حصے کو ”جیش ابراہیم کا ملکن“، کہا جاتا ہے اور اب تک وہ جگہ اس نام سے مشہور چلی آتی ہے۔ واللہ اعلم

اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے اصل مقام ارض بیت المقدس تشریف لے گئے جہاں کے لوگ ان کے ساتھ شرمندگی کے ساتھ ساتھ بڑے احترام سے پیش آئے۔

حضرت ہاجرہ کے بطن سے اسماعیل علیہ السلام کی ولادت:

اہل کتاب کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے لیے تیک و طیب اولاد کی دعا کی۔ اور اللہ تعالیٰ نے انہیں اس کی بشارت بھی دی تھی۔ چنانچہ جب وہ سر زمین بیت المقدس میں میں سال قیام فرمائے چکے تو ایک روز حضرت سارہ نے ان سے عرض کیا کہ ”مجھے تو اللہ تعالیٰ نے اولاد کی نعمت سے نبیس نوازا، ممکن ہے ہاجرہ کے بطن ہی سے وہ بھیں اس نعمت سے سرفراز فرمایا

دے۔ یہ کہہ کر انہوں نے باجرہ کو ابراہیم کے نام بھہ کر کے انہیں باجرہ سے خلوت کی اجازت دے دی لیکن جب وہ خدا کی قدرت سے حاملہ ہو گئیں تو جناب سارہ جیسا کہ عموماً عورتوں کی فطرت ہے باجرہ سے حد اور ان پر رشک کرنے لگیں۔ یہ دیکھ کر حضرت باجرہ خوف کھا کر ان نے پاس سے چلی آگئی اور وہاں باپنچھیں جہاں اب ایک پرشتم ہے لیکن اللہ تعالیٰ کے حکم سے ایک فرشتے نے ان سے کہا کہ ”بے خوف ہو کرو اپس چلی جائیے کیونکہ اللہ تعالیٰ آپ کو ایک بارہ کت فرزند عطا فرمائے والا ہے“۔ پھر اس فرشتے نے ان سے کہا کہ ”جب آپ کے بطن سے لڑاکا پیدا ہو تو اس کا نام اسماعیل رکھیے کا دنیا کے تمام انسان ان کے زیر دست ہوں گے اور ان کے بھائی ساری دنیا پر اقتدار حاصل کریں گے۔“

فرشتے کے اس کہنے پر حضرت باجرہ خوش ہو گئیں اور انہوں نے اللہ تعالیٰ کا شکر ادا کیا (یہاں اہل کتاب کا بیان ختم ہوتا ہے) اللہ کی طرف سے حضرت باجرہ کے لیے اس فرشتے کی زبانی جو بشارت اللہ تعالیٰ نے تازل فرمائی تھی کہ ان کے اس فرزند کے بھائی دنیا میں حامل سرفرازی و اقتدار ہوں گے وہ آنحضرت ﷺ کی شکل میں ظہور پذیر ہوئی کہ آپ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے جد اعلیٰ حضرت ابراہیم ﷺ کی طرح نبوت سے سرفراز فرمایا، پھر ساری سر زمین عرب میں آپ کا اقتدار قائم کیا۔ اور آپ کے بعد جیسا کہ آپ نے اپنی حیاتِ طیبہ ہی میں فرمادیا تھا آپ کی امت تمام بلاد مشرق و مغرب پر حکمرانوں کی حیثیت سے چھاگئی۔ اس کے علاوہ صرف آنحضرت ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے علم نافع اور عمل صالح کی توفیق عطا فرمائی جو اس سے قبل کسی نبی کے حصے میں نہیں آئی تھی اور آپ ہی کو بلا استثناء تمام روئے زمین کے لیے اپنانی و رسول مبعوث فرمایا۔ (مؤلف)

بہر کیف جب حضرت باجرہ فرشتے کی زبانی مذکورہ بالاشارة خداوندی سن کر خوش ہو کرو اپس لوٹیں تو ان کے بطن سے حضرت اسماعیل تولد ہوئے۔ کہا جاتا ہے کہ اس وقت حضرت ابراہیم کی عمر چھیسا سال تھی جس کے تیرہ سال بعد حضرت سارہ کے بطن سے حضرت الحسن علیہ السلام تولد ہوئے۔

مورخین نے متعدد مستند حوالوں سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت باجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل تولد ہوئے تو حضرت سارہ کے غصے کی انتہا نہ رہی اور انہوں نے حضرت ابراہیم کو بلا کر ان سے کہا کہ باجرہ کو ان کے سامنے سے کہیں دور بھجوادیں۔ چنانچہ حضرت ابراہیم ﷺ انہیں اور اپنے نومولود بیچ حضرت اسماعیل کو لے کر کے کے اس مقام پر چلے آئے جہاں انہوں نے بعد میں بیت العتیق (قدیم خانہ کعبہ) تعمیر کیا۔

جیسا کہ مورخین (محمد شین) نے احادیث نبوی کے حوالے سے روایات پیش کی ہیں۔ جب حضرت ابراہیم حضرت باجرہ کو اس بے آب و گیاہ خشک پہاڑی پر چھوڑ کر ان سے رخصت ہونے لگے بلکہ پیٹھ موز کر چل بھی دیئے تو انہوں نے آپ کا دامن پکڑ کر کہا: ”آپ میں اس چیل اور ویران جگہ چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں؟ یہاں ہماری دیکھ بھال کون کرے گا اور ہمیں کون کھلانے پلائے گا؟“، لیکن ابراہیم یہ کہہ کر کہ ”اللہ تعالیٰ کا یہی حکم ہے“۔ ان سے رخصت ہو گئے۔



حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنی بیوی ہاجرہ اور بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ساتھ مکے کے پہاڑ فاران کی طرف ہجرت اور وہاں ان کے بیت اعیت تعمیر کرنے کا ذکر

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام ہاجرہ کے بطن سے اسماعیل علیہ السلام کی ولادت پر اپنی بیوی سارہؓ کی انتہائی نھیں اور غمیض و غصب دیکھ کر اور ان کے یہ کہنے کے بعد کہ ہاجرہ کو لے کر کہیں اور چلے جاؤ ہاجرہ اور اپنے نومولود بچے اسماعیلؓ کو لے کر جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے سرز میں بیت المقدس سے نکلے تو سفر کرتے ہوئے مکے کے قریبی پہاڑ فاران پر پہنچے اور وہاں ان دونوں کو چھوڑ کر جانے لگے تو جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے حضرت ہاجرہؓ نے ان کا دامن پکڑ کر ان سے کہا کہ وہ ان دونوں کو اس دریاں جگہ پر چھوڑ کر کہاں جا رہے ہیں تو انہوں نے بتایا کہ یہ حکم ہے۔ اس پر حضرت ہاجرہؓ نے کہا کہ اگر یہ خدا کا حکم ہے تو وہ ضرور جائیں اور اللہ تعالیٰ یقیناً انہیں اور ان کے نومولود بچے کی جانیں ضائع نہیں ہونے دے گا۔

جب حضرت ابراہیم علیہ السلام وہاں سے رخصت ہو گئے تو ہاجرہ یہ محسوس کر کے کہاں کا نجما بچ پیاسا ہو گا جب کہ خود بھی پیاسی تھیں فاران کی پہاڑی سے صفا کی پہاڑی کی طرف رُخ کیا اور وہاں کھڑے ہو کر نیچے وادی پر نظر ڈالی تو انہیں وہاں چیل میدان ہی نظر آیا جہاں دور تک کوئی آدم زادہ نہ تھا۔ پھر وہ وہاں سے دوڑتی ہوئی دوسری پہاڑی مرودہ پر پہنچیں اور نیچے وادی پر دور تک نظر ڈالی تو وہاں بھی انہیں کوئی انسان نظر نہ آیا۔ اسی طرح انہوں نے صفا اور مرودہ کی پہاڑیوں کے درمیان دوڑتے ہوئے سات چکر لگائے لیکن انہیں کہیں دور تک وہاں کوئی آدمی نظر آیا نہ پانی کے آثار نظر آئے۔ آخر کار وہ تمک کر اپنے بیٹے اسماعیلؓ کے پاس آئیں جنہیں وہ صفا اور مرودہ کی پہاڑیوں کے درمیان دوڑتے ہوئے مرمڑ کر دیکھتی بھی جاتی تھیں لیکن جب وہ وہاں سے آخری چکر لگا کر اپنے بیٹے کے پاس پہنچیں تو کیا دیکھتی ہیں کہ وہاں قدرتِ الہی سے پانی ابل ابل کر پتھروں کے نیچے سے اوپر آ رہا تھا۔ یہ دیکھ کر انہوں نے خدا کا شکر ادا کیا جس نے حسب وعدہ ان کی اور ان کے بیٹے کی جان بچائی تھی۔

حضرت ہاجرہؓ نے صفا اور مرودہ کی پہاڑیوں کے درمیان سات چکر لگائے تھے انہی کی یاد میں اب حاج ان پہاڑیوں کے درمیان انہی کی طرح دوڑتے ہوئے سات چکر لگاتے ہیں جنہیں ”سعی“ کہا جاتا ہے۔

حضور نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے کہ خانہ کعبہ کے احاطے کے قریب چاؤ زم وہاں حضرت ہاجرہؓ اور ان کے صفرن بیٹے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے قدومیست لزوم کی برکت کا نتیجہ ہے جس سے اہل مکہ کے علاوہ تمام دنیا کے مسلمان سیراب ہوتے ہیں اور تنا قیامت ہوتے رہیں گے۔

متعدد مستند روایات کے مطابق حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنی والدہ حضرت ہاجرہؓ کے زیر سایہ سرز میں مکہ پر پلتے بڑھتے رہے اور وہاں لوگ پانی کی وجہ سے آ آ کر آباد ہوتے چلے گئے، حضرت اسماعیل علیہ السلام کی شادی بھی ہو گئی اور انہوں نے اپنی پہلی بیوی کو

غلائق دے کر دوسرا شادی کر لی، اس دوران میں تھا نے الحنفیت ان کی والدہ حضرت ما جبرہ وفات یا گئیں۔ حضرت اسماعیل کی دوسری شادی کے بعد حضرت ابراہیم بعد مدت اپنے بیوی اور بچہ کی خیر و غافیت دریافت کرنے کے لیے کئی بار سرز میں مکہ کو لوٹے لیکن ہر بار اس وقت حضرت اسماعیل اپنی قیام کا وہ پروجہ وجود نہ ہوتے۔ ان کی بیوی نے دریافت کرنے پر انہیں بتایا کہ ایک بہت بورھا شخص آپ کے پیچھے آیا تھا اور آپ کی اور ہم سب کی خیریت دریافت کر رہا تھا۔ حضرت اسماعیل نے کہا کہ ”کہیں وہ میرے والد نہ ہوں“۔

آخر کار ایک روز ایسا ہوا کہ حضرت اسماعیل جب اپنی بکری چرا کراپنی قیام گاہ کو لوٹے تو اس وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام حسب معمول ان کی خیریت دریافت کرنے وہاں آئے ہوئے تھے۔ پہلے تو دونوں باپ بیٹے ایک دوسرے کو غور سے دیکھتے رہے پھر ایک دوسرے کو پہچان کر آپس میں بغل گیر ہو گئے۔ باپ بہت بوزھے ہو چکے تھے لیکن بیٹے میں باپ کی اتنی شاہت تھی کہ ایک دوسرے کو پہچاننا زیادہ دیر تک مشکل نہ ہوا۔ حضرت اسماعیل علیہ السلام اس وقت عحفوان شباب میں تھے اور حضرت ابراہیم کی طرح لوگ ان کے حسن اور ان کی وجہت کی تعریف کرتے رہ تھکتے تھے۔ جہاں تک اللہ کے حکم سے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں اپنے بیٹے کو بطور فدیہ را خدا میں ذبح کرنے کا تعلق ہے اس کا ذکر ہم آگے چل کر ان شاء اللہ عنقریب کریں گے۔

قصہ ذبح:

یوں اسرائیلیات میں قصہ ذبح کے بارے میں بہت سچھ کہا گیا ہے جو سراسر خلاف واقعہ ہے اور تحقیق سے معلوم ہوا ہے کہ وہ صرف من گھڑت باتیں ہیں۔

قرآن شریف کی سورہ صافات میں اس کا جو ذکر ہے اس سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ یہ قصہ صرف حضرت اسماعیل علیہ السلام ذبح کا ہے جنہیں حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے اشارہ پا کر فندیہ خداوندی کے طور پر اپنے نزدیک ذبح کر دیا تھا۔

سورۃ الصافات میں، قصہ یوں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خواب دیکھا تھا کہ وہ اپنے نوجوان بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو راہ خدا میں ذبح کر رہے ہیں۔ انہوں نے یہ خواب دوبار دیکھا اور چونکہ انہیں علیہ السلام کے خواب رویائے صادقہ ہوتے ہیں اس لیے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کی راہ خدا میں قربانی دینا اپنے لیے فرض میں سمجھا۔

انہوں نے پہلے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو اپنا خواب سنایا اور انہیں یہ بھی بتایا کہ ان کا خواب سچا ہے لیکن انہوں نے اتنا نہیں کہ اس کے بارے میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی رائے معلوم کی تو جیسا قرآن پاک سے ثابت ہے انہوں نے یہ جواب دیا کہ آپ اپنے رب کا حکم پورا کیجیے مجھے ان شاء اللہ ہر حال میں صابر و شاکر پائیں گے۔

اپنے بیٹے کی رائے معلوم کرنے کے بعد اور انہیں ثابت پا کر حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں ایک پہاڑی کے دامن میں لے گئے اور پیشانی کے بل لانا کران کی گردن پر چھری پھیر دی لیکن کئی بار کوشش کے باوجود وہ اپنی کوشش میں کامیاب نہ ہو سکے کیونکہ کئی مستند روایات کے مطابق ان کی چھری اور ان کے بیٹے کی گردن کے درمیان کوئی تابنے کی پتڑی آ جاتی تھی۔

آخر کار انہوں نے اپنی کوشش کو اپنے نزدیک کامیاب سمجھ کر جو دیکھا تو فریب ہی ایک مینڈھاڑخ لیا ہوا پڑا تھا اور حضرت اسماعیل علیہ السلام موجود تھے۔ اس کے بعد غیب سے آواز آئی۔ ”ابراہیم علیہ السلام“ تم اس امتحان میں جو نہیں منظور تھا کامیاب ہوئے۔

یہ صدائے غیب سن کر حضرت ابراہیم علیہ السلام سر بسجدہ ہو کئے اور باپ بینے دونوں نے اپنے پروردگار کے اس رحم و کرم کا شکر ادا کیا۔

لہاذا جاتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی عمر اس وقت تیرہ سال تھی جب کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر نو سال سے کافی تجاوز کر پچھلی تھی۔

جہاں تک حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں بیت العقیق کی تعمیر کا تعلق ہے اس کا ذکر پچھلے صفحات میں آچکا ہے۔ اس کی مختصر تفصیل متعدد مستند روایات کے مطابق یہ ہے کہ اس کی بنیاد میں کھونے اور انہیں پتھروں سے پر کرنے کے بعد جب اس کے احاطے کی دیواریں اٹھائی جانے لگیں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام دور دور سے مناسب پھر تلاش کر کے لاتے اور ان کے والد گرامی حضرت ابراہیم علیہ السلام انہیں دیواریں اٹھانے کے لیے تدبیت جانتے جاتے تھے اور ہر درے کے بعد جیسا کہ قرآن کی متعلقہ آیات سے ثابت ہے کہتے جاتے: ”یا اللہ تو ہماری اس محنت کو قبول فرماؤ تو سننے اور جاننے والا ہے۔“

آخر میں جب دونوں باپ بیٹوں کی محنت ٹھکانے لگی تو حضرت ابراہیم نے دعا فرمائی کہ ”اللہ تعالیٰ تو ہماری اولاد میں (سر ز میں عرب سے) ایک ایسا نبی مبعوث فرماؤ جو تیرے اس گھر میں تیری عبادت میں لوگوں کو تلقین کرتا رہے۔“

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی یہ دعا جوان کے دل سے نکلی تھی قبول فرمائی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سر ز میں عرب پر اپنا آخری نبی فخر الانبیاء ہنانے لو لا ک اور باعث تکوین کون و مکان حضرت محمد ﷺ کو مبعوث فرماؤ کر دنیا سے کفر و ضلالت کے نشانات مٹا دیئے۔



ذکر مولد حضرت الحنفی علیہ السلام

قرآن شریف کی سورت ابراہیم کی ایک آیہ شریفہ میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کے دوسرے فرزند حضرت الحنفی علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کی ولادت کی بشارت دی تھی اور یہ بھی فرمایا تھا کہ ان کا شمار بھی انہیاً صاحبین میں ہوگا۔

کلام الہی سے اس امر کا ثبوت بھی ملتا ہے کہ حضرت الحنفی علیہ السلام کی ولادت حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے تیرہ سال بعد حضرت سارہ نبی موسیؑ کے بطن سے ہوئی تھی نیز جملہ موْرخِین و علماء اس بات پر متفق ہیں کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت کے وقت حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاں کی سال اور حضرت الحنفی علیہ السلام کی ولادت کے وقت ان کی عمر ننانوے سال تھی اور موْرخِین و علماء کا یہ بیان کلام الہی کے عین مطابق ہے جس میں کسی تضاد کا شایبہ تک نہیں پایا جاتا۔

اس کے علاوہ خود حضرت سارہ نبی موسیؑ کو جیسا کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا اور علماء و موْرخِین نے بھی بیان کیا ہے اس بات پر حیرت تھی کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور خود ان کی کہن سالی بلکہ باجھ ہونے کے باوجود ان کے بطن سے حضرت الحنفی علیہ السلام کی ولادت کیسے ہو گی لیکن اللہ تعالیٰ نے ایک فرشتے کے ذریعے انہیں بھی براہ راست حضرت مریمؑ کی طرح اپنی قدرت کاملہ کی طرف اشارہ فرماتے ہوئے مطمئن فرمادیا تھا۔ ان مدل و باشوت بیانات کے بعد اسرائیلیات کے دوسرے لغوب بالطل روایت بیانات کی طرح اس کا یہ بیان بھی کہ حضرت الحنفی علیہ السلام کی ولادت حضرت سارہ نبی موسیؑ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی ولادت سے قبل ہوئی تھی جو حضرت ہاجر نبی موسیؑ کے بطن سے پیدا ہوئے تھے قطعاً بالطل ٹھہرتا ہے۔

حضرت الحنفی علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں قرآن شریف کے ذریعہ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت سارہؓ کو حضرت الحنفی علیہ السلام کے بعد حضرت یعقوب علیہ السلام کی بشارت دی تھی ﴿وَبَشَّرْنَاهُ بِإِسْحَاقَ وَمِنْ وَرَاءِ إِسْحَاقَ يَعْقُوبَ﴾ یہ اس امر ثابت کی جسے محمد بن کعب القرظی وغیرہ نے بھی بیان کیا ہے دلیل ہے کہ ”ذیع“ کا اطلاق صرف حضرت اسماعیلؑ پر ہو سکتا ہے کیونکہ وہی حضرت الحنفی علیہ السلام سے پہلے پیدا ہوئے تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام ہی جیسا کہ مندرجہ بالا یہ قرآنی سے ثابت ہوتا ہے حضرت الحنفی علیہ السلام کے بعد پیدا ہوئے۔ چنانچہ یوں بھی حضرت الحنفی علیہ السلام کی ولادت حضرت اسماعیل علیہ السلام سے قبل جیسا کہ اسرائیل روایات میں مشہور چلا آتا ہے صریحاً اطلاق قرار پاتی ہے اور اسی لیے حضرت الحنفی علیہ السلام پر ”ذیع“ کا اطلاق بھی بالطل ٹھہرتا ہے۔

یہی بات بنائے ”بیت العتیق“ کے بارے میں بھی کہی جاسکتی ہے جسے حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی نے اپنے والد محترم حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ساتھ مل کر جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے، تعمیر کیا تھا۔ اسی طرح یہ بات بھی جسے ابن حبان نے اپنی ”تفاسیم“ میں لکھا ہے کہ ابراہیم علیہ السلام اور سلیمان علیہ السلام کے ماہین چالیس سال کا فرق ہے۔ عقل وقل دونوں طرح سے غلط قرار پاتی ہے۔

بیت العتیق کی بنیاد اور تعمیر کا ذکر

قرآن شریف کے حوالے سے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں سرز میں مکہ پر بیت العتیق (قدیم ترین بیت اللہ) کی بنیاد اور اس کی تعمیر کا مختصر حال ہم پہلے بیان کرچکے ہیں اس لیے یہاں صرف ان آیات قرآنی کا ذکر کریں گے جس میں بیت العتیق کی تعمیر اور اس کے بعد ابراہیم علیہ السلام کی مکمل دعا کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ جب (حضرت) ابراہیم علیہ السلام اور ان کے بیٹے اسماعیل (علیہ السلام) بیت العتیق کی بنیاد میں بھر کر ان کی کسی قدر دیواریں اٹھا پکھے تو (حضرت) ابراہیم علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی کہ ”اے میرے رب ہمیں اپنے اوپر (یعنی خدا پر) ایمان لانے والا بنا، اور ہماری ذریت کو بھی مون بنانا اور اے ہمارے رب ان میں ایک ایسا رسول مبعوث فرمانا جو لوگوں کو تیری آیات پڑھ کر سنائے اور انہیں کتاب و حکمت کی بتائیں تائے“۔ اس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم اور حضرت اسماعیل علیہ السلام کے ہاتھوں سرز میں مکہ میں ”بیت العتیق“ کی بنیاد پڑنے کا ذکر فرمایا ہے۔ جو عموماً انسانوں کے لیے اللہ تعالیٰ کا روئے زمین پر پہلا گھر تھا جو اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے اور اس کی عبادت کرنے والے ہوں گے اور اس بیت اللہ کے حوالے سے اللہ کی عظمت کا ذکر کریں گے۔ وغیرہ وغیرہ

حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام وغیرہ سے مردی ہے کہ اس قدیم بیت اللہ کی تعمیر کی ہدایت خود اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ فرمائی تھی اور جیسا کہ ہم پہلے تخلیق سماوات کے حصن میں بیان کرچکے اس قدیم بیت اللہ کی مکانیت روئے زمین پر ویسی ہے جیسے آسمان پر ”بیت معمور“ کی ہے۔ صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں بیان کیا گیا کہ روئے زمین پر اس بیت اللہ سے قبل جو حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام نے سرز میں مکہ میں تعمیر کیا اللہ تعالیٰ کی عبادت کے لیے کوئی عمارت نہ تھی نہ اس کی عبادت کرنے والوں کا کہیں نام و نشان تھا جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وَّاضِعَ لِلنَّاسِ لِلَّذِي بِبَيْكَهُ مُبَارَكًا وَ هُدًى لِّلْعَالَمِينَ﴾

یعنی خدا کا پہلا گھر مکے میں تعمیر ہوا جو (بعد میں) بنی آدم کی ہدایت اور ان کے لیے خیر و برکت کا باعث بنا۔

کہا جاتا ہے کہ اول کعبۃ اللہ کا محل و قوع (جس کے بارے میں آیات بینہ بھی موجود ہیں) وہی تھا جہاں اب مجر اسود اور مقام ابراہیم ہے اور پہلے اس کی دیواریں حضرت ابراہیم علیہ السلام کے قد کے برابر تھیں۔ اس بارے میں ابن عباس رضی اللہ عنہ نے ایک طویل روایت بیان کی ہے۔

یہ مقام ابراہیم جو احاطہ خانہ کعبہ سے حضرت عمر بن خطاب علیہ السلام کے زمانے تک متصل تھا جہاں اب تک مجر اسود کے گرد مسلمانوں نے عالم طواف کرتے ہیں اور وہیں خود حضرت عمر بن الخطاب علیہ السلام بھی طواف کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول آنحضرت ﷺ کے لیے ارشاد فرمایا تھا: ﴿وَاتْحَدُوا مِنْ مَقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلّى اللہُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنَّ الْمُجْرِمَاتِ هُنَّا مُنْكَرٌ لَهُمْ﴾ فائزہ اللہ چنانچہ آپ کی امت کے لوگوں نے بھی مقامِ ابراہیم کو بطور مصلی قائم رکھا ہے۔ اسلام کے اوپرین زمانے تک صحرہ میں حضرت ابراہیم ﷺ کے قدوم میہنتِ زندگی کے کچھ آثار باقی تھے جن کی وجہ میں حضرت ابو طالب نے ”الامیہ“ کے نام سے ایک تصدیق جمی کہا تھا جواب تک مشہور ہے۔

اللہ تعالیٰ کے علاوہ اس کے رسول آنحضرت ﷺ نے بھی بار بار حضرت ابراہیم ﷺ کی توصیف فرمائی اور روایت صحیحین کے مطابق آپ نے اپنے خطبہ مبارک میں یہ بھی فرمایا کہ جس طرح اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم ﷺ کو دنیا میں اپنا خلیل بنایا کہ بھیجا تھا اور ان کے ذریعہ اہل عالم کو ہدایات دی تھیں اسی طرح اس نے آپ کو بھی اپنا خلیل بنایا کہ دنیا میں بھیجا ہے اور اہل عالم کو ہدایت دینے کا حکم فرمایا ہے۔

جنت میں قصر ابراہیم علیہ السلام کا ذکر:

حافظ ابو بکر البزر ارکھتے ہیں کہ ان سے احمد بن سنان القطان و اسطی او رحمہ بن موی القطان نے بیان کیا کہ ان دونوں کو زید بن ہارون اور حماد بن سلمہ نے سماک، عکرمه اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث سنائی جس میں آپ نے فرمایا کہ جنت میں حضرت ابراہیم ﷺ کے لیے سالم موئی کا ایک ایسا قصر (اللہ تعالیٰ کے حکم سے) تعمیر کیا گیا ہے جس میں کہیں کوئی جو زندگی ہے اور اللہ تعالیٰ نے اسی قصر میں انہیں رکھنے کا وعدہ فرمایا تھا۔

البزار نے آنحضرت ﷺ کی اس حدیث کے بارے میں احمد بن جبل المرودی، نظر بن شمیل اور حماد بن سلمہ کی زبانی سماک، عکرمه اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کے حوالے سے اس سے ملتی جلتی ایک اور روایت بھی پیش کی ہے۔

او صاف ابراہیم کے بارے میں روایات:

امام احمدؓ فرماتے ہیں کہ ان سے یونس و جبین نے بیان کرتے ہوئے تباہی کہ ان دونوں نے لیٹ، ابی زبیر اور جابر سے سماک آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب (شبِ معراج) آپ سے انہیاء کا تعارف کرایا گیا تو آپ نے حضرت موی ﷺ کو شکل و شباهت میں شنوة کے لوگوں کی طرح پایا، حضرت عیسیٰ بن مریم ﷺ عروہ بن مسعود سے مشابہ تھے اور حضرت ابراہیم ﷺ دیہ سے مشابہت رکھتے تھے۔

امام احمدؓ نے اس حدیث کی بنیاد پر اس روایت کو منفرد کر کے پیش کیا ہے۔

امام احمدؓ نے اس بارے میں ایک دوسری روایت پیش کرتے ہوئے فرمایا ہے کہ ان سے اسود بن عامر اور اسرا علیل نے عثمان لیش ابن مغیرہ، مجہد اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپ نے (شبِ معراج) عیسیٰ بن مریم، موی اور ابراہیم (علیہم السلام) کو دیکھا تو عیسیٰ بن مریم ﷺ کی رنگت سرخ تھی اور ان کے گیسو ان کے سینے تک پہنچ ہوئے تھے جب کہ حضرت موی ﷺ فربہ اندام تھے۔

لوگوں نے آپ سے دریافت کیا: ”یا رسول اللہ (علیہ السلام) حضرت ابراہیم ﷺ کیسے تھے؟“ آپ نے فرمایا: ”آپ

وگ مجھے دکھی کر ان کی شکل و شباہت کا اندازہ لگالو۔

امام بخاری سے مروی ہے کہ ان سے بنان بن عمر و نظر اور ابن حون لے مجاهد کے حوالے سے بیان کیا کہ آخر الذر نے ابن عباس بن عاصی کو کہتے ہوئے سن کہ لوگوں نے آنحضرت ﷺ سے کس کر بیان کیا کہ جان کی وہنوں آنکھوں کے درمیان کفر کا نشان (ک۔ف۔ر) ثابت ہوگا۔ جب ان سے (ابن عباس شیعہ سے) کہا گیا کہ آنحضرت ﷺ سے کچھ لوگوں نے سنائے کہ آپ نے (شبِ معراج) حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دیکھا تو کیا آپ نے بھی آنحضرت ﷺ سے ان کی شکل و شباہت کے بارے میں کچھ سنائے؟ اس کے جواب میں ابن عباس شیعہ نے بتایا کہ جب یہ سوال لوگوں نے آپ سے کیا تھا تو آپ نے فرمایا تھا کہ ”تم مجھے دکھی لو، جس کا مطلب یہ ہوا کہ آنحضرت ﷺ شکل و شباہت میں حضرت ابراہیم علیہ السلام سے مشابہ تھے۔

امام بخاری نے یہ روایت صحیح بخاری میں ”کتاب الحج و اللباس“ کے عنوان کے تحت بھی بیان کی ہے جب کہ مسلم نے اسے محمد بن شقی، ابن ابی عدی اور عبد اللہ بن عون کے حوالے سے بیان کیا ہے۔



حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات کا ذکر اور ان کی عمر کے بارے میں مختلف روایات

ابن جریر نے اپنی کتاب تاریخ میں بیان کیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نمرود بن کعنان کے زمانے میں پیدا ہوئے تھے جو ایران کے ایک زمانہ قدیم کے بادشاہ ضحاک کی طرح ظلم و تمیم میں مشور تھا اور اس نے باہل پر ایک ہزار سال تک حکومت کی تھی۔ بعض دوسرے مورخین کی روایات کے مطابق نمرود بنی راہب میں سے تھا جن پر حضرت نوح علیہ السلام نبی کی حیثیت سے سبوث ہوئے تھے اور یہ کہ نمرود اپنے زمانے میں قریب قریب ساری دنیا پر حکومت کر رہا تھا۔

بعض مورخین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ نمرود نے آسمان پر ایک ستارہ طلوع ہوتے دیکھا تھا جو سورج اور چاند سے روشنی میں پچھے ہی کم ہوگا۔ اس ستارے کو دیکھ کر نمرود پر ہبہ طاری ہو گئی تھی اس نے اپنے زمانے کے بہترین مشہور بخوبیوں اور کاہنوں کو طلب کر کے اس ستارے کے بارے میں دریافت کیا تھا تو انہوں نے اسے بتایا تھا کہ وہ ستارہ اس بات کی علامت تھا کہ اس کی رعایا میں ایک لڑکا پیدا ہو گا جو اس کی سلطنت کے زوال کا باعث ہو گا۔ چنانچہ اس نے اس کے سد باب کے لیے یہ طریقہ اختیار کیا تھا کہ اپنی رعایا کے مردوں کو ان کی بیویوں سے خلوت کی ممانعت کر دی تھی اور اس کے بعد بھی اگر کسی کے ہاں کسی لڑکے کی ولادت کی اسے خبر ملتی تھی تو وہ اس نو مولود لڑکے کو فوراً قتل کر دیتا تھا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو جو اسی کے زمانے میں پیدا ہوئے تھے اس کے اس بھیانہ طرزِ عمل سے محفوظ رکھا۔

اس روایت میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ایسا حسن و جمال بخشنا تھا کہ اس سے قبل کوئی بچہ اس حسن و جمال کے ساتھ پیدا نہیں ہوا تھا۔ پھر صفرنی ہی میں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے انہوں نے وہ کرشمہ دکھایا کہ اس کی مثال بھی آج تک دنیا میں کوئی دوسرا شخص نہیں دے سکا۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ولادت کے بارے میں مختلف روایات پائی جاتی ہیں، بعض روایات میں ان کی جائے ولادت سوں میں بتائی گئی ہے، بعض میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے باہل میں ولادت پائی تھی اور پچھے روایات میں آپ کی جائے ولادت کوٹی^۰ بتائی گئی ہے جب کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ کی روایت کے مطابق وہ دمشق کے شرقی علاقے برزہ میں پیدا ہوئے تھے نمرود انہی کے ہاتھوں ہلاک ہوا تھا وہاں سے وہ ارض شام میں شہر حراں پہنچ گئے جہاں پہلے حضرت ہاجرہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام اور حضرت سارة علیہما السلام کے بطن سے ان کے بعد حضرت اُلْقَى علیہ السلام پیدا ہوئے تھے حضرت سارہ علیہ السلام حضرت ابراہیم علیہ السلام کی وفات سے قبل سر زمین کعنان کے قریب حبرون میں اس وقت وفات پائی تھیں جب ان کی عمر ایک سو سال تک میں سال تھی۔

^۰ مجسم البدان کے مطابق کوٹی نام کی ہستی تین جگہ پائی جاتی تھی یعنی ایک سواد عراق میں دوسری سواد باہل میں اور تیسرا سواد کرد میں۔ اس مسئلے میں بھم البدان کی آخری روایت یہ ہے کہ ابراہیم کی ولادت جس کوٹی میں ابراہیم نے ولادت پائی تھی وہ ارض باہل میں تھی وہیں آپ کو آگ میں ڈالا گیا تھا اور وہیں انہوں نے وفات پائی۔ (مجموعۃ الانعام)

اہل کتاب کے بیانات لے مطابق حضرت سارہ نَبِيَّ مُحَمَّد کی وفات پر اللہ تعالیٰ ان پر رحم فرمائے حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ کو بہت رنج ہوا تھا، انہوں نے بی جیت کے ایک شخص سے جس کا نام عفرون بن صخر بتایا گیا ہے ایک قطعہ اراضی چار سو مثقال میں خرید کر وہاں حضرت سارہ کو دفن کیا۔ جہاں ان کی قبر ابھی تک موجود ہے۔ حضرت سارہ کی وفات کے بعد حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ نے اپنے بیٹے اخْلَق عَلَيْهِ السَّلَامُ سے بات کی اور ان کی شادی رفاقت بنت بوئیل بن تاحور بن تارخ سے کر کے انہیں وہاں سے ان کے ساز و سامان کے ساتھ رخصت کر دیا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ نے قطورا سے شادی کی جن کے بعد سے زمانہ يَقْشَانَ مادان و مدین اور شیاق و شوح پیدا ہوئے لیکن یہ بھی کہا جاتا ہے کہ یہ سب قسطورا کی اولاد نہیں تھے۔

ابن عساکر نے کچھ معتقد میں کے علاوہ کچھ دوسراے اہل کتاب کے بیانات کے حوالے سے لکھا ہے کہ حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ کی وفات کے بارے میں روایات اتنی کثرت سے بیان کی گئی ہیں کہ ان کی صداقت و صحت کے بارے میں کچھ نہیں کہا جا سکتا کیونکہ ان کے بارے میں اللہ ہی کو علم ہے۔

اہل کتاب کا بیان ہے کہ حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ نے فبات میں وفات پائی تھی۔ انہوں نے حضرت داؤد اور حضرت سلیمان عَلَيْهِ السَّلَامُ کی وفات کے بارے میں بیکی بتایا ہے کہ انہوں نے بھی وہیں وفات پائی تھی جب کہ کچھ دوسروں کو اس سے اختلاف ہے۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت ابراہیم نے حبرون جیشی میں وفات پائی تھی اور انہیں عفرون بن صخر کے اس قطعہ زمین میں دفن کیا گیا تھا جہاں ان کی بیوی حضرت سارہ نَبِيَّ مُحَمَّد مدون تھیں نیز یہ کہ ان کے دونوں بیٹے اسماعیل و اخْلَق عَلَيْهِ السَّلَامُ ان کی تجهیز و تکفین اور تدفین میں شریک تھے۔

حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ کی ختنہ کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ کسی میں بتایا گیا ہے کہ انہوں نے جوانی ہی میں ختنہ کرای تھیں جب کہ اکثر روایات میں بیان کیا گیا ہے کہ ان کی ختنہ سو سال کی عمر کے بعد ہوئی تھی۔ واللہ اعلم ما لک بیحی بن سعید اور سعید بن میتب کے حوالے سے بیان کرتے ہیں کہ حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ دنیا میں پہلے شخص تھے جنہوں نے مہمانداری کی ابتداء کی ختوں کی بندی درکھی۔ پانی پلانے کی رسم کا حصہ بیان کیا اور حضرت نوح عَلَيْهِ السَّلَامُ کے بعد قابل ذکر طویل عمر پائی اور اس کے بعد حیرت سے اپنے پروردگار سے عرض کیا کہ ”یا رب یہ کیا ہے؟“ جواب ملا: ”وقار“ یہ جواب سن کر پھر عرض کیا: ”اگر یہ وقار ہے تو اس میں اضافہ فرما اور اس کے علاوہ اور (دوسری باتوں میں) وقار عطا فرماء۔“

حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ ہی دنیا کے وہ پہلے شخص تھے جنہوں نے ہر چیز کی ایک حد متعین کی اس میں توازن قائم کیا اور اس کی تلقین بھی کی نیزاً نہیں نہ دنیا میں لباس کے طور پر چوغہ اور دستار استعمال کیے۔

حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ کی قبر اور ان کے بیٹے اخْلَقُ عَلَيْهِ السَّلَامُ کے بیٹے یعقوب کی قبریں بھی شہر حبرون کے اسی احاطے میں ہیں جو سلیمان بن داؤد عَلَيْهِ السَّلَامُ نے وہاں بنوایا تھا۔ خود شہر حبرون اب شہر خلیل کے نام سے مشہور ہے۔

یہ بات امت بعد امت نسل زمانہ بنی اسرائیل سے ہمارے زمانے تک مسلسل چلی آتی ہے کہ حضرت ابراہیم عَلَيْهِ السَّلَامُ کی قبر حبرون کے اسی احاطے میں ہے جس کا ذکر ہم سطور بالا میں کر چکے ہیں اور اب محقق ہو چکی ہے۔ ویسے بھی اس احاطے بلکہ اس

کے قرب و جوار میں بھی لوگ اب تک زراعت کے لیے بل چلاتے ڈرتے ہیں کہ شاید نہیں وہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سے کسی کی قبر ہو۔

ابن عساکر نے وہب بن منبه کے حوالے میں بیان کیا ہے کہ جب دن میں مذکورہ بالائکشہ احاطے کے قرب و جوار میں ایک سُگّی کتبہ پایا گیا ہے جس پر درج ذیل عربی اشعار لندہ ہیں: ترجمہ اشعار:

اللَّهُ! كُونْ نادان سُجُونْ سُكَّتَةٌ هُبَّ
كَوْنْ وَهْ وَقْتْ مُعِنْ پُرْ نَنْسِ مُرَےْ گَا؟

جَبْ اَسْ كَيْ مُوتْ آئَےْ گَيْ
تُوْ كَسِيْ حَلِيلَ سِيْ نَمِينْ مُلَىْ گَيْ

آخَرِيْ خَصْ كَيْسِيْ بَعْضَ گَيْ
جَبْ اَسْ سِيْ پَهْلَيْ لَوْگَ مُرَچَّےْ ہِيْ

كَسِيْ خَصْ كَيْسِيْ سَوَا كَچْحَنَهْ جَاءَ گَيْ
اَسْ كَيْ اَعْمَالَ كَيْسِيْ تَبَرْ مِنْ

اولاد ابراہیم علیہ السلام کا تذکرہ:

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد میں سب سے پہلے ان کی دوسری بیوی حضرت ہاجر قبطیہ مصریہ کے بطن سے حضرت اسماعیل علیہ السلام پیدا ہوئے۔ پھر ان کی پہلی بیوی حضرت سارہ کے بطن سے جوان کی چچازاد بہن تھیں حضرت الحسن علیہ السلام پیدا ہوئے۔ اس کے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے قسطور ابنت مقطن کعنایہ سے شادی کی جن کے بطن سے ان کی چچاولاد میں زمران، سرج، یقشان، نشق اور ایک اور بیٹا پیدا ہوا جس کا نام اب تک معلوم نہیں ہوا کہ۔

قسطور اکے بعد حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جوان بنت امین سے عقد کیا جن کے بطن سے ان کے پانچ بڑے کے کیمان، سرج، امیم، لوطان اور نافس پیدا ہوئے۔

یہ روایت ابو القاسم سہیلی نے اپنی کتاب ”التعریف والاعلام“ میں بیان کی ہے۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے اہم واقعات میں لوط علیہ السلام کا قصہ ہے جوان کے چچازاد بھائی تھے اور جنہیں اللہ تعالیٰ نے ان کی قوم کی ہدایت کے لیے بھیتیت نبی مبعوث فرمایا تھا، لیکن ان کی قوم اپنے فتح اعمال سے باز نہ آئی۔ ان کی قوم لواطت یعنی امرد پرستی کے علاوہ لوث مار، قتل و غارت گری اور ہر فنی میں بتلار ہی، انہی کی قوم میں ایک عورت فاحشہ بھی نظری حالانکہ اس سے قبل (غالباً) دنیا میں کوئی روایتی بیوی کے علاوہ کسی دوسری عورت کے پاس حرام کاری کی نیت سے نہیں گیا تھا۔ چنانچہ جیسا کہ پہلے بیان کیا جا پڑکا ہے، اس پر عذاب اللہ نازل ہوا اور وہ قوم اپنے کیفر کردار کو پہنچی۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے حضرت لوط علیہ السلام اور ان کی بدخصلت بیوی کے سوا ان کے دوسرے اہل خانہ کو جیسا کہ سورۃ اعراف سے ظاہر ہوتا ہے اس عذاب سے محفوظ رکھا:

﴿فَانْجِنَاهُ وَأَهْلَهُ إِلَّا امْرَأَةٌ كَانَتْ مِنَ الْغَابِرِينَ ۝ وَأَمْطَرْنَا عَلَيْهِمْ مَطَرًا فَانْظُرْ كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُجْرِمِينَ ۝﴾

اللہ تعالیٰ نے قوم لوط علیہ السلام کا ذکر ان کے کروتوں کا حال اور ان پر عذاب اللہ کی کیفیات کو سورۃ ہود وغیرہ میں بھی بیان فرمایا ہے تاکہ دوسری اقوام اس سے عبرت کپڑیں مثلاً: ﴿وَمَا هِيَ مِنَ الظَّالِمِينَ بَعِيْدٍ﴾ اور فرمایا:

﴿وَلَقَدْ تَرَكَنَاها آیَةً بَيْنَهُ لَقَوْمٌ يَعْقِلُونَ ۝﴾

مدین میں قوم شعیب علیہ السلام کا قصہ

اللہ تعالیٰ نے سورہ اعراف میں قصر قوم لوط کے بعد قوم مدین اور اس پر اس کے بھائی بند حضرت شعیب علیہ السلام کی بعثت کا قصہ یوں بیان فرمایا ہے:

”اوہ مدین کی طرف ان کے بھائی شعیبؑ کو سمجھا (تو) انہوں نے کہا کہ اے قوم خدا ہم کی عبادت کرو اس کے سوا کوئی معبود نہیں۔ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے نشانی آ جکی ہے تو تم ماپ اور تول پوری کیا کرو اور لوگوں کو چیزیں کم نہ دیا کرو اور زمین میں اصلاح کے بعد خرابی نہ کرو۔ اگر تم صاحب ایمان ہو تو سمجھ لو کہ یہ بات تمہارے حق میں بہتر ہے۔ اور ہر رستے پر مت بیٹھا کرو کہ جو شخص خدا پر ایمانلاتا ہے اسے تم ڈراتے اور راہ خدا سے روکتے اور اس میں کبھی ڈھونڈتے ہو۔ اور اس وقت کو یاد کرو۔ جب تم تھوڑے سے تھے تو تم کو خدا نے جماعت کیشہ بنادیا۔ اور دیکھ لو کہ خرابی کرنے والوں کا انجام کیسا ہوا۔ اور اگر تم میں سے ایک جماعت میری رسالت پر ایمان لے آئی ہے اور ایک جماعت ایمان نہیں لائی تو صبر کیے رہو یہاں تک کہ خدا ہمارے تمہارے درمیان فیصلہ کر دے۔ اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے (تو) ان کی قوم میں جو لوگ سردار اور بڑے آدمی تھے وہ کہنے لگے کہ شعیب (یا تو) ہم تم کو اور جو تمہارے ساتھ ایمان لائے ہیں ان کو اپنے شہر سے نکال دیں گے۔ یا تم ہمارے مذہب میں آ جاؤ۔ انہوں نے کہا خواہ ہم تمہارے دین سے بیزار ہی ہوں (تو بھی) اگر ہم اس کے بعد کہ خدا ہمیں اس سے نجات بخش چکا ہے تمہارے مذہب میں لوٹ جائیں تو بے شک ہم نے خدا پر جھوٹ افتراء نہ کیا۔ اور ہمیں شایان نہیں کہ ہم اس میں لوٹ جائیں ہاں خدا جو ہمارا پروردگار ہے وہ چاہے تو (ہم مجبور ہیں) ہمارے پروردگار کا علم ہر چیز پر احاطہ کیے ہوئے ہے۔ ہمارا خدا ہمیں پھروسہ ہے۔ اے پروردگار ہم میں اور ہماری قوم میں انصاف کے ساتھ فیصلہ کر دے اور تو سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے اور ان کی قوم میں سے سردار لوگ جو کافر تھے کہنے لگے کہ (بھائیو) اگر تم نے شعیبؑ کی پیروی کی تو بے شک تم خسارے میں پڑ گئے تو ان کو بھوچاں نے آ پکڑا اور وہ اپنے گھروں میں اونٹھے پڑے رہ گئے (یہ لوگ) جنہوں نے شعیبؑ کی نکنڈیب کی تھی ایسے برباد ہوئے کہ وہ گویا ان میں کبھی آباد ہی نہیں ہوئے تھے (غرض) جنہوں نے شعیبؑ کو جھٹالا یا وہ خسارے میں پڑ گئے۔ تو شعیبؑ ان میں سے نکل آئے اور کہا کہ بھائیو میں نے تم کو اپنے پروردگار کے پیغام پہنچا دیئے ہیں اور تمہاری خیر خواہی کی تھی تو میں کافروں پر (عذاب نازل ہونے سے رنج و غم کیوں کروں)“ (۸۵:۷۲-۹۳)

اللہ تعالیٰ نے سورہ ہود سورہ ججر اور سورہ شراء میں بھی قوم لوط علیہ السلام کے ذکر کے بعد یہی قصہ بیان فرمایا ہے۔ اہل مدین

عرب تھے جو قریب مدین میں جواہر اف شام میں علاقہ معان سے قریب اور سرحد جاڑ سے ملے ہوئے بحیرہ قوم لوط علیہ السلام کے بھی قریب تھا رہتے تھے اور اس کے بعد بھی کچھ عرصے تک وہاں مقیم رہے۔ مدین کی بستی اس قبیلے مدین کے نام سے مشہور ہوئی جو وہاں آباد تھا۔

حضرت شعیب علیہ السلام کے نسب کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ کسی میں انہیں بنی مدین بن مدیان بن ابراہیم بتایا گیا ہے اور کسی میں انہیں ابن کمیل بن یثجنا بتایا گیا ہے۔

ابن اسحاق کہتے ہیں کہ سریانی زبان میں انہیں نبڑون کے نام سے پکارا جاتا تھا، لیکن یہ روایت محل نظر ہے۔

بہر کیف بعض دوسری روایات میں ان کا نسب نامہ ”شعیب بن یعقوب بن سحر بن لادی بن یعقوب“ بیان کیا گیا ہے جب کہ کچھ روایات میں ”شعیب بن نویر بن عیقا بن مدین بن ابراہیم“ بھی پایا جاتا ہے۔

ابن الحنفی سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ایک دفعہ حضرت شعیب علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے انہیں ”خطیب الانبیاء“ فرمایا تھا۔

حافظ ابن عساکرنے اپنی کتاب میں ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے لکھا ہے کہ شعیب، یوسف علیہ السلام کے بعد ہوئے تھے۔ وہب بن منبه سے مروی ہے کہ شعیب علیہ السلام کی وفات کے میں ہوئی اس وقت ان کے ساتھ دوسرے مومنین بھی تھے حضرت شعیب علیہ السلام اور ان کے ساتھ مومنین کی قبور بقول وہب بن منبه خانہ کعبہ کے غربی حصے میں دارالندوہ اور داربنی سہم کے درمیان واقع ہیں۔



باب ۱۱

ذریت ابراہیم علیہ السلام کا ذکر

ہم نے اب تک یعنی پچھلے باب میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم اور انہیں اپنی زندگی میں جو واقعات پیش آئے ان کا ذکر کیا ہے نیز اس کے ساتھ حضرت لوط علیہ السلام، ان کی قوم اور اس پر عذاب الہی نازل ہونے کا ذکر ضمناً کر دیا ہے اور یہ کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کس طرح ان کی مدد کے لیے پہنچے تھے بیان کر چکے ہیں بلکہ اس کے ساتھ بتقاضاً محل وقوعہ حضرت شعیب علیہ السلام ان کی قوم اور اس پر عذاب الہی کا ذکر بھی کر دیا ہے اور اسے قرآن پاک کے حوالے سے پیش کیا ہے اور یہ بھی بتا دیا ہے کہ قوم مدین کو اصحاب ایکہ بھی کہتے تھے۔

اب ہم اسی باب میں ذریت ابراہیم یعنی ان کی اولاد کا ذکر کریں گے جن میں اللہ تعالیٰ نے نسل انبیاء علیہم السلام مبعوث فرمائے۔

ذکر اسماعیل علیہ السلام:

یوں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بہت سے بیٹے تھے جن کا ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں لیکن ان میں سے دو جلیل القدر بھی ہوئے۔ ان میں سے پہلے اسماعیل علیہ السلام تھے اور جیسا کہ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے ”ذبح“ بھی وہی تھے اور جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے انہی کو شیر خواری کے زمانے میں اور ان کی والدہ حضرت هاجرؓ کو ساتھ لے کر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے کے قربی پہاڑ فاران پر پہنچ اور ان اور لق و دق مقام پر ان دونوں کو اللہ تعالیٰ کے ہمراوس پر چھوڑ کر وہاں سے چلے گئے تھے جب کہ ان کے پاس کھانے پینے کی چیزوں کی مقدار بہت ہی قلیل تھی لیکن حضرت هاجر علیہ السلام توکل بخدا وہاں ٹھہری رہیں جس کے بعد کا قصہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔

اہل کتاب کا حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بجائے حضرت احْمَن علیہ السلام کو ”ذبح“ بتانا اور یہ دلیل دینا کہ وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام کے بڑے بھائی تھے چونکہ وہ جب پیدا ہوئے تھے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر چھیاں سال تھی اور حضرت اسماعیل علیہ السلام ان کے چند سال بعد پیدا ہوئے۔ اس کی وہ یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ جیسا کہ قرآن میں بیان کیا گیا ہے حضرت احْمَن علیہ السلام ان کی کبرنی میں کیسے پیدا ہو سکتے تھے یعنی جب ان کی عمر سو سال سے تجاوز کر چکی تھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ جیسا کہ خود ان کی کتابوں سے بھی ثابت ہوتا ہے کہ حضرت ابراہیم کا دوسرا بیٹا پہلے بیٹے کے تیرہ سال بعد پیدا ہوا تھا تو کیا وہ دوسرا بیٹا حضرت احْمَن علیہ السلام نہیں ہو سکتے۔ رہا کبرنی کا سوال تو کیا توریت و انجیل اور قرآن کی نصوص قطعی سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت احْمَن علیہ السلام جب حضرت سارہ علیہ السلام کے بطن سے پیدا ہوئے تو انہیں اپنے بانجھ پن اور کبرنی نیز حضرت ابراہیم علیہ السلام کی کبرنی کے باوجود ان کی پیدائش پر سخت حیرت ہوئی تھی۔ نیز کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زندگی کے واقعات سے جو مستند تاریخی کتب میں اب تک ثبت چلے آ رہے ہیں یہ

ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت اُنْسَلَلَ کے بعد بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حضرت ہاجڑہ اور حضرت سارہؓ کے علاوہ دوسروں بیویوں کے بطن سے ان کے کئی بیٹے پیدا ہوئے تھے جن کے نام ہم گذشتہ باب میں بتا چکے ہیں اور ان میں آخری بیٹے کی پیدائش کے وقت تو جیسا کہ تحقیق سے ثابت ہو چکا ہے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر شریف سو سال سے بہت زیادہ تباہ کر چکی تھی۔

قرآن شریف میں جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے بیٹے اسماعیل علیہ السلام کو اپنا دوبار دیکھا ہوا خواب سنایا کہ وہ انہیں حکمِ الہی ذنکر ہے ہیں اور یہ بھی بتایا کہ ان کا دوہ خواب غلط نہیں ہو سکتا کیونکہ ان بیانات علیہ السلام کے دیکھے ہوئے خواب بلا استشارہ یا نصیحت (چیخ خواب) ہوتے ہیں تو حضرت اسماعیل علیہ السلام نے ان سے عرض کیا کہ وہ اپنے پروردگار کے حکم کی تعیین کریں اور وہ انہیں ثابت قدم اور صابر شاکر پائیں گے۔

حضرت اسماعیل علیہ السلام کے اوصاف میں اللہ تعالیٰ کا مزید ارشاد ہے:

﴿وَأَذْكُرْ فِي الْكِتَابِ إِسْمَاعِيلَ إِنَّهُ كَانَ صَادِقَ الرَّوْعَدِ وَ كَانَ رَسُولًا نَّبِيًّا يَأْمُرُ أَهْلَهُ بِالصَّلَاةِ

وَالرَّزْكُوَةِ وَ كَانَ عِنْدَ رَبِّهِ مَرْضِيًّا ﴾

علامے علم الانساب نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اولاد کا ذکر کرتے ہوئے بیان کیا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام ہی نے گھوڑے کو سدا کراں پر سواری کی ورنہ ان سے قبل گھوڑے جنگلی وحشی ہوا کرتے تھے۔ تو ازخ میں حضرت اسماعیل علیہ السلام اور ان کے اوصاف کا ذکر کر شریعت سے آیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ملئیشیم کے ذریعہ اہل اسلام کو حکم دیا ”کہو کہ ہم اللہ پر اس کی نازل کردہ کتاب پر اور ان کتابوں پر جو ابراہیم و اسماعیل اور یعقوب و اسپاٹ (علیہم السلام) پر نازل ہوئی تھیں ایمان لے آئے ہیں“۔

اللہ تعالیٰ نے آنحضرت ملئیشیم سے یہ بھی ارشاد فرمایا (اگر یہ لوگ (یعنی یہود و نصاری) یہ کہتے ہیں کہ ابراہیم و اسماعیل، اُنْسَلَ و یعقوب اور اسپاٹ (علیہم السلام) یہودی یا نصرانی تھے تو آپ ان سے دریافت کیجیے کہ آیا خدا بہتر جانتا ہے یا تم؟) اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کے صفات جیلہ بیان فرماتے ہوئے انہیں ان تمام باتوں سے بری الفمہ تھہرایا ہے جو جاہل لوگ ان سے منسوب کرتے ہیں۔

سعید بن محبی اموی نے اپنی کتاب ”مفازی“ میں لکھا ہے کہ ان سے قریش کے ایک بزرگ (شیخ) اور عبد الملک بن عبد العزیز نے عبد اللہ بن عمر بن جحشا کے خواں سے بیان کیا کہ رسول اللہ علیہ السلام نے ایک دفعہ فرمایا کہ ”گھوڑوں کو سدا کراں پر سواری کیا کرو یہ تمہارے باپ (جد، مورث اعلیٰ) کی میراث ہیں“۔ کیونکہ اس وقت تک یعنی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے زمانے تک عرب میں گھوڑے جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے جنگلی وحشی تھے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت اسماعیل علیہ السلام عرب میں پہلے شخص تھے جنہوں نے فصح و بلغ عربی زبان میں گفتگو فرمائی بلکہ دوسرے قبائل کے جو لوگ میں وغیرہ سے یا ان قبائل کے لوگ جو ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ ماسبق سے تعلق رکھتے تھے اور کہ آتے تھے انہیں بھی صحیح عربی بولنا سکھایا۔

حضرت اس اعمال علیہ السلام کے اس مختصر ذکر کے بعد ہم ان شاء اللہ بنی اسرائیل کے دیگر انبیاء (علیہم السلام) اور لوگوں کے علاوہ نبی کریم علیہ السلام کے وقت تک کے جملہ حالات تفصیلًا بیان کریں گے۔

ذکر الحلق علیہ السلام:

ہم اس سے قبل بیان کر چکے ہیں کہ جب حضرت الحلق علیہ السلام اپنے بڑے بھائی حضرت اسماعیل علیہ السلام کے تیرہ یا چودہ سال کے بعد پیدا ہوئے تو ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی عمر سو سال سے تجاوز اور ان کی والدہ ماجدہ حضرت سارہ علیہ السلام کی عمر نو سال ہو چکی تھی۔

اللہ تعالیٰ کا (قرآن میں) ارشاد ہے کہ (ہم نے اسے (ابراہیم کو) الحلق علیہ السلام کی انبیائے صالحین میں سے ولادت کی بشارت دی اور ہم نے انہیں اور ان کے بینے الحلق علیہ السلام پر برکات نازل کیں (نیز) ان کی ذریت کو حسن اور اپنے نفس پر مکمل طور پر قابو رکھنے والی بنایا) اس آیت قرآنی کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے کئی دوسری آیات قرآنی میں حضرت الحلق علیہ السلام کی صفات حسنہ کی تعریف فرمائی ہے۔

ہم اس سے قبل ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث کے حوالے سے بھی حضرت یوسف بن یعقوب بن الحلق بن ابراہیم (علیہم السلام) کے اوصاف حسنہ کا ذکر کر چکے ہیں۔

اہل کتاب کے بیانات کے مطابق جب حضرت الحلق علیہ السلام نے اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی حیثیت میں رفقا بنت تباہیل سے شادی کی تو اس وقت ان کی عمر چالیس سال تھی اور ان کی بیوی بانجھ تھیں۔ تاہم جب حضرت الحلق علیہ السلام نے اپنی مذکورہ بالا بانجھ بیوی کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ کی قدرت سے وہ حاملہ ہو گئیں اور ان کے بطن سے دو جڑوں اڑ کے پیدا ہوئے جن میں سے ایک کا نام جوان دونوں میں کچھ بڑے تھے حضرت الحلق علیہ السلام نے عصو رکھا جنہیں اہل عرب عیسیٰ کہتے ہیں اور وہی روم کے والد تھے۔ دوسری مشہور روایت حضرت الحلق علیہ السلام کے دوسرے بیٹے یعقوب علیہ السلام کا نام یعقوب ہونے کے بارے میں یہ ہے کہ حضرت الحلق علیہ السلام نے ان کا یہ نام اس لیے رکھا تھا کہ وہ اپنے توام بھائی کے عقب میں بطن مادر سے تولد ہوئے تھے۔ ان کا ایک اور نام جو تاریخ میں مشہور ہے اسرائیل تھا اور قوم اسرائیل یعنی بنو اسرائیل ان کے اسی نام کی وجہ سے مشہور ہوئی۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت الحلق، حضرت یعقوب علیہ السلام کے بڑے بھائی کو پیار سے عصو کہہ کر پکارا کرتے تھے اور انہیں بہت چاہتے تھے کیونکہ وہ ان کی دعا کے نتیجے میں ان کی بانجھ بیوی رفقا کے بطن سے پیدا ہوئے تھے اور ان کی پہلی اولاد تھے۔

تاہم حضرت یعقوب علیہ السلام کی والدہ انہی کو چھوٹا بیٹا ہونے کی وجہ سے زیادہ چاہتی تھیں۔ ویسے بھی جب حضرت الحلق علیہ السلام کبرسی کو پہنچ اور ضعف بصارت میں متلا ہو گئے تو وہ اپنے اسی بیٹے کو اکثر اپنے کھانے کے لیے چیزیں لانے کو کہا کرتے تھے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کو شکار کا بہت شوق تھا اور وہ بہت اچھے شکاری بھی تھا اس لیے حضرت الحلق علیہ السلام اکثر انہی کو شکار

کے لیے جانے اور ان کے لیے شکار کا گوشت فراہم کرنے کی فرمانش کیا کرتے تھے اور حضرت یعقوب علیہ السلام بڑے شوق اور صدق دل سے اپنے ضعیف باب کی اس فرمائش کو پورا کیا کرتے تھے یا بھی بھی ان کی والدہ ان سے کہہ کر اپنے شوہر حضرت الحسن علیہ السلام کے لیے کوئی بکرا بکری ذبح کرایا کرتی تھیں۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کے دوسرے بھائی عصیو یا عصیش جامالت میں ان سے آئیں زیادہ تھے حضرت الحسن علیہ السلام کی خدمت کی ان سے زیادہ کوشش کرتے تھے لیکن وہی ہمیشہ ان پر سبقت لے جاتے بلکہ ان کے بھائی کی زرعی زمینیں اکثر بخوبی کی وجہ سے وہی آئیں غلبہ اور پھل پھلا رہی فراہم کرتے رہتے تھے۔

چونکہ حضرت یعقوب کے مذکورہ بالا بھائی عصیو یا عصیش انہی وجوہات کی بناء پر ان کا شکرگزار ہونے کی بجائے ان سے حمد کرنے لگے تھے اس لیے ان کی والدہ رفقانے حضرت الحسن علیہ السلام کی وفات کے بعد انہیں مشورہ دیا کہ وہ حران سے کعنان چلے جائیں کیونکہ ان کے بھائی ان کی کسی بیٹی کو اپنی زوجیت میں لانے کا ارادہ بھی کر بیٹھے تھے۔

جب حضرت یعقوب علیہ السلام حران سے چلے جوان کے والد حضرت الحسن علیہ السلام کی وصیت بھی تھی توراستے میں ایک پتھر کا نکیہ بنا کر لیئے اور سو گئے جہاں انہوں نے دیکھا کہ آسمان سے فرشتے نازل ہو رہے ہیں جب کہ ایک فرشتے نے انہیں خدا کی طرف سے وحی پہنچائی اور نہ صرف انہیں نبوت اور برکت کی بشارت دی بلکہ ان کی اولاد میں سلسلہ نبوت جاری رہنے کی بھی اللہ تعالیٰ کی طرف سے بشارت دی۔ اس جگہ کا نام حجر بھی اس واقعہ کی وجہ سے پڑا تھا لیکن جب حضرت یعقوب علیہ السلام آگے جا کر وہاں واپس آئے تھے تو انہوں نے اس جگہ کا نام حجر کی بجائے ایل رکھا تھا جس کے معنی بیت اللہ ہوتا ہے اور انہوں نے وہاں ایک عمارت بطور معبد تعمیر کی تھی اور اس کا نام بھی بیت اللہ یا معبد خدا رکھا تھا جو آج کل بیت المقدس کے نام سے مشہور ہے جس کی بنیاد حضرت یعقوب علیہ السلام ہی نے ڈالی تھی جیسا کہ ہم آگے چل کر ان شاء اللہ تعالیٰ تفصیل سے بیان کریں گے۔

بہر کیف جب حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے ماموں لا بان کے پاس حران واپس آئے تو اس وقت ان کے مذکورہ بالا ماموں کی دو بیٹیاں جوان تھیں جن میں سے بڑی بیٹی کا نام لیا اور چھوٹی کا راجل تھا جو بہت حسین و جمیل تھیں جب کہ لیا نہ صرف ضعف بصارت کی مریض تھیں بلکہ کریبہ انظر بھی تھیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے ماموں لا بان سے درخواست کی کہ وہ راجل سے ان کی شادی کر دیں لیکن ان کے ماموں نے اس کی یہ شرط رکھی کہ وہ سات سال تک ان کے مویشی چراتے رہیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی یہ شرط قبول کر کے اسے پورا کیا۔ چنانچہ لا بان نے اپنی برادری کے لوگوں کو جمع کیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے بڑے شان دار طریقے پر اپنی بڑی بڑی کی شادی کر دی۔ جب حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے ماموں سے اس کی شکایت کی تو وہ بولے کہ بڑی بیٹی کے ہوتے ہوئے ان کی شادی چھوٹی بیٹی سے کس طرح کر سکتے تھے کیونکہ یہ بات نہ صرف ان کی برادری بلکہ دنیاوی روایات کے بھی خلاف تھی۔ البتہ ان کے ماموں نے ان سے کہا کہ اگر وہ مزید سات سال تک ان کے مویشی چڑائیں تو وہ اپنی چھوٹی بیٹی راحیل سے بھی ان کی شادی کر دیں گے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام نے اپنے ماموں کی یہ شرط منظور کر کے مزید سات سال تک ان کے مویشی چڑا تا شروع کر دیا جس

کے اختتام پر ان کے ماموں نے راسیل سے بھی ان کی شادی کر دی جوانی میں اس وقت جائز تھا نہیں بعد میں شریعت تورات کے مطابق اسے منسوخ کر دیا گیا۔ تورات میں اس کی تخفیخ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس سے قبل اس کی اباحت درست تھی اور اس سلسلے میں حضرت یعقوب علیہ السلام قطعاً مخصوص تھے۔ لابان نے اپنی بڑی بیٹی لیا کو ایک کنیز دی تھی جس کا نام زلفی تھا اور ایک کنیز راحیل کو دی تھی۔ جس کا نام بھی تھا۔ لیا کے جب کوئی اولاد نہ ہوئی تو انہوں نے اپنی کنیز زلفی حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہبہ کر دی جس کے بطن سے ان کے پہلے بیٹے روبلیں پھر شمعون پھر لادی اور پھر یہودا پیدا ہوئے۔ اس دوران میں اللہ تعالیٰ نے اس بات کے صلے میں کہ لیا نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی اولاد ہونے کے لیے اپنی کنیز زلفی انہیں ہبہ کر دی تھی ان کا ضعف بصارت دور فرمادیا تھا۔ جب راحیل نے یہ دیکھا کہ لیا کی طرح ان کے بھی کوئی اولاد نہیں ہوتی تو انہوں نے بھی اپنی کنیز بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کو ہبہ کر دی۔ جس کے بطن سے ان کے دو بیٹے پیدا ہوئے جن میں سے پہلے کا نام دان اور دوسرا کے نام عطا تھا۔ پھر اللہ کی قدرت سے لیا بھی حاملہ ہو گئیں۔ اس سے قبل زلفی کے بطن سے دو اور بیٹے جادا اور اشیر پیدا ہو چکے تھے۔ لیا کے بطن سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے دو بیٹے ایسا خداور زابون پیدا ہوئے پھر ایک بیٹی دینا پیدا ہوئی۔

اس دوران میں راحیل نے جو اس وقت تک لاولد تھیں اللہ تعالیٰ سے دعائیں کہ ان کے بطن سے بھی اس کے نبی حضرت یعقوب علیہ السلام کی کوئی اولاد ہو۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرماتے ہوئے انہیں بھی اولاد سے نوازا اور ان کے بطن سے حضرت یعقوب علیہ السلام کے دنیا میں حسین ترین بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام پیدا ہوئے۔

اس وقت تک حضرت یعقوب علیہ السلام کو اپنے ماموں لابان کے مویشی چراتے ہوئے پورے چودہ سال ہو چکے تھے اور ان میں مختلف چوپاؤں کے رویزوں میں بے حساب اضافہ ہو چکا تھا۔ اس لیے انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ چونکہ ان کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے ان کے مویشیوں میں اتنی برکت دی ہے تو وہ بھی ان میں سے جتنے مویشی چاہیں لے لیں۔ چنانچہ حضرت یعقوب علیہ السلام نے ان کی یہ پیشکش قبول کر لی اور ان سے اجازت لے کر اپنی بیوی راحیل..... اپنے بیٹوں اور بھیزوں، بکریوں، بیلوں، گاہیوں اور مینڈھوں دنیوں کے ایک بڑے رویڑ اور کافی مال و متاع کے ساتھ اپنے آبائی وطن حمرون روانہ ہوئے اور وہاں جا کر بیت المقدس کی از سر نعمیر کی جس کی تعمیر مزید حضرت داؤد علیہ السلام نے کی۔ بیت الحرم بنا یا دغیرہ دغیرہ جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ وہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کی دوسری بیوی راحیل دوبارہ حاملہ ہو گئی اور ان کے بطن سے حضرت یوسف علیہ السلام کے چھوٹے بھائی بیانی میں پیدا ہوئے لیکن ان کی ولادت کے ساتھ ہی شدت تکلیف کی وجہ سے ان کی مار راحیل بھی فوت ہو گئیں انہیں حضرت یعقوب علیہ السلام نے بیت الحرم میں دفن کیا اور ان کی قبر پر ایک سنگی کتبہ نصب کیا جواب تک موجود ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اپنے والد اخْلَق کے پاس کچھ عرصہ رہے جہاں ان کے دادا حضرت ابراہیم مقیم رہے تھے۔

حضرت اخْلَق علیہ السلام کی وفات ایک سو اسی سال کی عمر میں ہوئی اور انہیں ان کے بیٹوں عصو اور حضرت یعقوب علیہ السلام نے وہیں دفن کیا جہاں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر تھی اور جس جگہ کو وہ خرید چکے تھے جس کا بیان پہلے ہو چکا ہے۔

یعقوب علیہ السلام کے بیٹے اسرائیل کی زندگی میں امور عجیبہ کا ذکر

ان امور عجیبہ میں حضرت یوسف بن راحیل (علیہ السلام) کا حصہ بھی شامل ہے جسے اللہ تعالیٰ نے سورہ یوسف میں بڑی تفصیل سے بیان فرمایا ہے جس میں لوگوں کے لیے مواطن حسنہ کے علاوہ اخلاق و آداب اور تہذیب و تمدن قدیم، حکمت اور کچھ عبرت اگنیز باقی ہیں۔ سورہ یوسف علیہ السلام کی تفسیر ہم نے اپنی کتاب تفسیر میں تفصیلاً پیش کی ہے۔ اس قصے میں ہم یہاں بالاختصار پیش کریں گے۔

یاد رہے کہ قرآن پاک میں جو فضائل الانبیاء آنحضرت ﷺ کے ذریعہ اہل اسلام کی درس گیری و سبق آموزی کے لیے فتح و بلیغ عربی میں بیان کیے گئے ہیں وہ حرف بحر میں بر صداقت ہیں کیونکہ انہیں خود اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوں جان سکتا تھا۔ اس کے بارے میں امیر المؤمنین حضرت علی بن ابی ذئب سے جو حدیث قدسی مروی ہے اس میں ارشاد باری تعالیٰ کے حوالے سے بتایا گیا ہے کہ ”من اتبغی الہدی لغيره اصله اللہ“ یعنی جو شخص قرآن کے علاوہ دوسری ہدایات پر بھروسہ کرے گا وہ (گواہ) اللہ تعالیٰ کی طرف سے گراہ کن ہو گا۔

یہ حدیث مندا امام احمدؓ کے علاوہ صحیح ترمذی میں بھی موجود ہے۔

امام احمدؓ فرماتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمر بن الخطابؓ آنحضرت ﷺ کی خدمت میں ایک کتاب لائے جو انہیں اہل کتاب میں سے کسی سے مل تھی۔ اسے دیکھ کر آنحضرت ﷺ حضرت عمر بن الخطابؓ پر بہت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ تم میرے پاس ایک کتاب کیوں لائے ہو جس میں (اکثر و بیشتر) تحریفات کی گئی ہیں۔ کیا حضرت موسیٰ علیہ السلام ایسے ہی تھے جیسا اس کتاب میں لکھا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے ایک دفعہ لوگوں سے خطاب فرماتے ہوئے انہیں وہ قصہ بھی بالاختصار سنایا جو قرآن شریف میں بیان ہوا ہے۔ اس میں پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کے اس خواب کا ذکر ہے جس میں انہوں نے دیکھا تھا اور اپنے والد حضرت یعقوب علیہ السلام کو سنایا تھا کہ انہیں گیارہ ستارے اور چاند سورج سجدہ کر رہے ہیں۔ اس خواب کو حضرت یوسف علیہ السلام کی زبان سے سن کر ان کے والد گرامی حضرت یعقوب علیہ السلام نے فرمایا تھا کہ وہ اپنا وہ خواب اپنے بھائیوں کو سنائیں کہ وہ اسے سن کر ان سے حسد کرنے لگیں گے کیونکہ شیطان انسانوں کو بہا سکتا ہے۔ (سورہ یوسف)

ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے بارہ بیٹے تھے جن کے نام بھی پہلے گناہ کے ہیں جن سے نسل اس باط کے ذریعہ بنی اسرائیل کی قوم وجود میں آئی جن میں عظیم ترین شخصیت کے مالک اور شریف ترین انسان حضرت یوسف علیہ السلام تھے۔

علماء نے بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے علاوہ ان کے کسی بھائی کی نسل سے کوئی نبی پیدا نہیں ہوا۔ البتہ حضرت یعقوب علیہ السلام کے ایک بیٹے اسرائیل سے جوزلفی یا بھی کے بطن سے تھے اسرائیل کی نسل بڑی جو بھی اسرائیل کھلائی اور اس میں نبی

بھی پیدا ہوئے۔ حضرت یوسف ﷺ کا قصہ قرآن پاک کے ملاودہ احادیث قدسیَّے ہوائے سے کتب احادیث صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) وغیرہ میں بھی بیان کیا گیا ہے اور اس میں بتایا گیا ہے کہ جیسا حضرت یعقوب ﷺ نے اپنے عزیز ترین بیٹے حضرت یوسف ﷺ کو تاکید کی تھی کہ وہ اپنا خواب اپنے بھائیوں کے سامنے یا کسی اور سے بیان نہ کریں تو انہوں نے اس کا ذکر کی سے نہیں کیا تھا لیکن چونکہ حضرت یعقوب حضرت یوسف ﷺ کے دوسرے تمام بھائیوں سے زیادہ چاہتے تھے جس کی وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ وہ ان کی محبوب مرحمہ یوی راحیل کے بطن سے ان کے پہلے فرزند تھے۔ ہر کیف کوئی وجہ ہو ان کے بھائی ان کی دشمنی پر اتر آئے اور انہوں نے آپس میں طے کیا کہ وہ سب مل کر انہیں شکار کے بہانے جنگل میں لے جا کر انہیں شہکار نے لگادیں۔

اس سازش کے تحت انہوں نے حضرت یعقوب ﷺ سے عرض کیا کہ وہ اس دفعہ یوسف ﷺ کو بھی شکار پر لے جانا چاہتے ہیں لیکن چونکہ حضرت یعقوب ﷺ ان کے بھث باطنی سے واقف تھے اس لیے انہوں نے اس کی اجازت نہ دی لیکن ان کے حد سے زیادہ اصرار پر اجازت دے دی۔

حضرت یعقوب ﷺ نے ان کے شکار پر جانے سے قبل انہیں تاکید کی تھی کہ اپنے چھوٹے بھائی کی حفاظت کا خیال رکھنا کہ کہیں اسے بھیڑ یا اٹھا کرنے لے جائے اور وہ ادھر ادھر شکار میں مشغول رہیں لیکن جب انہوں نے حضرت یعقوب ﷺ کو قسم کھا کر یقین دلایا کہ وہ ان کی حفاظت کا پورا پورا خیال رکھیں گے تو انہیں ان کو مجبوراً دوسرے بھائیوں کے ساتھ بھیجنا پڑا۔

جنگل میں پہنچ کر حضرت یوسف ﷺ کے بھائیوں نے آپس میں مشورہ کیا کہ آیا انہیں قتل کر دیا جائے اور ان کے خون آلو دکپڑے دکھا کر اپنے والد سے کہہ دیا جائے کہ انہیں بھیڑ یا اٹھا کر لے گیا تھا۔ اور ان کے خون آلو دکپڑے انہیں بڑی تلاش کے بعد ملے ہیں اس لیے ظاہر ہے کہ انہیں بھیڑ یا کھا گیا لیکن پھر ان کی اکثریت اس بات پر متفق ہوئی کہ انہیں اس کنوں میں پھینک دیا جائے جو جنگل کے کنارے راستے میں تھا اور حضرت یعقوب ﷺ سے کہہ دیا جائے کہ وہ ان کی تاکید کے باوجود کہ ایک جگہ بیٹھنے رہیں ادھر ادھر کہیں چلے گئے تو انہیں بھیڑ یا چیر پھاڑ کر کھا گیا۔

خون آلو دکپڑہ حضرت یعقوب ﷺ کو دکھانے کے بارے میں انہوں نے یہ ایکیم کی کہ حضرت یوسف ﷺ کو کنوں میں دھکا دینے سے قبل کسی بہانے سے ان کا کرتہ اتروالیا جائے۔ کنوں میں چیختنے سے ان کی قسم بھی نہیں ٹوٹے گی۔ چنانچہ انہوں نے ایسا ہی کیا کہ انہیں کنوے میں دھکا دینے سے قبل ان کا کرتہ کسی بہانے سے اتروالیا اور پھر انہیں کنوں میں دھکا دے دیا۔

حضرت یعقوب ﷺ کو یقین دلانے کے لیے انہوں نے حضرت یوسف ﷺ کے کرتے پر اپنے شکار کردہ جانور کا خون لگادیا اور قسم کھا کر ان سے کہہ دیا کہ انہیں بھیڑ یا کھا گیا۔

حضرت یعقوب ﷺ کو اپنے بیٹوں کا یقین تو نہ آیا لیکن وہ صبر کے سوا اور کیا کر سکتے تھے اس لیے رو دھو کر چپ ہو گئے لیکن اپنے چہیتے میں حضرت یوسف ﷺ کو یاد کر کے اکثر روتے رہتے تھے۔

ادھر خدا نے حضرت یوسف ﷺ کو کنوں میں گرنے کے باوجود حفظ تو رکھا۔ پھر اس کا کرنا ایسا ہوا کہ جس کنوں میں

یعقوب کے بیٹے اسرائیل کی زندگی میں امور عجیبہ کا ذکر

انہیں پھینکا گیا تھا وہاں ایک قافد آ کر نہ کہرا لیکن اہل قافد میں سے کسی نے اس کنوں سے پانی نکالنا چاہا تو اسے اندر سے آواز آئی شے سن کروہ ذرگیا اور میر کاروں سے کہا کہ کنوں میں ضرور کوئی آدمی ہے جو اس کے اندر سے بول رہا ہے۔ چنانچہ اس نے کسی دوسرے آدمی کو بھیج کر اس کی تصدیق کرائی اور رسمی ؓال کر حضرت یوسف علیہ السلام کو باہر نکال لیا گیا۔

اس قافلے کا سالا رتا جر تھا لیکن بڑا لاپچی۔ اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کو بڑی حیرت سے دیکھا پھر سوچا کہ اگر وہ انہیں مصر کے بازار میں غلام کہہ کر فروخت کرے تو اسے ان کی کافی قیمت مل جائے گی۔ چنانچہ وہ انہیں وہیں لے گیا اور وہ اس کی منزل بھی تھی۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کو مصر لے جا کر غلاموں کی منڈی میں جیسا کہ اس زمانے کا دستور تھا، غلاموں کی منڈی میں کھڑا کیا گیا تو ان کا حسن و جمال دیکھ کر لوگ حیرت زده رہ گئے اور خریداروں کی اتنی بھیڑ لگی کہ منڈی کے علاوہ ادھر ادھر کے راستے بھی لوگوں سے پٹ گئے اور کہیں قتل دھرنے کی جگہ نہ رہی۔

یہ خبر شدہ شدہ عزیز مصر (مصر کے حکمران) تک بھی پہنچی تو اس نے دریافت حال کے لیے اپنے کسی درباری کو بھیجا اور تصدیق کے بعد اس نے جیسا کہ بعض مستند روایات سے ظاہر ہوتا ہے، حضرت یوسف علیہ السلام کو اس تاجر سے دس مقابل سونے اور بہت سے ذیاب اور حیری اور دوسرے ریشمی پارچہ جات میں خرید لیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام کے حسن و جمال کو دیکھ کر عزیز مصر بھی بہت حیران ہوا اور پھر اس نے اپنی خدمت سے انہیں اپنی ملکوں بیوی زیخا کی خدمت میں بھیج دیا جہاں وہ ایک مدت تک رہ کر جب عغوان شباب کو پہنچ تو زیخا بھی ان کے حسن و جمال سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکی بلکہ جیسا کہ بعض روایات سے ظاہر ہوتا ہے ان کے عشق میں جبتا ہو گئی۔

کہا جاتا ہے کہ زیخا کی رازدار سہیلیوں نے اسے ٹوکا تو اس نے کہا کہ اگر وہ اسے دیکھیں گی تو دل پر قابو رکھنا دشوار ہو جائے۔ اس کی سہیلیوں نے جب اس کا حادثہ زیادہ مذاق اڑایا تو اس نے ایک دن ان سب کو جمع کر کے ایک ایک لیموں اور چاقوان کے ہاتھ میں دے کر انہیں منتظر رہنے کے لیے کہا۔ اس کے بعد اس نے حضرت یوسف علیہ السلام کو ان کے درمیان سے گزرنے کو کہا۔ پھر جو نبی حضرت یوسف علیہ السلام ان عورتوں کے درمیان سے گزرے تو اسی وقت اس نے انہیں لیموں کا شے کا حکم دیا۔ ان عورتوں کی نگاہیں پہلے حضرت یوسف علیہ السلام کے روئے مبارک پر پڑیں تو وہیں گڑی رہ گئیں۔ زیخا نے انہیں دوسری بار حکم دیا ”لیموں کا ٹو“، تو ان بیچاریوں نے محیت کے عالم میں لیموں کی جگہ اپنی انگلیاں کاٹ لیں۔ واللہ اعلم

زیخا نے حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنی طرف مائل کرنے کی لاکھ کوششیں کیں لیکن وہ جو فطرہ مخصوص اور پاکیزگی کا مجسم تھے خدا کے خوف سے اس کی باتوں میں نہ آئے۔ پھر جیسا کہ سورہ یوسف کی متعلقہ آیات شریفہ اور روایات احادیث سے ظاہر ہوتا ہے ایک دن زیخا کے سر پر نہس کا ایسا بھوت سوار ہوا کہ اس نے حضرت کو اپنی خواب گاہ میں طلب کر کے اس کا دروازہ اندر سے بند کر لیا اور توں کی تصاویر اور بھروسوں پر پردہ ڈالنے لگی۔ حضرت یوسف علیہ السلام اس کا مقصد بھج گئے اور یہ دیکھ کر اس سے بولے:

”خداؤر یہ سب کچھ دیکھ رہا ہے۔“

یعقوب کے بیٹے اسرائیل کی زندگی میں امور عجیبہ کا ذکر

ایکن چونکہ زیخا پرنس کا بھوت سوار تھا اس لیے اس نے ان کا ہاتھ پکڑ کر اپے بستر پر لے جانے کی کوشش کی لیکن انہوں نے اس کا ہاتھ بھٹک کر دروازے کارخ کیا تو اس نے ان کے کرتے کا دامن پکڑ لیا جو اسی کش کمکش میں پھٹ گیا۔ تاہم حضرت یوسف علیہ السلام اپناد ریدہ دامن کسی نہ کسی طرح اس سے چھڑا کر اس کی خواب گاہ سے نکل آئے تو اس نے شور مچانا شروع کر دیا اور خود لو بے گناہ ثابت کرنے کے لیے اپنی کنیزوں کو بھی اپنے ساتھ ملا کر سارا الزرام حضرت یوسف علیہ السلام کے سر تھوپنے کی کوشش کی۔ عزیز مصر کو جب اس کی خبر ہوئی تو وہ انتہائی غضب ناک ہو کر حضرت یوسف علیہ السلام کو قتل کرنے پر آمادہ ہو گیا۔ لیکن کچھ خاص خاص لوگوں نے اس سے کہا کہ ایسا کرنا آداب حکمرانی کے خلاف ہے اور اسے مشورہ دیا کہ پہلے اس واقعے کی تحقیق کی جائے اب سوال یہ تھا کہ زیخا اور یوسف علیہ السلام میں سے اصل خطداوار کی پیچان کیسے ہو تو کسی داشمن نے عزیز مصر سے کہا کہ اگر یوسف علیہ السلام کا کرتا آگے سے پھٹا ہوا ہوتا وہ خطداوار ہے اور اگر پیچھے سے پھٹا ہوتا یقیناً ملکہ مصر زیخا ہی کو یقیناً خطداوار ہے ایسا جائے گا۔

یہ سن کر عزیز مصر سوچ میں پڑ گیا لیکن اس داشمن کی بات اس کے دل کو ایسی لگی کہ اس نے فوراً حضرت یوسف علیہ السلام کو اپنے سامنے طلب کیا لیکن جب دیکھا گیا تو ان کا کرتا پیچھے سے دریدہ پایا گیا۔ پھر بھی عزیز مصر زیخا کو سزا اور ٹھہرائے اور اسے سزا دینے پر تیار نہ ہوا بلکہ اپنے قریب ترین سرکاری حکام کے مشورے کے علی الرغم حضرت یوسف علیہ السلام کو قید میں ڈال دیا۔ جب حضرت یوسف علیہ السلام زندان میں صبر و شکر کے ساتھ قید و بند کے مصائب جھیل رہے تھے تو عزیز مصر نے ایک شب کو خواب میں سات دلیٰ پتی گا کیں دیکھیں اور صحیح کو کاہنوں کو طلب کر کے اپنے اس خواب کی تعبیر معلوم کرنا چاہی لیکن ان میں سے کوئی بھی اس کے اس خواب کی تعبیر نہ بتا سکا۔

اتفاق سے عزیز مصر کے دربار میں اس وقت ایک ایسا شخص بھی موجود تھا جسے حضرت یوسف علیہ السلام کی بے گناہی کا یقین تھا اور اس نے یہ بھی ساتھا کہ وہ زندان میں قید یوں کی اصلاح کے لیے کوشش ہیں اور بہت سے قیدی صرف رو بہ اصلاح ہی نہیں ہوئے ہیں بلکہ حضرت یوسف کی پارسائی کے قائل بھی ہو چکے ہیں۔ چنانچہ اس نے عزیز مصر کو یہ واقعات سنا کر اسے مشورہ دیا کہ اس کے خواب کی تعبیر حضرت یوسف علیہ السلام سے دریافت کی جائے اور اسے یقین دلایا کہ ان کی بیانی ہوئی تعبیر یقیناً صحیح ہو گی۔

چنانچہ جیسا کہ سورہ یوسف میں ہے، عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو زندان سے طلب کر کے اپنے خواب کی ان سے تعبیر بتانے کے لیے کہا تو انہوں نے اسے بتایا کہ سات دلیٰ پتی گا کیں خواب میں دیکھنے کی تعبیر یہ ہے کہ مصر آئندہ سات سال تک قحط میں مبتلا رہے گا۔

عزیز مصر نے حضرت یوسف علیہ السلام کو امتحاناً قید سے رہا تو کر دیا لیکن انہیں نظر بند رکھا یعنی انہیں کہیں آنے جانے کی اجازت نہ تھی۔

پھر خدا کا کرنا ایسا ہوا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی تعبیر خواب بچ نکلی اور اگلے سال مصر میں قحط پڑ گیا لیکن حضرت یوسف علیہ السلام کے مشورے سے اس سال مصر کے علاوہ ادھر ادھر سے اتنا غله جمع کر لیا گیا کہ سارے گودام بھر گئے اور جیسا کہ حضرت یوسف

نے فرمایا تھا تو اگلے سال سے لے کر آئندہ سات سال تک مصر میں غلے کی کمی محسوس نہ ہو سکی۔

اللہ تعالیٰ نے اس طرح حضرت یوسف علیہ السلام کی مدد فرمائی تو عزیز مصر بھی ان کی بے گناہی اور راست بازی کا قائل ہو گیا اور انہیں اپنی زندگی میں اپنا نائب السلطنت اور ولی عہد مقرر کر دیا۔ چنانچہ جب عزیز مصر فوت ہوا تو وہی عزیز مصر کی جگہ مصر کے بادشاہ ہوئے اور اس سے ہر کس و ناکس کو بے حد خوشی ہوئی اور وہ مدت تک ان کی دیانت، سخاوت اور عدل و انصاف کے گن گاتے رہے۔

ادھر حضرت یوسف علیہ السلام ہی کے دوران حکومت میں کنعان شدید قحط کا شکار ہو گیا اور لوگ وہاں سے عزیز مصر کی داد و داش اور سخاوت کے قصوں کے علاوہ یہ سن کر کہ وہ اطراف و جوانب کے قحط زدہ علاقوں کے حاجت مندوں کو بھی غلہ تقسیم کر رہا ہے جو ق در جو ق مصر کی طرف روانہ ہونے لگے۔

یہ دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام کے سوتیلے بھائی جوان کی دشمنی میں حصہ گزٹے تھے اور بد طینتی اور بخت باطنی میں بھی ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر تھے قحط کے ہاتھوں مجبور ہو کر حضرت یعقوب علیہ السلام سے اجازت کے طالب ہوئے تاکہ وہ بھی مصر سے کچھ غلہ لانے کے لیے وہاں جائیں۔ حضرت یعقوب علیہ السلام جو اپنے عزیز ترین بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کی جداگانی اور ان کی یاد میں روتے روتے بینائی کھو چکے تھے تھے بولے: جاؤ لیکن جلد لوٹ آتا کیونکہ میں یہاں تھا رہ جاؤں گا، میں تم ہی یا یہ تھہرا جھوٹا بھائی بنیا میں ہی میری زندگی کا سہارا رہ گئے ہو۔ دیے اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کا سب سے بڑا سہارا ہے مگر اسی نے تو تمہیں میرا سہارا بنا رکھا ہے۔ (روایت)

ادھر حضرت یوسف علیہ السلام جو عزیز مصر کی وفات کے سال ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے نہ صرف مصر کی بادشاہت بلکہ نبوت سے بھی سرفراز فرمادیئے گئے تھے اب اس کی ہدایات کے مطابق نہ صرف لوگوں کو خدا پرستی کی دعوت دے رہے تھے اور قحط زدہ علاقوں کے لوگوں میں حسب ضرورت روزانہ غلہ بھی تقسیم فرمارہے ہیں بلکہ اپنی رعایا کی اہر ضرورت کا زیادہ سے زیادہ خیال رکھ رہے تھے جس کی وجہ سے ان کی زندگی میں خبر درود رجاء پہنچی تھی۔

جب حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی غلہ لینے کنعان سے مصر پہنچ تو آپ نے انہیں فوراً بچان لیا لیکن ان کے اونٹوں پر غلہ اپنے سامنے بار کرتے وقت ان سے کنعان کے حالات اور ان کے والد کے بارے میں بھی دریافت کیا تو انہوں نے حضرت یعقوب علیہ السلام کی ضعیفی، بصارت سے محرومی اور اپنے بھائی یعنی خود حضرت یوسف علیہ السلام کے غم میں ان کی شب و روزگر یہ وزاری کا حال سنایا لیکن یہ نہ بتایا کہ اس کا سبب وہ خود تھے۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے ان سے پوچھا کہ آیا اپنے والد کے صرف وہی بیٹے تھے یا ان کا کوئی اور بھائی بھی ہے تو انہوں نے بتایا کہ ان کا سب سے چھوٹا ایک اور بھائی ہے لیکن ان کے والد اسے کبھی پھدا نہیں کرتے۔ اس لیے وہ اسے ساتھ نہیں لائے ان سے یہ سن کر حضرت یوسف علیہ السلام کا دل تڑپنے لگا اور ان کی آنکھوں میں آنوسا گئے لیکن ضبط کرتے ہوئے بولے:

”تم اب کے آؤ تو اپنے ساتھ اپنے چھوٹے بھائی کو بھی لانا تاکہ اس کے حصے کا انتاج بھی تمہیں مل سکے۔ لیکن جب وہ دوسری بار غلہ لینے مصراً ہے تو بنیا میں یعنی حضرت یوسف علیہ السلام کے چھوٹے حقیقی بھائی ان کے ساتھ نہ تھے۔ حضرت یوسف علیہ السلام

کے دریافت فرمانے پر انہوں نے بتایا کہ ان کے والد نے اسے ان کے ساتھ آنے کی اجازت نہیں دی۔ اس پر حضرت یوسف علیہ السلام نے حسب معمول انہیں غلبہ دے کر ان سے یہ بھی فرمایا کہ اگر اب کے وہ اپنے بھائی کو ساتھ نہ لائے تو انہیں مزید غلبہ نہیں ملے گا۔ چنانچہ اگلی بار جب وہ غلبہ لانے کے لیے کنعان سے مصر آنے لگے تو انہوں نے حضرت یوسف علیہ السلام کے چھوٹے بھائی بنیامین کو بھی اپنے ساتھ لے چلے پر زور دیا اور حضرت یعقوب علیہ السلام سے کہا کہ اگر وہ بھی ان کے ساتھ ہوئے تو ان کے حکمے کا غلمہ بھی انہیں مل جائے گا جسے مل کر کران کے کچھ مزید دن آرام سے بسر ہو جائیں گے۔ تاہم حضرت یعقوب علیہ السلام نے بنیامین کو ان کے ساتھ بھیجنے سے صاف انکار کر دیا تو انہوں نے انہیں بتایا کہ اگر وہ معا تحنه گئے تو عزیز مصر کی شرط کے مطابق خود انہیں بھی اب کے غلبہ نہیں ملے گا تو حضرت یعقوب علیہ السلام انہیں ساتھ بھیجنے پر مجبور ہو گئے لیکن ساتھ ہی چلتے وقت انہیں ان کی حفاظت کی خاص طور سے سخت تر کیا دی کر دی اور جب انہوں نے ان کی حفاظت کی پہلے کی طرح قسم کھائی تو انہوں نے گویا دل پر صبر کی سل رکھ کر انہیں ان کے ساتھ کر دیا۔

حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دوسرے بھائیوں کی طرح اپنے چھوٹے حقیقی بھائی بنیامین کو بھی دیکھتے ہی پہچان لیا لیکن اب بھی مصلحت انجان بننے رہے تاہم جب وہ اپنے اوٹ پر غلبہ بار کرنے ہے تھے تو انہیں پیار بھری نظروں سے دیکھتے رہے۔ پھر جب وہ اپنے اوٹ پر حسب ضرورت اپنے حصے کا غلمہ لاد کر اپنے دوسرے بھائیوں کے ساتھ روانہ ہو گئے تو ایک دم شور بیج گیا کہ کسی نے اپنے غلے میں سونے کا وہ پیانا بھی جس سے غلمہ ماپ کر دیا جاتا تھا چاچرا کر رکھا یا ہے۔ وہاں سے سب سے آخر میں روانہ ہونے والے چونکہ حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائی ہی تھے لہذا انہیں راستے سے لوٹا کر لایا گیا اور ان کے اونٹوں کی ملاشی لی گئی تو بنیامین کے غلے میں چھپا ہوا سونے کا وہ پیانا برآمد کر لیا گیا جسے خود حضرت یوسف علیہ السلام نے وہاں انہیں روکنے کے لیے رکھ دیا تھا۔ پھر ان کے بھائیوں کو جانے کی اجازت دے دی گئی اور جیسا کہ حضرت یوسف علیہ السلام خود چاہتے تھے بنیامین کو روک کر ان کے بھائیوں سے کہا گیا کہ انہیں قانون کے مطابق سزا دی جائے گی کیونکہ ان پر چوری کا جرم ثابت ہو چکا ہے۔ یہ دیکھ کر حضرت یوسف علیہ السلام کے دوسرے بھائی رومنے لگے اور گزر گرا کر حضرت یوسف علیہ السلام سے عرض کرنے لگے کہ ”بنیامین کا سماں بھائی پہلے ہی بھیرتے ہیں کاشکار ہو چکا ہے جس کے غم میں روتے روتے ان کے والد یعنی حضرت علیہ السلام بصرات کھو بیٹھے ہیں، اس لیے اگر ہم بنیامین کو جسے ہم حفاظت کے ساتھ واپس لانے کی قسم کھا کر آئے میں اپنے ساتھ نہ لے گئے تو ہمارے والد اس صدر سے جانب نہ ہو سکیں گے۔“

اپنے بھائیوں سے یہ سن کر حضرت یوسف علیہ السلام کی آنکھیں اشک آ لود ہو گئیں لیکن انہوں نے ضبط کرتے ہوئے ان سے کہا: ”اچھا تم انہیں یہاں چھوڑ جاؤ اور اپنے والد سے ہماری طرف سے جا کر کہنا کہ ہم انہیں بھی بہت جلد ان کے پاس پہنچا دیں گے اور اس کی حفانت میں تم ہمارا ایک کرتے لے جاؤ۔“

کہا جاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کے اس ارشاد کے بعد ان کے بھائی ان کا کرتے لے کر روانہ ہو گئے۔ اس کے سوا وہ اور کر بھی کیا سکتے تھے لیکن راستے میں اپنی اپنی جگہ سب سوچتے جا رہے تھے کہ بنیامین کو ان کے ساتھ نہ پا کر ان کے والد حضرت

یعقوب علیہ السلام واقعی ترپ کسر رجا میں گئے لیکن جب کنعان پہنچ کر انہوں نے سارا واقعہ سن کر انہیں صرف یوسف علیہ السلام کا کرتہ یہ کہہ کر دیا کہ مزیر مصر نے ان کے بھائی کو جلد ان کے پاس بھینتے کی ضمانت کے طور پر اپنا کرتہ دیا ہے تو انہوں نے ہاتھ بڑھا کر وہ کرتے لے لیا اور ترپ کر بولے: ”یہ تو یوسف کا کرتہ ہے مجھے اس سے اس کے بدن کی خوبی آرہی ہے۔“

یہ کہہ کر انہوں نے وہ کرتہ اپنی آنکھوں سے لگایا تو خدا کی قدرت سے ان کی آنکھوں کی بینائی فوراً لوٹ آئی اور خوشی سے بولے: ”میں نہ کہتا تھا کہ یہ یوسف کا کرتہ ہے، چلتم مجھے اس کے پاس لے چلو۔“

حضرت یعقوب علیہ السلام کے بیٹے ان سے لاکھ کہتے رہے کہ ”یہ تو واقعی مصر کے بادشاہ کا کرتہ ہے۔ البتہ اسے آپ اپنے پروردگار کی قدرت یا حمت بھینتے کا سے آنکھوں سے لگانے سے آپ کی بسارت لوٹ آئی ہے جسے آپ اپنے جذبے کی انتہا قرار دے سکتے ہیں،“ لیکن حضرت یعقوب علیہ السلام نے گویا ان کی بات سنی ہی نہیں اور وہ ان سے انہیں مصر پہنچانے پر اصرار کرتے رہے اور آخراً رکاران کے بیٹے انہیں لے کر دروز بعد ہی مصر روانہ ہو گئے۔

اُدھر حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے دوسرے بھائیوں کی روائی کے بعد اپنے چھوٹے بھائی بنیامین کو خلوت میں طلب کیا اور انہیں گلے لگا کر سارا قصہ انہیں سنا دیا جسے سن کر وہ روتے ہوئے اپنے بڑے بھائی کی قدموں کے لیے جھک گئے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام اور حضرت یوسف علیہ السلام کی ملاقات کا قصہ بھی بڑا اثر انگیز ہے وہ ایک دوسرے کو بالکل اسی طرح دیکھتے رہے اور پھر یک دم بغلگیر ہو گئے درآں حالیہ دونوں کی آنکھوں سے انکھوں کی جھڑی لگی ہوئی تھی جیسے حضرت اسماعیل علیہ السلام اپنے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کو تادرید دیکھتے رہے تھے اور پھر یک دم باہم بغلگیر ہو کر دونوں روپ پرے تھے۔

ابن الحنفی علیہ السلام نے اہل کتاب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت یعقوب علیہ السلام مصر آ کر اپنے بیٹے حضرت یوسف علیہ السلام کے پاس سترہ سال مقیم رہے تھے اور اپنی وفات کے وقت انہیں وصیت کی تھی کہ انہیں ان کے والد حضرت اسحق اور ان کے والد حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبروں کے پاس دفن کیا جائے۔

الدی کہتے ہیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کی وصیت کے مطابق حضرت یوسف علیہ السلام نے ان کی میت مصر سے شام لے جا کر انہیں حضرت اسحق و حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قبر کے پاس المنارہ میں دفن کیا تھا۔

اہل کتاب کے نزدیک حضرت یعقوب علیہ السلام کی عمر جب وہ کنعان سے مصر تحریف لائے تھے ایک سو تین سال تھی اور انہوں نے وہاں سترہ سال قیام فرمایا تھا۔ اس کے ساتھ ہی وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ ان کی پوری عمر ایک سو چالیس سال ہوئی جو بظاہر غلط ہے تاہم ایک شے میں یہی لکھا ہے۔ ممکن ہے ان سے یہ حساب غلطی سہوا ہو گئی ہو لیکن یہ قضاویان کے ہاں اکثر و پیشتر پایا جاتا ہے۔

حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات کے ذکر کے ساتھ متعلقہ قرآنی آیہ شریفہ میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد یہ ہے:

جب حضرت یعقوب علیہ السلام کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے اپنے بیٹوں سے دریافت کیا:

”تم میرے بعد کس کی پرستش کرو گے؟ تو وہ بولے ”ہم آپ کے معبود اور آپ کے آباء اسماعیل و اسحق اور ابراہیم“

(عَزِيزٌ لَهُ الْحُكْمُ) کے معبد کی پرستش کریں گے اور ہم اسی پر ایمان لائے ہیں۔

گویا حضرت یعقوب ﷺ نے اپنے بیٹوں کو خدا کی پرستش کی بالا خلاص و صیت کی تھی جو درحقیقت اسلام تھا اور ہے جس کے لیے از ابتداء تا انتہا انہیاء عَلَيْكُمُ الْحُكْمُ مبوجث کیے گئے تھے۔

اہل کتاب نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ ”حضرت یعقوب ﷺ نے اپنے بیٹوں کو اگل الگ و صیت کی تھی اور اپنے بیٹے یہودا (عربی تلفظ یہودا) سے فرمایا تھا کہ ان کی نسل سے ایک عظیم نبی پیدا ہوں گے جن میں تمام شعوب و قبائل اطاعت کریں گے اور حضرت عیسیٰ ﷺ وہی نبی تھے (یعنی جن کی ولادت کا یہودا کی نسل سے حضرت یعقوب ﷺ نے کہا تھا۔ واللہ اعلم)

یہ بھی اہل کتاب کا بیان ہے کہ جب حضرت یعقوب ﷺ نے وفات پائی تو اہل مصر نے ستر دن تک ان کا سوگ منایا، حضرت یوسف ﷺ نے اطباء کو حکم دیا تھا کہ ان کی لاش کو خوشبویات سے غسل دیا جائے اور انہیں اسی طرح چالیس دن تک خوشبوؤں میں رکھا جائے۔ اس کے بعد اہل مصر نے ان سے اجازت لی کہ انہیں ان کے آبائی قبرستان میں جس کی زمین حضرت ابراہیم ﷺ نے عفر و ن بن صحری میں خریدی تھی دفن کیا جائے اور ان سے اجازت ملنے پر مصر کے اکابرین و شیوخ ان کی میت لے کر مصر سے حرودن روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر انہیں اسی مقارہ میں دفن کیا جو حضرت ابراہیم ﷺ نے خریدا تھا۔ اس کے بعد وہ وہیں ان کی عزاداری میں مصروف رہے اور پھر مصر لوٹ آئے جہاں حضرت یوسف ﷺ کے ساتھ مل کر کچھ روز اپنے والد کا سوگ مناتے رہے اور حضرت یوسف ﷺ کی تعظیم و تکریم بھی کرتے رہے۔ جس کے بعد وہ سب کے سب مصر ہی میں مستقل طور پر مقیم ہو گئے۔ پھر جب حضرت یوسف ﷺ کی وفات کا وقت قریب آیا تو انہوں نے وصیت کی کہ انہیں بھی مصر سے لے جا کر جردن میں ان کے آبائی قبرستان میں دفن کیا جائے لیکن ان کی لاش اس وقت تک حنوط کر کے محفوظ رکھی گئی جب تک حضرت موسیٰ ﷺ نے مصر سے خروج نہ کیا۔ چنانچہ حضرت موسیٰ ﷺ کی مصر سے روانگی کے وقت حضرت یوسف ﷺ کی حنوط شدہ لاش بھی ان کے ساتھ کر دی گئی اور انہیں بھی ان کی وصیت کے مطابق ان کے آبائی قبرستان میں جردن ہی میں دفن کیا گیا۔ اس کی تفصیل ہم بھی ان شاء اللہ آگے چل کر حسب موقع پیش کریں گے۔

اہل کتاب کے مطابق حضرت ﷺ کی عمر ایک سو دس سال ہوئی۔ یہی ابن حجر یونانی نے بھی بیان کیا ہے جب کہ مبارک بن فضالہ نے حسن کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ جب حضرت یوسف ﷺ کو کنویں میں ڈالا گیا تھا اس وقت ان کی عمر سترہ سال تھی اور وہ اپنے والد حضرت یعقوب ﷺ سے اسی سال تک جدار ہے جس کے بعد وہ تیس سال تک اور زندہ رہے اور اس طرح ان کی عمر مبارک ایک سو تیس سال ہوئی۔

مبارک بن فضالہ نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت یوسف ﷺ نے وصیت اپنے بھائی یہودا (عربی تلفظ یہودا) کو کی تھی۔ واللہ اعلم



باب ۱۶

قصہ حضرت ایوب علیہ السلام

ابن الحق کہتے ہیں کہ ایک شخص جن کا تعلق روم سے تایا جاتا ہے درحقیقت وہی ایوب بن موسیٰ بن زراح بن عیسیٰ بن احراق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام تھے لیکن کچھ لوگ انہیں ایوب بن موسیٰ بن رویل بن عیسیٰ بن الحق بن یعقوب بتاتے ہیں جب کہ کچھ دوسرے لوگوں نے اس کے علاوہ اور کچھ بھی بتایا ہے۔ ابن عساکر کہتے ہیں کہ ان کی ماں لوٹ علیہ السلام کی بیٹی تھیں اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ ان کے والدان لوگوں میں شامل تھے جو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے آگ میں ڈالے جانے سے قبل ان کے ساتھ ایمان لا چکے تھے۔ سب سے زیادہ مشہور بات یہ ہے کہ ان کا تعلق بھی ذریت ابراہیم علیہ السلام سے تھا جیسا کہ خود اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَمِنْ ذُرِّيَّتِهِ دَاوُدَ وَسَلِيمَانَ وَأَيُوبَ وَيُوسُفَ وَمُوسَى وَهَارُونَ﴾

اور یہی صحیح ہے کیونکہ اس آیت میں جو ضمیر ہے وہ حضرت نوح علیہ السلام کی طرف نہیں بلکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی طرف راجح ہے اس کے علاوہ یہ صحیح بات ہے کہ وہ (حضرت ایوب علیہ السلام) بھی ان انبیاء میں سے ہیں جن پر وحی الہی نازل ہوئی جیسا کہ قرآن پاک کی سورہ النساء میں ہے:

﴿إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَى إِبْرَاهِيمَ وَإِسْمَاعِيلَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ وَعِيسَى وَأَيُوبَ﴾

اس سے یہ بھی ثابت ہوا کہ ایوب عیسیٰ بن الحق اور ان کی بیوی کے جن کا نام لیا بتایا جاتا ہے بنیتے تھے لیکن کچھ لوگوں نے انہیں رحمہ بت افرائیم کا بیٹا بتایا ہے نیز انہیں فشا بن یوسف بن یعقوب بتایا گیا ہے جو صحیح ترین بات بھی ہے یہی وجہ ہے کہ ہم نے ان کا یہاں ذکر کیا ہے۔

اس کے بعد ہم ان شاء اللہ پھر انبیاء بنی اسرائیل کے ذکر کی طرف آئیں گے۔

قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا (جب ایوب علیہ السلام نے ہمیں پکارا اور عرض کیا کہ اے میرے پروردگار کے مجھے بیماری لگ گئی ہے اور تو سب سے زیادہ رحم فرمانے والا ہے تو ہم نے ان کی فریاد سنی اور انہیں بتایا کہ انہیں کیا بیماری ہے اور ان کے ساتھ ان کے اہل کردیئے اور انہی جیسے اور بھی جن میں ہماری رحمت بھی شامل تھی اور ہمارا ذکر عابدین کے لیے ہے) نیز سورہ (ص) میں بھی ارشاد ہوا:

﴿وَأَذْكُرْ عَبْدَنَا أَيُوبَ الْمُخْ﴾

کلبی کی طرح ابن عساکر سے بھی مروی ہے کہ میتوث ہونے والے انبیاء میں پہلے اور لیں ہیں پھر نوح ہیں پھر ابراہیم ہیں پھر

اسا میل، پھر الحلق، پھر یعقوب، پھر یوسف، پھر لوط، پھر ہود، پھر صالح، پھر شعیب، پھر موی اور ہارون، پھر الیاس، پھر مسیح پھر عربی^۱، پھر سویٹخ بن افرائیم بن یوسف بن یعقوب، پھر یونس بن متی جوئی یعقوب میں سے ہیں، پھر ایوب بن زراح^۲ بن آموص بن لیفڑ زبن عیش بن الحلق بن ابراہیم (غیاث اللہ) ہیں۔

بہر کیف یہ ترتیب بعض جگہ نظر ہے کیونکہ ہود اور صالح کے بارے میں مشہور ہے کہ وہ حضرت نوح غلیظ اللہ کے بعد اور حضرت ابراہیم غلیظ اللہ سے قبل معموث ہوئے تھے۔ واللہ عالم

علمائے تفسیر و تاریخ کا بیان ہے کہ حضرت ایوب بڑے صاحب ثروت شخص تھے ان کے پاس حوران کے علاقے بنیہ میں بڑا مال و زر، غلام، زرعی زمینیں اور دوسری بہت سی چیزیں تھیں۔

ابن عساکر کہتے ہیں کہ ان کے پاس کثیر مال و متعاق کے علاوہ ان کے اہل و عیال اور قرابت دار بھی کثیر تعداد میں تھے لیکن پھر ان کے پاس سے یہ سب کچھ یک لخت جاتا رہا اور وہ بہت سے جسمانی عوارض میں بنتا ہو گئے اور یہ حالت ہو گئی کہ ان کے دل اور زبان کے علاوہ ان کے جسم کا کوئی عضو صحیح و سالم نہ رہا۔

جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت ایوب غلیظ اللہ کا ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا وہ اس حال کے باوجود دون رات اور صبح و شام صبر کرتے اور خدا کا شکر ادا کرتے رہے اور پھر یہاں تک نوبت آگئی کہ ان کے جسم میں تعفن کی وجہ سے ان کے سب عزیز و اقربا نے ان کے پاس آنا جانا ترک کر دیا، بس صرف ان کی بیوی رہ گئیں جو ان کی ضروریات کا خیال رکھتی تھیں اور ان کے کھانے پینے حتیٰ کہ رفع حاجت کے لیے بھی وہی انہیں اٹھاتی رکھتی تھیں۔ سچ یہ ہے انہوں نے حضرت ایوب غلیظ اللہ کے پچھے احسانات اور زوجیت کا حق ادا کر دیا لیکن پھر ان کی اس سے بھی زیادہ بڑی حالت ہو گئی اور لوگوں نے انہیں ایک نزلہ کے کنارے ڈلوادیا۔ اس زمانے میں بھی ان کی بیوی ہی نے ان کا ساتھ دیا۔ وہی انہیں بھی کھانا کھلاتیں جو اڑوں پڑوں کے لوگ ان کی بیوی کے لیے ل آتے تھے اور وہی ان کے جسم سے نجاست و غلطت ہٹاتی رہتی تھیں۔

آخر جب لوگوں سے اس شریف خاتون کی یہ حالت نہ دیکھی گئی تو انہوں نے اسے کسی اور جگہ پہنچا دیا لیکن وہاں بھی وہ اپنے خاوند حضرت ایوب غلیظ اللہ کو یاد کرتی اور روتو رہتی تھیں۔

وہب بن منبه نے یہ سب باتیں بنی اسرائیل کے اکثر ثقہ لوگوں کے حوالے سے تفصیل بیان کی ہیں جن کی صحت کے بارے میں اللہ تعالیٰ ہی بہتر جانتا ہے جب کہ صحیح بخاری کی روایت کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ:

”دنیا میں سب سے زیادہ مصائب انبیاء غلیظ اللہ کو برداشت کرنے پڑے نیز یہ کہ جو اپنے دین و ایمان پر جتنا ثابت قدم رہا اسی نسبت سے اسے بلاوں کا سامنا بھی کرنا پڑا“۔

اس روایت کے آخر میں امام بخاری فرماتے ہیں کہ اس حدیث نبوی کے سب سے زیادہ مصدق خود رسول اللہ ﷺ ہیں کیونکہ

۱ ایک نئے میں عربی لکھا ہے۔ ۲ ایک نئے میں راوی لکھا ہے۔

آپ نے ہی بعد بعثت کفار کے باقیوں سب انہیاء علیہ السلام سے زیاد و مصائب برداشت کیے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کے مصائب کے بارے میں مختلف روایات ہیں۔ وہب کے نزدیک وہ ان بلاوں میں پورے تین سال بتلا رہے جس کے بعد اللہ تعالیٰ نے ان سے ان سخت ترین بلاوں کا شکار رہنے کے باوجود صبر و شکر کا دائن ہاتھ سے نچھوڑنے کے صلے میں انہیں پھر وہی تمام نعمتیں عطا فرمادیں جن سے انہیں اس سے قبل سرفراز فرمایا تھا۔

ابن حاتم اور ابن جریر نے متعدد حوالوں سے بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام ان بلاوں میں پورے اٹھارہ سال بتلا رہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ ان کی بیوی کے علاوہ جن کا نام کلام الہی میں رحمہ بتایا گیا ہے ان کے دو دوسرے قربی عزیز بھی ان کی خبر گیری کرتے رہے تھے اور ان میں سے ایک نے دوسرے سے کہا تھا کہ حضرت ایوب علیہ السلام جسی مصیبت میں اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق میں کسی کو اتنی مدت تک بتلانہ رکھا ہوگا۔ پھر دوسرے کے سوال کے جواب میں پہلے نے بڑے وثوق سے اس کا حساب لگا کر اس مدت کا تعین اٹھارہ سال کیا تھا۔

اس روایت میں یہاں سب کے سب ابن جریر کے الفاظ پیش کیے گئے ہیں جب کہ اس روایت کو اور زیادہ تفصیل سے ابن حبان نے اپنی کتاب ”صحیح“ میں محمد بن حسن بن قتبہ بن حرملہ اور وہب بن حارثہ اور وہب بن حارثہ کے حوالے سے پیش کیا ہے۔ تاہم یہ روایت جو حضرت ایوب علیہ السلام کی مدت مصائب کے تعین کے بارے میں ہے بڑی عجیب و غریب ہے جسے ان حضرات نے وہب کے حوالے سے بیان کیا ہے لیکن اس پر تاریخی حیثیت سے بمشکل اعتقاد کیا جاسکتا ہے۔

جب حضرت ایوب علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے ان کی پہلی عیش و آرام کی زندگی پر لوٹا دیا تو جیسا کہ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے متعدد حوالوں سے بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ نے ان پر سونے کی بارش فرمائی تھی اور وہ اس سونے کو اپنے کپڑوں میں چھپا لیا کرتے تھے۔ یہ دیکھ کر کچھ لوگوں نے ان سے دریافت کیا تھا کہ وہ اپنے کپڑوں میں اس طرح کیا چھپا یا کرتے ہیں؟ تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ وہ ان کے پروردگار کی رحمت تھی جسے کوئی نہیں چھپا سکتا۔
بیرروایت ابن حاتم نے بھی بیان کی ہے۔

حضرت ایوب علیہ السلام کی بیوی کے نام کے بارے میں جو مختلف روایات ہیں انہیں قرآن شریف میں ان کا نام خود اللہ تعالیٰ کی طرف سے ”رحمہ“ بتائے جانے کے بعد ختم سمجھنا چاہیے۔

ضحاک نے ابن عباس رضی اللہ عنہ کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام پر مصائب کے اختتام اور ان کے صبر و شکر کے صلے میں اللہ تعالیٰ کی طرف سے انہیں ان کی اصلی جسمانی حالت اور امیرانہ زندگی کی طرف لوٹائے جانے کے بعد ان کی بیوی رحمہ کے لئے سے ان کے ستائیں بیٹی پیدا ہوئے تھے اور حضرت ایوب علیہ السلام نے ان مصائب کے بعد روم میں ستر سال گزارے تھے لیکن اس دوران میں ان کے پیر و کار دین ابراہیمی پر قائم نہیں رہے تھے اور انہوں نے اس میں بہت سی ننی باتیں داخل کر لی تھیں۔

علمائے تاریخ میں ابن جریر وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی وفات کے وقت ترانوے سال تھی۔

لیٹ نے مجاہد کے حوالے یہ روایت بیان کی ہے کہ اللہ تعالیٰ روز قیامت انبیاء میں حضرت سلیمان ﷺ کا نام، زوال سے حصول کمال میں حضرت یوسف ﷺ کا نام اور اہل بلاء میں حضرت ایوب ﷺ کا نام بطور جدت اپنے بندوں کے سامنے بتائیں گے۔

ابن عساکر نے یہ روایت بیان کرتے ہوئے اس کے مفہوم پر بھی روشنی ڈالی ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ حضرت ایوب ﷺ نے اپنے بیٹے جوبل کو وصیت کی تھی لیکن اس پر عمل ان کے دوسرے بیٹے بشر بن ایوب ﷺ نے کیا۔ اور انہی کو اکثر لوگ ذوالکفل بتاتے ہیں اور یہ بھی کہتے ہیں کہ انہی کو اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ انہی بشر بن ایوب نے پھر سال عمر پائی۔

بہر کیف ہم ان بشر ابن ایوب کا ذکر جنمیں اکثر لوگ نبی اور ”ذوالکفل“ بتاتے ہیں سطور ذیل میں کر رہے ہیں۔



قصہ ذی الکفل

ذی الکفل وہ ہی چین جنہیں سب لوگوں نے ابن ایوب علیہ السلام کا بیان کیا ہے بلکہ خود اللہ تعالیٰ نے سورہ انہیاء میں دوسرے انہیاء کے ساتھ ان کا ذکر فرماتے ہوئے انہیں بھی صالحین میں شامل فرمایا ہے۔ اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے سورہ سس میں بھی ان کا اس طرح ذکر فرمایا ہے۔ اس سے یہ ظاہر ہوتا کہ جیسا مختلف روایات میں ذکر ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کے نبی تھے (علیہ السلام) اور ان کی نبوت کے بارے میں جو باتیں مشہور ہیں وہ غلط نہیں ہیں۔ البته کچھ متاخرین نے ان کا شامل صالحین میں کرتے ہوئے ان کے اوصاف میں عدل و حکمت اور دیانت وغیرہ کو شامل کیا ہے۔ ابن جریر نے بھی صرف اتنا ہی کہا ہے۔ واللہ اعلم
ابن جریر اور ابن ابی حاتم نے مجاهد کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ چونکہ بشر ابن ایوب علیہ السلام ایک مرد صالح تھے اپنی قوم کے مسائل عدل و انصاف سے نمایا کرتے تھے اور اس کی موقع ہموقع کفالت بھی کرتے تھے اس لیے وہ ذی الکفل کے نام سے مشہور ہوئے اور اب تک اس نام سے مشہور چلے آتے ہیں۔

بھی روایت ابن ابی حاتم سے بھی ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے قریباً اسی سیاق کے ساتھ مروی ہے۔

ذی الکفل کے بارے میں عبد اللہ ابن الحارث، محمد بن قیس اور حمیرہ الاکبر کی روایات جو انہوں نے کچھ متاخرین کے حوالے سے پیش کی ہیں ان کے انہی احوال پر مبنی ہیں۔

ابن ابی حاتم ایک اور جگہ بیان کرتے ہیں کہ ان سے ابو الجماہر سعید بن بشیر اور قادہ نے کنانہ بن افس کے حوالے سے بیان کیا اور آخر الذکر نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ سے جب وہ منبر سے لوگوں کو خطاب کر رہے تھے فرماتے ہوئے سنا کہ ذی الکفل نبی نہیں تھے بلکہ ایک مرد صالح تھے جو ایک ہی شب دروز میں سات بار نماز پڑھا کرتے تھے اور اکثر لوگوں کی کفالت بھی کرتے تھے اس لیے ذی الکفل کے نام سے مشہور ہوئے۔

یہ روایت بھی ابن جریر نے عبد الرزاق کے توسط اور عمر و قادہ کے حوالے سے بیان کی ہے اور یہ بھی کہا ہے کہ ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کا قول اس بارے میں حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے لیکن اس سلسلے میں جو حدیث نبوی امام احمد رضی اللہ عنہ میں بتایا گیا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ ذی الکفل بنی اسرائیل میں سے تھے تاہم ان کے تمام اعمال زہد و درع پر مبنی نہیں تھے اس کے بعد آپ نے وہ قصہ جس میں بتایا گیا ہے کہ ذی الکفل نے سو دینار ایک عورت کو کیوں دیے تھے تفصیل سے بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے ذی الکفل کو اس قصے کی وجہ سے کبھی خطا کا رنجیں ٹھہرایا تھا بلکہ جب انہوں نے وفات پائی تو صحیح کو ان کے دروازے پر لکھا پایا گیا کہ: ”اللہ تعالیٰ نے ذی الکفل کی مغفرت فرمادی ہے۔“

ترمذی رضی اللہ عنہ نے اس حدیث نبوی علیہ السلام کی روایت کے ساتھ جسے انہوں نے اعمش کے حوالے سے پیش کیا ہے اسے حدیث حسن قرار دیا ہے تاہم دوسرے راویوں نے اسے حدیث غیر مصدقہ قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ جس ذی الکفل کے بارے میں حدیث نبوی علیہ السلام بیان کی جاتی ہے وہ کوئی دوسرا ذی الکفل ہوگا جس کا قرآن شریف میں کوئی ذکر نہیں۔ واللہ اعلم

باب ۱۳

ہلاک ہونے والی امتوں کا ذکر

ہلاک ہونے والی امتوں نزول توریت سے قبل ہوئی تھیں جیسا کہ ارشاد ربانی: ﴿وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ مِنْ بَعْدِ مَا أَهْلَكَ الْقُرْوَنَ الْأُولَى﴾ سے ثابت ہے۔

ابن جریر، ابن ابی حاتم اور البزار سے عوف اعرابی کی زبانی اور ابی تضہر و ابی سعید الخدیری کے حوالے سے مردی ہے کہ نزول توریت کے بعد کسی ارضی یا سماوی عذاب سے کوئی قوم اس قریبے کے علاوہ جو قطعاً مٹ کر خاک ہو گیا۔ ہلاک نہیں ہوئی۔ اس بیان کے راوی بھی اپنے اس بیان کے ثبوت میں قرآن شریف کی مندرجہ بالا آیہ شریفہ ہی پیش کرتے ہیں بلکہ البزار نے اپنی روایت میں زیادہ زور اسی آیہ کریمہ پر دیا ہے تاہم اس آیت قرآنی سے بظاہر تمام و کمال یہ ثابت نہیں ہوتا کہ نزول توریت سے قبل بنی اسرائیل کے سواد و سری قومیں ہلاک کر دی گئی تھیں۔

اس کے علاوہ نزولی توریت سے قبل جن قوموں کی ہلاکت کا ذکر سورہ "ق" میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے وہ بھی صرف قوم نوح ﷺ، اصحاب الرس، ثمود و عاذ، فرعون، اخوان لوط، اصحاب ایکہ اور ان کا کفر میں اتباع کرنے والی قومیں تھیں۔ اس سے یہ کہاں ثابت ہوا کہ ان کے علاوہ باقی پچھلی قومیں سب کی سب ہلاک کر دی گئی تھیں۔

اس گفتگو کے بعد سورہ البروج سے استناد کرتے ہوئے ابن جریر کا یہ بیان کہ اصحاب الاصدود کا زمانہ الْحِجَّة ﷺ کے بعد اور عیسیٰ ﷺ کا زمانہ تھا محل نظر اور قابل تردید یہ ہے۔

پھر ابن جریر نے خود ابن عباس رض کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ اصحاب الرس اہلیان قریبہ ثمود میں شامل تھے۔ اس کے علاوہ حافظہ کبیر ابوالقاسم بن عساکر نے اپنی تاریخ کی ابتداء ہی میں بنائے دمشق کا ذکر کرتے ہوئے تاریخ ابی القاسم بن عبد اللہ بن جرداد کے حوالے سے کہ اس شہر کی بنیاد ڈالنے والوں پر اللہ تعالیٰ نے جس نبی کو مبعوث فرمایا تھا ان کا نام حظله بن صفوان تھا جنہیں ان لوگوں نے (معاذ اللہ) کاذب ٹھہر اکر قتل کر دیا تھا جس کے بعد عاد ابن عموص بن ارم بن سام بن نوح اپنے بیٹے کو لے کر قریبہ رس سے لوٹ آئے تھے جب کہ سورہ احقاف کے مطابق اللہ تعالیٰ نے قریبہ نذکور کے اشرار کو ہلاک کر دیا تھا اور باقی سب لوگ منتشر ہو کر وہاں سے پہلے یمن چلے گئے تھے اور پھر روئے زمین کے مختلف حصوں میں پھیل گئے تھے آخراً جردن بن سعد، بن سعد، بن عاد، بن عموص، بن ارم، بن سام این نوٹ پھر علاقہ دمشق میں وارد ہوئے اور وہاں ایک شہر بسایا کہ اس کا نام جردن رکھا۔ جو بعد میں ارم ذات العمال کہلایا کیونکہ اس وقت دمشق کی عمارت کا تو ایک پھر بھی سالم نہ رہا تھا۔ بہر کیف جردن ہی کے لوگوں پر اللہ تعالیٰ نے ہود بن عبد اللہ بن رباح بن خالد بن غلود بن عاد کو عادیعنی قوم عاد پر احقاف میں مبعوث فرمایا لیکن انہوں نے چونکہ انہیں کاذب ٹھہر اکر ان کی خوبت کی تردید کی اور کفر پر قائم رہے بلکہ اس سلسلے میں حد سے گزر گئے اس لیے اللہ تعالیٰ نے

انہیں ہلاک کر دیا۔ یہ روایت اس بات کی مقتضی ہے کہ اصحاب الرسُوْل عَلِیٰ سے قبل دنیا کے مختلف شہروں میں پھیل کر مدت تک وہاں قیام کرتے رہے تھے۔ وَاللَّهُ أَعْلَم

ابن ابی حاتم کی روایت کے مطابق اصحاب الرسُوْل عَلِیٰ آذربایجان سے تھا وہیں ان پر نبی مسیح مسیح ہوئے تھے اور انہوں نے انہیں ہلاک کیا تھا جہاں وہ مدفون ہیں جب کہ ثوری ابی بکر اور عکرمہ کے حوالے سے ان کی جائے فلک تھاتے ہیں نیز کہتے ہیں کہ وہی اصحاب یا مسیمین تھے۔

ابن جریر اپنے مذکورہ بالا بیان کی آگے چل کر خود تردید کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ جن اصحاب الرسُوْل عَلِیٰ شریف میں ذکر ہے یہ وہ اصحاب الرسُوْل نہیں تھے جنہیں اللہ تعالیٰ نے ہلاک کر دیا تھا اور پھر انہی میں سے وہ لوگ پیدا کیے تھے جو اپنے نبی پر ایمان لائے تھے۔ اب یہ کہاں تک ممکن ہے کہ اصحاب الرسُوْل ہی اپنے آبا و اجداد کی ہلاکت کے بعد اسی زمانے کے نبی پر ایمان لائے ہوں۔ وَاللَّهُ أَعْلَم

پھر ابن جریر نے انہی کو اصحاب الاعداد بتایا ہے۔ یہ روایت بھی اس کا پہلا بیان پیش نظر رکھتے ہوئے ضعیف شہرتی ہے کیونکہ اصحاب اعداد کے لیے تو قرآن شریف کے مطابق عذاب آخرت کا ذکر کیا گیا ہے کیونکہ وہ ایمان نہیں لائے تھے۔ ان کی ہلاکت کا کہیں ذکر نہیں ہے جب کہ اصحاب الرسُوْل کی ہلاکت کا صریح ذکر قرآن میں موجود ہے۔ وَاللَّهُ أَعْلَم



قصہ قوم پیسین جو اصحاب القریہ واصحاب پیسین تھے

ان اصحاب القریہ کا اللہ تعالیٰ نے ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ ”ہم نے ان پر پہلے اپنے رسول اتارے لیکن انہوں نے ان کی تکذیب کی۔ پھر ہم نے ان پر اپنا تمیز ارسول اتارا لیکن انہوں نے انہیں بھی (معاذ اللہ) کاذب ٹھہراتے ہوئے کہا کہ تم ہماری طرح کے انسان ہو۔ وہ لا کہ کہتے رہے کہ ہمیں اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے لیکن ہماری ذمہ داری صرف تمہیں اس کا صرف صاف پیغام پہنچانا ہے“۔

اس کے بعد جیسا کہ قرآن شریف کی آیات متعلقہ سے ظاہر ہوتا ہے کہی اور شہر سے ایک شخص آیا اور انہیں بتایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کے فضل و کرم سے وہاں بھیجے ہوئے نبی کی ہدایات پر عمل پیرا ہوتے ہوئے انعامات خداوندی کا مستحق ٹھہرا ہے لیکن ان اصحاب القریہ نے اس کی بھی ایک نہ سنبھالی اور کفر و ضلالت میں مبتلا رہے۔ اس لیے آخر کار اللہ تعالیٰ نے انہیں ذلیل و خوار اور بتاہ کر دیا۔

اکثر اسلاف و اخلاف کے بیانات کے مطابق یہ قریہ انطا کیہ تھا۔ ابن الحنفی سے بھی ابن عباس رض کعب الاحبار اور وہب بن منبه کے حوالے سے یہی مردی ہے۔

ابن الحنفی نے بریدہ بن الحصیب، عکرمہ، قادہ، اور زہری وغیرہ کے حوالے سے بھی یہی اس قریہ کا نام یہی بتا کر مزید بتایا ہے کہ اس قریہ کے حکمران کا نام انجیس بن انجیس تھا، وہ بتوں کو پوجتا تھا اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کے او راس کی قوم کے لیے یہی بعد میگرے تین انیاء صادق و صدق و میتوں اور شلوم مبعوث فرمائے لیکن انہوں نے ان کی تکذیب کی۔

اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ مذکورہ تینوں حضرات اللہ تعالیٰ کے فرستادہ نبی یہی تھے لیکن قادہ کا خیال ہے کہ وہ سعی علیہ السلام کے حواری تھے۔ یہی بات ابن جریر نے وہب بن سلیمان اور شعیب جبائی کے حوالے سے بتائی ہے اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے ان حواریوں کے نام شمعون و یوحنا اور بولس بتائے ہیں لیکن قریہ کا نام انطا کیہ ہی لکھا ہے تاہم یہ قول قطعاً ضعیف ہے کیونکہ اہل انطا کیہ کی طرف سعی علیہ السلام نے اپنے جو تین حواری بھیجے تھے وہ ان کی رسالت پر ایمان لے آئے تھے اور انطا کیہ اس وقت ان چار قریوں میں سے ایک تھا جہاں نصاریٰ آباد تھے۔ یہ چار قریے انطا کیہ، قوس، اسکندریہ اور رومیہ تھے اور نصرانی پہلے ان چاروں قریوں میں آباد تھے جس کے بعد وہ قبطیہ منتقل ہو گئے تھے لیکن ان چار قصبوں کے مکینوں میں سے کوئی بھی ہلاک نہیں ہوا تھا جب کہ قرآن میں جس قریہ کا ذکر آیا ہے اس کے تمام باشندے ہلاک ہو گئے تھے کیونکہ انہوں نے اللہ تعالیٰ کی طرف سے ان کے پاس بھیجے

❶ ایک نئے میں مصدق لکھا ہے۔ (مرتب)

بے چینوں پچ پنیبروں کو قتل کر دیا تھا۔

بہر کیف اگر یہ تسلیم کر لیا جائے کہ جن اہل انتظام کیہ کا قرآن میں ذکر ہے وہ قدیم انتظام کیہ تھا جس کے باشندے ہلاک کر دیئے تھے اور اس کے بعد ظہور مسیح علیہ السلام کے وقت وہ قریب پھر آباد ہو گیا تھا اور اس کے باشندے مسیح علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لے آئے تھے تو ان راویوں کی بیان کردہ روایات کو تسلیم کرنے میں بھی کوئی ہرج نہیں کیونکہ یہ بات بعد از قیاس نہیں ہے۔ واللہ اعلم البتہ ان روایات میں جن مذکورہ بالا اصحاب کو بھی مسیح علیہ السلام کا حواری بتایا گیا وہ اس لیے قابل قبول نہیں ہے کیونکہ انہیں قرآن شریف میں صاف صاف انبیاء مسلمین بیان کیا گیا ہے ﴿وَاضْرِبْ لَهُمْ مَثَلًا إِلَّا خَ﴾ یعنی اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) ہم نے (ان) اہل قریب پر یکے بعد دیگرے تم انہیاً مسلمین اتارے تھے۔ اخ

ابن اسحق نے اپنے بعض معاصرین کے علاوہ ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ انہی لوگوں نے خود حضرت مسیح علیہ السلام کو رجم کیا تھا یا صلیب پر چڑھایا تھا اور پھر اس قبصے سے نکل بھاگے تھے۔

اس کے علاوہ طبرانی نے حسین اشقری کی زبانی سفیان بن عینہ، ابن ابی بخش، مجاهد اور ابن عباس رضی اللہ عنہم کے حوالے سے جو حدیث نبوی روایت کی ہے اور اس میں بتایا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے موئی علیہ السلام کے حواری یوسف کو عیسیٰ علیہ السلام کے حواری صاحب تعلیم کو اور خود اپنے حواری حضرت علی بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کو بیان فرمایا صرف محل نظر ہی نہیں بلکہ صریحاً بعد از قیاس ہے۔



قصہ یونس علیہ السلام

الله تعالیٰ نے سورہ یونس میں ارشاد فرمایا:

”تو کوئی بستی ایسی کیوں نہ ہوئی کہ ایمان لاتی تو اس کا ایمان اسے نفع دیتا، ہاں یونس کی قوم کہ جب ایمان لاتی تو ہم نے دنیا کی زندگی میں ان سے ذلت کا عذاب دور کر دیا اور ایک مدت تک (فواائد دنیاوی سے) ان کو بہرہ مندہ رکھا،“ (۹۸:۱۰)

پھر سورہ انبیاء میں ارشاد ہوا:

”اور ذوالنون (کو یاد کرو) جب وہ اپنی قوم سے ناراض ہو کر غصے کی حالت میں چل دیئے اور خیال کیا کہ ہم ان پر قابو نہیں پاسکیں گے آخر اندھیرے میں (خدا کو) پکارنے لگے کہ تیرے سوا کوئی معبووثیں تو پاک ہے (اور) بے شک میں قصور و ارہوں، تو ہم نے ان کی دعا قبول کر لی اور ان کو غم سے نجات بخشی۔ اور ایمان والوں کو ہم اس طرح نجات دیا کرتے ہیں،“ (۸۷:۲۱ - ۸۶:۲۱)

سورہ والصافات میں ارشاد ہوا:

”اور یونس بھی پیغمبروں میں سے تھے جب بھاگ کر بھری ہوئی کشتی میں پہنچے۔ اس وقت قرعداً الاتوانہوں نے زمک اٹھائی۔ پھر مجھلی نے ان کو نگل لیا اور وہ (قابل) ملامت (کام) کرنے والے تھے۔ پھر اگر وہ (خدا کی) پا کی بیان نہ کرتے تو اس روز تک کہ لوگ دوبارہ زندہ کیے جائیں گے (اسی کے پیش میں رہتے) پھر ہم نے ان کو جب کہ وہ بیمار تھے فراخ میدان میں ڈال دیا۔ اور ان پر کدو کا درخت لگایا۔ اور ان کو لاکھ یا اس سے زیادہ (لوگوں) کی طرف (پیغمبر بنا کر) بھیجا۔ تو وہ ایمان لے آئے سو ہم بھی ان کو (دنیا میں) ایک وقت (مقرر) تک فائدے دیتے رہے،“ (۱۳۹:۳۷ - ۱۳۸:۳۷)

پھر سورہ نون (قلم) میں ارشاد ہوا:

”تو اپنے پروردگار کے حکم کے انتظار میں صبر کیے رہا اور مجھلی (کا لقب ہونے) والے (یونس) کی طرح نہ ہونا کہ انہوں نے (خدا کو) پکارا اور (غم و غصے میں) بھرے ہوئے تھے، اگر تمہارے پروردگار کی مہربانی ان کی یا اور زندگی تو وہ چیل میدان میں ڈال دیئے جاتے اور ان کا حال ابتر ہو جاتا۔ پھر پروردگار نے ان کو برگزیدہ کر کے نیکوکاروں میں شامل کر لیا،“ (۵۰:۲۸ - ۵۱:۲۸)

اہل تفسیر بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت یونس علیہ السلام کو سر زمین موصل میں اہل نیوا کی طرف پیغمبر بنا کر بھیجا تھا لیکن وہ

اپنے کفر و سرکشی پر ڈٹے رہے۔ لبستہ جب ان کے ان اعمال تنبیہ کو مدت گزر گئی تو (آخر کار) ان پر عیب سے عذاب نازل کیا گیا۔ یوسف نے بھی انہیں تین سال بعد نازل عذاب کے بارے میں تنبیہاً اطلاع دی تھی۔

ابن مسعودؓ مجاهدؓ سعید بن جبیرؓ قتادہ اور ان کے علاوہ بہت سے دوسرے اسلاف و اخلاف نے بیان کیا ہے کہ جب ان لوگوں کو غیب کے عذاب نے آگھیرا اور انہیں اس کا یقین ہو گیا تو وہ تو بہ تلاکرنے لگے اور جو سلوک انہوں نے اپنے نبی کے ساتھ کیا تھا اس پر نارادم ہوئے اور اللہ تعالیٰ کے نام پر اپنے تمام موسیوں کی قربانی دے ڈالی اور ان کے مردوں سب خدا کے حضوروں نے گزگز آنے لگے تو اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے ان پر سے وہ عذاب دور فرمادیا اور ارشاد فرمایا:

﴿فَلَوْلَا كَانَتْ قَرِيْبَةً آمَّتْ فَفَعَلَهَا إِيمَانُهَا﴾

پھر ایک جگہ ارشاد فرمایا:

﴿وَمَا أَرْسَلْنَا فِي قَرِيْبَةٍ مِنْ نِبِيًّا إِلَّا قَالَ مُتَرَفُوهَا إِنَّا بِمَا أَرْسَلْنَاكُمْ بِهِ كَافِرُونَ﴾

پھر ارشاد ہوا:

﴿إِلَّا قَوْمٌ يُؤْنَسُ لَمَّا آمَنُوا كَشَفْنَا عَنْهُمْ عَذَابَ الْجَنَّى فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَمَعْنَاهُمْ إِلَى جَنَّى﴾

یعنی جب قوم یوسف ایمان لے آئی تو اللہ تعالیٰ نے ان سے ذلت کا وہ عذاب دور فرمادیا ان کی دنیاوی زندگی میں پھر مال و منال عطا فرمادیا۔

بہر کیف اس کے بارے میں اہل تقاضیر میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ اس آیہ کریمہ میں اس قوم پر اس کے ایمان لانے پر جو اسے نعمتیں عطا فرمائیں اور اس سے انعام مزید کا وعدہ فرمایا تو اس میں انعام اخروی شامل ہے یا نہیں۔ تاہم ہمارے نزدیک اس آیت قرآنی میں ”لما آمنوا“ کے بعد متاع الی جیسے سے مراد دنیا میں انہیں انعام و اکرام سے سرفرازی کے علاوہ عذاب اخروی سے بھی ان کی نجات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ واللہ اعلم
اہل تقاضیر میں اس بارے میں بھی باہم اختلاف پایا جاتا ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام مجھل کے پیٹ میں کتنے دی تک رہے تھے۔

سعید بن ابو الحسن اور ابو مالک نے اس سلسلے میں چالیس دن کی تعداد متعین کی ہے لیکن واللہ اعلم کہ وہ مجھل کے پیٹ میں پورے چالیس دن رہے یا اس سے کچھ کم و بیش عرصے تک رہے بہر کیف اس بات پر سب متفق ہیں کہ حضرت یوسف علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے اپنے غم و غصہ کی معافی طلب کرتے ہوئے یہ قرآنی آیت:

﴿لَا إِلَهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنَّى كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾

بار بار پڑھ کر اس سے دعا کی تھی۔

ابو خالد نے کہا ہے کہ غالباً انہوں نے مصعب یعنی ابن سعد سے سعد کے حوالے سے سنا کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ”جس نے یوسف کی طرح دعا کی اس کی دعا (ضرور) قبول ہوئی۔“

یوس ﷺ کے فضائل:

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے یوس کی تصدیق یوں فرمائی: ﴿وَإِنْ يُؤْنِسَ لِمَنَ الْمُرْسَلِينَ﴾ اور اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء اور سورہ انعام میں جن دوسرے انبیاء ﷺ کا ذکر فرماتے ہوئے ان پر اپنے انعام کا ذکر فرمایا ہے ان میں حضرت یوس ﷺ بھی شامل ہیں۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ ان سے وکیع اور سفیان نے اعش، ابی واکل اور عبد اللہ کے حوالے سے بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ”کسی بندے کے لیے یہ مناسب نہیں ہے (یعنی اس کا یہ منصب نہیں ہے) کہ وہ اپنے آپ کو یوس بن متی (علیہ السلام) سے بہتر بتائے۔“

یہ روایت حدیث بخاریؓ نے بھی سفیان ثوری کے حوالے سے بیان کی ہے۔ اس کے علاوہ دیگر متعدد ثقہ راویوں سے یہ حدیث نبوی مردی ہے۔

بخاریؓ نے اپنے ہاں یہ بھی کہا ہے کہ ”میں نہیں کہتا کہ کوئی فرد واحد یوس بن متی سے بہتر ہے۔“ جس کا مطلب یہ ہے کہ وہ کسی شخص کے لیے یہ بات اچھی نہیں سمجھتے تھے کہ وہ اپنی ذات کو یوس بن متی (علیہ السلام) سے بہتر قرار دے۔ تاہم حرف آخر اس سلسلے میں مندرجہ بالا حدیث نبوی (علیہ السلام) ہی ہے۔ اس کے علاوہ آنحضرت ﷺ نے بعض احادیث نبوی کے مطابق انبیاء پر اپنی ذات کو فضیلت دینے سے منع فرمایا ہے تاہم یہ تمام احادیث نبوی آپ کی مکسر المزاجی اور اخلاق حسنہ کی مبنی دلیل ہیں۔



قصہ موسیٰ کلیم اللہ علیہ السلام

موسیٰ علیہ السلام کا پورا نام موسیٰ بن عمران بن قابث بن عارز بن لاوی بن یعقوب بن اسحق بن ابراہیم (علیہم السلام) ہے۔ ان کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی کئی سورتوں میں کہیں تفصیل سے اور کہیں مختصر ارشاد فرمایا ہے۔ ہم ان کا قصہ قرآن و سنت اور ان کے بارے میں اسرائیل اور موسیٰ کے حوالے اور دیگر اسلاف و اخلاف کے بیانات کے حوالوں سے آگے چل کر ان شاء اللہ تعالیٰ تفصیل سے بیان کریں گے۔

اللہ تعالیٰ نے سورہ قصص میں ارشاد فرمایا: ﴿بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ طَسْمٌ﴾ یہ کتاب روشن کی آیتیں ہیں (اے محمد) ہم تمہیں موسیٰ اور فرعون کے کچھ حالات مومن لوگوں کو سنانے کے لیے صحیح صحیح سناتے ہیں کہ فرعون نے ملک میں سراخہار کھا تھا اور وہاں کے لوگوں کو گروہ گروہ بنا رکھا تھا ان میں سے ایک گروہ کو (یہاں تک) کمزور کر دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دالتا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا ہے شک و مفسدوں میں تھا۔ اور ہم چاہتے تھے کہ جو لوگ ملک میں کمزور کر دیے گئے ہیں ان پر احسان کریں اور ان کو پیشوں بنا کیں اور انہیں (ملک کا) وارث کریں۔ اور ملک میں ان کو قدرت دیں اور فرعون اور ہامان اور ان کے لشکر کو وہ چیز دکھادیں جس سے وہ ڈرتے تھے۔ (۲۸: ۲۱)

اللہ تعالیٰ نے قصہ موسیٰ علیہ السلام کا یہ ملخص بیان فرمانے کے بعد اسے تفصیل بیان فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا کہ اس نے اپنے نبی (محمد) کو فرعون و موسیٰ کا قصہ (تفصیل سے) اس لیے سنایا ہے تاکہ دوسرے سننے والوں کو اس سے فائدہ پہنچے۔ جن لوگوں کے بارے میں ارشاد ہوا کہ ”اس نے انہیں اس حد تک کمزور کر دیا تھا کہ ان کے بیٹوں کو ذبح کر دالتا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رہنے دیتا“۔ وہ بنی اسرائیل یعنی اللہ کے نبی یعنی یعقوب بن اسحق بن ابراہیم خلیل اللہ (علیہم السلام) کے سلسلہ نسب سے تعلق رکھتے تھے اور اس زمانے میں دنیا کے ممتاز ترین لوگوں میں شمار ہوتے تھے لیکن فرعون نے انہیں ملک کے ادنیٰ ترین لوگ بنانے کی کوشش میں ان کے بیٹوں کو قتل کرنا اور ان کی لڑکیوں کو زندہ رکھنا شروع کر دیا کیونکہ وہ جانتا تھا کہ بنی اسرائیل کا تعلق حضرت ابراہیم علیہ السلام کے سلسلہ نسب سے ہے اور اسے خدشہ تھا کہ ان میں سے کوئی نہ کوئی اٹھ کر اسے ہلاک کر کے اس کے ملک و اقتدار کو اس سے چھین لے گا اور خدا بہتر جانتا ہے کہ اس نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کی زوجہ محترمہ کو اس سے قبل مصر سے شاید اسی وجہ سے نکالا ہو۔ بہر کیف اللہ تعالیٰ نے ان کی آبرو کی حفاظت فرمائی تھی۔ اس کے علاوہ خود بنی اسرائیل میں یہ بشارت خداوندی مشور چلی آرہی تھی کہ انہی میں سے کوئی فرعون کا تختہ اٹلے گا اور یہی بات فرعون کے امراء اور اس کے قرابتداروں نے اس کے دل میں بخادی تھی جس کی وجہ سے اس نے بنی اسرائیل کے مردوں اور بچوں کو قتل کرنا شروع کر دیا تھا۔

السدی نے ابی صالح، ابی مالک، ابی عباس، مره، ابی مسعود اور صحابہؓ نبی ﷺ میں سے کئی لوگوں کے حوالے سے بیان کیا ہے

کہ فرعون نے خواب میں بیت المقدس کی طرف سے آگ آتے دیکھی تھی جس نے قبط سمیت سارے مصر کو جلا کر جسم لڑا لاتھا لیکن اس آگ سے محفوظ رہنے والے اگر کوئی تھے تو وہ بنی اسرائیل تھے۔

اس خواب کو دیکھنے کے بعد اس نے اپنے کابینوں، نجومیوں اور جادوگروں کو طلب کر کے ان سے اس بلاعظیم سے محفوظ رہنے کی کوئی تدبیر جاننا چاہی تھی تو انہوں نے کہا تھا کہ بنی اسرائیل ہی میں ایک بچہ پیدا ہوا جو اس کے ملک اور تخت و تاج کو ہنس نہیں کر دے گا۔ اس کے بعد ہی فرعون نے بنی اسرائیل کی ساری اولاد زینہ اور نومولود لڑکوں کو قتل کرانا شروع کر دیا تھا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن میں یہ قصہ بیان فرمانے کے بعد فرمایا کہ اس لیے اس نے چاہا وہ کمزوروں کو زبردستوں کے ظلم و تم سے نجات دلا کر انہی کو ان پر غالب کر دے اور ان ستم گروں اور ظالموں کے جنت نما باغ و عمارات اور خزانے وغیرہ ان سے چھین کر کے سب بنی اسرائیل کے قبضے میں دے دے۔

ہم ان واقعات کو آگے چل کر ان شاء اللہ حسب موقع تفصیل سے بیان کریں گے۔ بہر کیف جیسا کہ کچھ اہل تفسیر وغیرہ نے بیان کیا ہے، جب کچھ اہل قبط نے دیکھا کہ بنی اسرائیل کی تعداد مصر میں کم سے کم تر ہوتی چلی جا رہی ہے تو انہیں شک گزرا کہ فرعون ان کے لڑکوں اور بچوں کو قتل کر رہا ہے۔ چنانچہ انہوں نے مخفی طور پر بنی اسرائیل کو مشورہ دیا کہ آئندہ ان کے ہاں جب کوئی لڑکا پیدا ہو تو اس کو تابوت نہ کسی نو کری میں لٹا کر دریائے نیل میں ڈال دیا کریں لیکن اس کے ساتھ ایک لمبی رسی باندھ دیا کریں تاکہ وہ (قطبی) اس رسی کو پکڑ کر کھینچتے ہوئے اپنی طرف لے جایا کریں اور ان کے بچوں کی حفاظت کیا کریں۔ اس طرح ان کے نومولود لڑکے فرعون کے ہاتھوں قتل سے بچ جایا کریں گے اور فرعون کو شہر بھی نہیں گزرے گا۔ چنانچہ بنی اسرائیل نے شکریے کے ساتھ ان اہل قبط کے اس مشورے پر عمل کرنے کا ارادہ کر لیا اور اسی زمانے میں بنی اسرائیل میں موسیٰ و ہارون علیہما السلام پیدا ہوئے اور ان کی پیدائش کا خدا کی قدرت سے فرعون کو علم نہ ہوا کہ اہل قبط انہیں مذکورہ تدبیر سے اپنے ہاں لے گئے۔

ادھر چونکہ فرعون کے خود کوئی اولاد زینہ نہیں تھی اس لیے اللہ تعالیٰ نے اس کی بیوی کو القاف فرمایا کہ وہ فرعون سے کہہ کہ بنی اسرائیل کے علاوہ کہیں اور سے کوئی نومولود لڑکا حاصل کر کے اسے لادے تاکہ وہ اولاد کی محرومی سے نجات پا سکے۔ چنانچہ فرعون جب اس بات پر رضامند ہو گیا کہ اس کی بیوی اہل قبط کے کسی بچے کو گود لے سکتی ہے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے جو اس زمانے میں فرعون کی بیوی کی خدمت پر مأمور تھیں اس سے کہا کہ وہ قبطیوں میں سے کوئی نومولود بچہ اسے لا کر دے سکتی ہیں یا خود فرعون کی بیوی نے ان سے اس بات کی خواہش کی اور اس طرح حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل ہی میں آغوش مادر میں پہنچ گئے کیونکہ اس کی بیوی نے اس گود لیے ہوئے نومولود بچے کو دودھ پلانے کا کام بھی انہی کے سپرد کر دیا تھا۔

کہا جاتا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے انہیں مذکورہ طریقے سے دریائے نیل میں ڈالا تھا تو ان کی تابوت نما نوکری دریائے نیل میں قدرت خداوندی سے اس طرف پلٹ آئی جہاں سے دریائے نیل سے نکالی گئی ایک نہر فرعون کے محل میں آتی تھی اور وہ اس نہر میں بہتی ہوئی فرعون کے محل میں پہنچی جس پر سب سے پہلے فرعون کی بیوی ہی کی نظر پڑی اور جب اس نے اسے کھوں کر دیکھا تو اس میں ایک جیتا جا گتا بچہ نظر آیا جسے دیکھ کر وہ نہیں ہو گئی اور اسے اپنے معبدوں کی عطا سمجھا اور فرعون سے

اس کی پروش کی اجازت طلب کی۔

فرعون نے سینکڑوں شبہات ظاہر کر کے اپنی بیوی کو ہر چند منع کیا لیکن وہ اپنی ضد پر قائم رہی اس لیے فرعون کو چاروں ناچار اس کے سامنے پر انداز ہونا پڑا نیز یہ کہ اس بات پر بھی کچھ زیادہ اعتراض نہ ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہی جنہیں وہ اپنی بیوی کی پیش خدمت ہی سمجھتا تھا انہیں دودھ پلائیں یعنی ان کی قبلہ مقرر کی جائیں۔

ادھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ ہر وقت اس اندیشے میں گھری رہتی تھیں کہ کہیں ان کا راز فاش نہ ہو جائے اس لیے اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کے ذریعہ اطمینان دلایا اور انہیں بتایا کہ ان کے بیٹے کو اس نے نبوت سے سرفراز فرمائے کا ارادہ کر لیا ہے۔ چنانچہ وہ اپنے ہی بچے کو بطور قابلہ دودھ پلانے لگیں۔ یہ ان پر اللہ تعالیٰ کا بڑا احسان تھا۔
کچھ دوسروں کے علاوہ یہ روایت ابن الحسن الشیری کی ہے۔

سہیلی نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی والدہ کا نام ایا رخ بتایا ہے جب کہ کچھ دوسرا راوی ان کا نام ایا ذخت بتاتے ہیں اور فرعون کی بیوی کا پورا نام آسیدہ بنت مزاحم بن عبد بن ریان بن ولید بتاتے ہیں جو حضرت یوسف علیہ السلام کے زمانے میں مصر تھا۔ یہ بھی بتایا جاتا ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے تھی بلکہ کچھ لوگ توابے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پھوپھی تک بتاتے ہیں یہ حکایت سہیلی کی بیان کردہ ہے۔ واللہ اعلم

فرعون کی بیوی آسیدہ کا مزید قصہ ہم ان شاء اللہ آگے چل کر حضرت مریم بنت عمران والدہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے قصے کے ساتھ بیان کریں گے۔ دیے وہ دونوں معتبر روایات کے مطابق جنت میں آنحضرت ﷺ کی ازواج مطہرات کے ساتھ ہوں گی۔

کئی دیگر آیات قرآنی سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ جب موسیٰ علیہ السلام کی والدہ نے انہیں دریا میں ڈالا تھا اور وہ اس لیے خوفزدہ تھیں کہ کہیں وہ کسی دشمن کے ہاتھ نہ پڑ جائیں تو اللہ تعالیٰ نے انہیں تب ہی وحی کے ذریعہ ان کی سلامتی کی اطلاع دی تاکہ وہ رنجیدہ نہ ہوں نیز ان کی رسالت کی خبر بھی دیے دی تھی اور پھر انہیں ان کی آغوش میں پہنچا دیا تھا تا کہ ان کے دل کو قرار آجائے اور وہ مایوس نہ ہوں۔ یہ آیات حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت کی بشارت پر دلالت کرتی ہیں۔ ہم ان شاء اللہ آگے چل کر اس سلسلے میں حسب موقع حدیثِ فون بمی پیش کریں گے۔

بہر کیف حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون کے محل میں پل بڑھ کر جوان ہوئے تو ان کی شکل و صورت اور وجہت قابل دید تھی اور تمام اہل مصر ان کی عزت و حرمت کرتے تھے۔ بنی اسرائیل کو معلوم تھا کہ وہ انہیں میں سے ہیں۔ اس لیے ان کا بہت احترام کرتے تھے۔ اور انہیں حد سے زیادہ عزیز رکھتے تھے۔ دوسرا لوگ اس وجہ سے ان کی عزت کرتے تھے کہ وہ فرعون کے متنبھی تھے اور ان بتایا گیا ہے۔

❶ تفسیر قرطبی میں ان کا نام شعبی کے حوالے سے لوخابت حائزہ بن لاڈا بن یعقوب بتایا گیا ہے جب کہ بعض تفاسیر میں یوحائزہ (عربی تلفظ یوحائزہ) بتایا گیا ہے۔

کے تصریح میں مقین تھے۔

پھر ایک دن ایسا قرآن و احادیث اور مورخین کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام اسی زمانے میں کہیں تشریف لیے جا رہے تھے تو انہوں نے دو آدمیوں کو آپس میں لڑتے دیکھا۔ ان میں سے ایک قبطی اور دوسرا بنی اسرائیل میں سے تھا۔ انہوں نے انہیں سمجھا نے اور لڑائی سے باز آنے کے لیے کہا لیکن وہ نہ مانے بلکہ اور تیزی سے لڑنے لگے۔ چونکہ وہ شخص جس کا تعلق بنی اسرائیل سے تھا کمزور پڑ رہا تھا اور بقطی اس پر حادیٰ آئے والا تھا اس لیے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس قبطی کے ایک کمہ مار کر اسے دوسرے کمزور شخص سے الگ ہٹانا چاہا لیکن جیسا کہ روایات سے ظاہر ہوتا ہے، ان کا کمہ کچھ ایسا سخت تھا کہ وہ شخص یعنی وہ قبطی اس وقت زمین پر گر کر مر گیا۔

چونکہ اس واقعے کے بارے میں سارے شہر میں شور بیج گیا اور شرددہ شدہ اس کی خبر فرعون کو بھی ہو گئی بلکہ تمام قبطی اس کے پاس فریاد لے کر پہنچنے لگے اور ان کے ساتھ دوسرے کفار بھی ہو گئے بلکہ فرعون کے اہل دربار بھی ان کی ہاں میں ہاں ملا کر کہنے لگے کہ انہوں نے پہلے ہی فرعون کو آگاہ کر دیا تھا کہ یہ لڑکا بڑا ہو کر مصر کی تباہی کا باعث ہو گا جس کی تصدیق بڑے بڑے کاہنوں، نجومیوں اور جادوگروں نے بھی کی۔ لیکن اس نے ان کا کہنا نہ مان کر سخت غلطی کی تھی اور اسے قتل نہ کیا تھا اسی لیے اب یہ حادثہ پیش آیا ہے اور ابھی کیا ہے آگے چل کر یہ نوجوان نہ جانے کیا غصب ڈھائے گا۔ اس لیے فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تلاش کے لیے ادھر ادھر لوگ دوڑا دیئے۔

ادھر جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، حضرت موسیٰ علیہ السلام فرعون جیسے ظالم کے خوف سے جو پہلے ہی ان سے خوش نہ تھا اپنی جان بچانے کے لیے اللہ تعالیٰ سے اپنی اس بلا ارادہ خط پر معافی چاہئے اور اس سے دعا کرنے لگے تو اس نے انہیں تسلی دی جس کے بعد وہ مصر سے جدھر منہ اٹھا چل دیئے اور چلتے چلتے مدین جا پہنچے وہاں انہوں نے لوگوں کو ایک کوئی سے پانی نکالتے دیکھا لیکن دوڑ کیاں ان سے الگ ایک طرف ملوں کھڑی تھیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان لڑکیوں سے اس کا سبب پوچھا تو وہ بولیں کہ ان کا باپ ضعیف ہے اس لیے کنویں تک آئیں سکتا اور لوگ انہیں پانی بھرنے نہیں دیتے۔

ان لڑکیوں سے یہ سن کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے لیے کنویں سے پانی نکالنا چاہا تو دوسرے لوگ ان سے لڑنے جھگٹنے لگے۔ یہ دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے قریب سے ایک پتھر اٹھا کر جسے جیسا کہ کہا جاتا ہے، دس افراد بھی مل کر مشکل سے اٹھا سکتے تھے کنویں کے منہ پر رکھ دیا۔ یہ دیکھ کر وہ لوگ بہت جیران ہوئے اور انہیں ان لڑکیوں کے لیے کنویں سے پانی نکالنے کی اجازت دے دی۔ چنانچہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے وہ پتھر کنویں سے اٹھا کر ان دونوں لڑکیوں سے کہا کہ وہ پانی کنویں سے نکال لیں بلکہ خود ان کی ضرورت کے مطابق کنویں سے پانی نکال کر انہیں دے دیا اور خود ایک سایہ دار درخت کے نیچے جا بیٹھے۔

چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر سے مدین تک آتے آتے صرف کھیتوں سے چلیاں لے کر یاد رختوں کے چتوں پر گزارہ

کرتے آئے تھے اس لیے حد درجہ ٹھوٹھاں اور کمزور ہو گئے تھے اس لیے اس دخت کے نیچے لیٹ گئے۔

ادھر مذکورہ بالا لڑکوں نے اپنے ضعیف باب کو سارا ذکر سنایا کہ جس نوجوان نے انہیں کوئی سے پانی نکال کر دیا ہے کیوں نہ اسے پانی لانے اور ان کے بھیر بکریوں کے لگائے کوچرانے پر نوکر رکھ لیا جائے کیونکہ ان کا کوئی بھائی نہ ہونے کی وجہ سے انہیں یہ وقت پیش آ رہی تھی۔

باب سے اس گفتگو کے بعد اور اسے اس پر رضا مند دیکھ کر وہ لڑکیاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئیں اور انہیں بلا کر اپنے باب کے پاس لے گئیں۔ اس نے ان سے اپنے مذکورہ کام کی ماہانہ اجرت پوچھی لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام سوچ میں پڑ گئے تو اس بزرگ نے خود ہی ان سے کہا کہ اگر وہ چاہیں تو وہ ان سے ان دونوں لڑکوں میں سے ایک کی شادی کر دے گا جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام راضی ہو گئے۔

بعض تاریخی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس کی ایک لڑکی سے شادی کر کے اس مرد بزرگ کی دس سال تک جیسا کہ معابده ہوا تھا، طے شدہ خدمت انجام دی۔ بعض دوسری روایات میں اس مدت کو بیس سال بتایا گیا ہے۔

روایات میں اس بارے میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس بزرگ کی کس لڑکی سے شادی کی تھی۔ بعض روایات میں اسے ”بڑی لڑکی“ اور وفادار و خدمت گزار بتایا ہے جب کہ کچھ دوسرے راوی اسے چھوٹی لڑکی بتاتے ہیں بلکہ اسے سب سے چھوٹی لڑکی بتا کر یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ پیر مرد کی سات لڑکیاں تھیں لیکن یہ روایات اس لیے محل نظر ہیں کہ اگر وہ سب سات بہنیں تھیں تو ان دونوں لڑکوں کے علاوہ جوان کی پانچ بہنیں اور تھیں تو وہ ان کے ساتھ پانی بھرنے کیوں نہیں آئی تھیں۔

بعض روایات میں بتایا گیا ہے کہ ان لڑکوں کے باپ درحقیقت حضرت یعقوب علیہ السلام تھے جنہوں نے بہت طویل عمر پائی تھی جب کہ کچھ دوسری روایات میں اس مرد بزرگ کو حضرت یعقوب علیہ السلام کا بھتیجا اور کچھ میں انہیں ان کا پھوپھی زاد بھائی بتایا گیا ہے۔

بہر کیف، جیسا کہ قرآن پاک کی مختلف سورتوں کی آیات شریفہ احادیث نبوی اور متعدد مسنند روایات سے معلوم ہوتا ہے، جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جب اس مرد بزرگ یعنی اپنے خسر سے بیس سال بعد رخصت ہونے لگے تو اس نے انہیں حضرت یعقوب علیہ السلام کے ماموں اور ان کے خر لاباں کی طرح تو انہوں نے بھی ان کی خدمات، یعنی اور خوش اخلاقی سے خوش ہو کر انہیں اپنی بھیر بکریوں کے لگائے معتقد بہ حصہ دے دیا تھا اور وہ مدین سے جب مصر وابسی کے ارادے سے اس طرف چلے تو ان کی عمر چالیس سال ہو چکی تھی اور جب وہ مصر کے قریب پہنچے تو رات کا وقت تھا، سردی حد درجہ پر رہی تھی اور رات بھی اندر ہیری تھی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے مصر سے باہر پڑا اور اتو انہیں آگ کی ضرورت ہوئی۔ انہوں نے دیکھا کہ اس ویران علاقے کے

مغربی جانب اور قبلہ رخ حصے میں جسے قرآن میں اللہ تعالیٰ نے "طوئی" کے نام سے یاد فرمایا ہے ایک پہاڑی پر جسے طور کہا جاتا ہے آگ روشن ہے انہیں یہ دیکھ کر سخت حیرت ہوئی کیونکہ وہاں آبادی کا دور دور تک نام و نشان نہ تھا۔ تاہم وہ اللہ کا نام و نشان نہ تھا۔ تاہم وہ اللہ تعالیٰ کا نام لے کر اس طرف چل دیئے تو انہوں نے دیکھا کہ اس پہاڑی کے جس حصے پر انہیں آگ نظر آئی تھی وہاں ایک سر بزر جھاڑی ہے جو روشنی سے منور ہو رہی ہے۔

ابھی حضرت موسیٰ علیہ السلام یہ دیکھ کر اپنی حیرت پر قابو نہ پاسکے تھے کہ اس جھاڑی سے جو بقنوں رہی ہوئی تھی آواز آئی:

﴿يَا مُوسَى إِنِّي أَنَا اللَّهُ رَبُّ الْعَالَمِينَ﴾ (سورہ نمل)

اس کے علاوہ جیسا کہ سورہ طہ میں ہے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اس کے بعد یہ آواز سنائی دی:

﴿يَا مُوسَى إِنِّي أَنَا رَبُّكَ فَاعْلَمُ بِمَا تَسْعَى فَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبِعْ هَوَاهُ فَتَرَدَّى لِمَا يُؤْخِذِي إِنِّي أَنَا اللَّهُ لَا إِلَهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدْنِي وَأَقِمِ الصَّلَاةَ لِذِكْرِي إِنَّ السَّاعَةَ آتِيهَ أَكَادُ أَخْفِيَهَا لِتُعْجِزَنِي كُلُّ نَفْسٍ بِمَا تَسْعَى فَلَا يَصُدُّنَّكَ عَنْهَا مَنْ لَا يُؤْمِنُ بِهَا وَاتَّبَعَ هَوَاهُ فَتَرَدَّى﴾

"موسیٰ میں تو تمہارا پروگار ہوں تو اپنی جوتیاں اتار دو۔ تم (یہاں) پاک میدان (یعنی) طوئی میں ہو۔ اور میں نے تم کو انتخاب کر لیا ہے تو جو حکم دیا جائے اسے سنو۔ بے شک میں ہی خدا ہوں۔ میرے سوا کوئی معبد نہیں۔ تو میری عبادت کرو اور میری یاد کے لیے نماز پڑھا کرو۔ قیامت یقیناً آنے والی ہے۔ میں چاہتا ہوں کہ اس (کے وقت) کو پوشیدہ رکھوں تاکہ ہر شخص جو کوشش کرے اس کا بدلہ پائے۔ تو جو شخص اس پر ایمان نہیں رکھتا اور اپنی خواہش کے پیچے چلتا ہے (کہیں) تم کو اس (کے یقین) سے روک نہ دے تو (اس صورت میں) تم ہلاک ہو جاؤ۔" (۱۹-۲۰)

متفقہ میں و متاخرین مفسرین میں سے اکثر نے بیان کیا ہے کہ جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اس آگ کی طرف جانے کا ارادہ کیا تو اس کے قریب پہنچ کر کیا دیکھتے ہیں کہ وہ آگ ایک سر بزر درخت کے نیچے جل رہی ہے جس سے وہ سارا درخت بقنوں بنا ہوا ہے۔ یہ دیکھ کر وہ حیرت سے وہی ٹھنک گئے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں آواز دے کر فرمایا کہ وہ وادیٰ وادیٰ مقدس طوئی ہے۔ اس وقت حضرت موسیٰ علیہ السلام قبلہ رخ کھڑے تھے اور وہ درخت ان کی دامنی جانب سے مغرب میں تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے جوتیاں اتارنے کا جو حکم دیا تھا وہ اس بخوبی مبارکہ اور اس میں نور کی تعظیم و تکریم کے لیے تھا کہ اس جیسی آگ اس اندر ہیری رات میں کہیں دور دور تک نہ تھی۔

اہل کتاب کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام نے جو آگ دیکھی تھی وہ اتنی خیرہ کن تھی کہ انہوں نے اپنا چہرہ ایک طرف کر کے اپنی آنکھوں پر اس لیے با تھر کھل لیے تھے کہ کہیں ان کی بصارت زائل نہ ہو جائے۔

اس کے بعد بتایا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اپنی احادیث و معبودیت کا اظہار فرمایا کہ انہیں اپنی عبادت اور ذکر کی تاکید فرمائی تھی نیز یہ فرمایا کہ قیامت ضرور آئے گی جس کے لیے بنی آدم کو تیار رہنا چاہیے اور اپنے اعمال حکم الہی کے مطابق رکھنے پا ہیں تاکہ انہیں ان کے مطابق ان کی جزا ملے۔

ان بیانات سے صاف ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اس شب کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو پیغمبری کے لیے منتخب کرنے کے انہیں اس عبده جلیل سے سرفراز فرمادیا تھا۔

بہر کیف جب حضرت موسیٰ علیہ السلام مصر پہنچنے تو ان کی آمد کی خبر سن کر بنی اسرائیل جو قبیلہ رجوع ان کے استقبال کے لیے اپنے اپنے گھروں سے باہر نکل آئے اور انہیں بڑے ترک و احتشام سے لے گئے۔

ادھر جب فرعون کو یہ اطلاع ہوئی تو وہ خفت بیج و تاب میں بنتا ہو گیا لیکن چونکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے قتل کا حکم دے کر اسے کسی بڑے انقلاب کا اندیشہ تھا اس لیے اس نے ان سے نجات حاصل کرنے کا دوسرا طریقہ اختیار کیا۔

پہلے تو اس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نمرود کی طرح اپنے دربار میں بلا کرحتی الامکان انہیں بھی اضمام و خوم پرستی پر مائل کرنے کی کوشش کی لیکن جب انہوں نے اسے خداۓ واحد علیم و حکیم و خبیر کی پرستش کی ہدایت کرتے ہوئے اسے بتایا کہ معبدِ حقیقی صرف وہ خدائے واحد ہے جس نے زمین و آسمان، چاند، ستارے اور ساری مخلوق کو پیدا کیا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے یہ ارشادات سن کر فرعون آگ بگولہ ہو گیا اور اس نے مصر کے ان تمام جادوگروں کو جن کی ساحرانہ صلاحیتوں کا اس زمانے میں بڑا شہر تھا بلا کر حکم دیا کہ وہ اس کے زور سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ہلاک کر دیں۔

ان جادوگروں کی تعداد کے بارے میں راویوں میں اختلافات ہیں۔ کسی نے ان کی تعداد اسی ہزار، کسی نے ستر ہزار، کسی نے چالیس ہزار یا تیس ہزار اور کسی نے صرف چند سو بلکہ اس سے بھی کم بتائی ہے۔

بہر کیف جب وہ جادوگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابل جمع ہوئے تو انہوں نے پہلے اپنے جادو سے سانپ بنا کر ان کے سامنے چھوڑے لیکن جیسا کہ آیہ قرآنی سے ثابت ہے اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنا عصا ان سانپوں کے سامنے ڈال دیں اور جب انہوں نے اپنے پروردگار کے حکم کی تعمیل کرتے ہوئے جادوگروں کے تختیق کردہ سانپوں کے سامنے اسے زمین پر ڈالا تو وہ اللہ تعالیٰ کی قدرت سے ایک خوف ناک اثر دھا بین گیا اور پھر وہ ہر طرف مژمڑ کر ان جادوگروں کے سانپوں کو نگل گیا۔

غرض اسی طرح ان جادوگروں نے اپنے جادو کے طرح طرح سے کرشمے دکھائے لیکن اللہ تعالیٰ کی قدرت سے اس کے بندے اور رسول برحق کے سامنے ان کی ایک نہ چلی اور وہ بے بس ہو کر رہ گئے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنا عصا زمین سے اٹھاتے ہوئے ڈر لگا کیونکہ وہ ایک حد درجہ وہشت ناک اثر دھے کی شکل میں ہر طرف پھنس کر رہا تھا لیکن جب اللہ تعالیٰ کے حکم سے اسے دوبارہ زمین سے اٹھا کر ہاتھ میں لیا تو وہ پہلے ہی جیسا پھر عصا بن گیا۔

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا کہ وہ اپنا داہنا ہاتھ جیب میں ڈال کر باہر نکالیں اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی تعمیل میں اپنا ہاتھ جیب میں ڈال کر باہر نکالا تو ان کے اس ہاتھ کی تھیلی چودھویں کے چاند کی طرح روشن تھی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو یہ مجرہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے عطا ہوا تھا جو ”ید بیضا“ کے نام

سے آج تک مشہور ہے۔ وہ جب چاہے اپنا ہاتھ جیب میں ڈالتے اور پھر اسے باہر نکلتے تو ان کی تھیں بیش چاندی طرح روشن ہوتی تھی۔

فرعون نے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ان مجذرات کو بہت بڑا جادو ٹھہرایا تھا، لیکن جیسا کہ خود قرآنی آیات سے ثابت ہے اس کے تمام جادوگر ان پر اپنے ہر جادو کو نا کام پائے اور اپنی جان کے خوف سے سب کے سب بیک وقت سجدے میں کر لر پکارنے لگئے تھے کہ ہم ”موسیٰ علیہ السلام“ اور اس کے خدا پر ایمان لے آئے ہیں۔

فرعون نے اپنے جادوگروں کو ہر چند ملامت کی اور ڈرایا دھمکایا بھی لیکن اس کے بعد وہ اس کی کسی بات پر عمل کرنے اور اس کے کسی حکم کی تعمیل کے لیے تیار نہ ہوئے بلکہ اس کے پچھے امراء و وزراء بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے غائب ہو گئے۔

اس سے قبل جب اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو فرعون کے پاس جانے کا حکم دیا اور فرمایا تھا کہ وہ گمراہ ہے ﴿فَإِذْهَبْ إِلَى فِرْعَوْنَ أَنَّهُ طَغَى﴾ اور اس کی ہدایت کا حکم دیا تھا تو انہوں نے سات مجذرات عطا فرمائے تھے اور ان کی مدد کے لیے ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ اس کا اللہ تعالیٰ نے سورہ سجن میں ذکر فرمایا ہے۔

سعید بن جبیر، عکرمہ، قاسم بن ابی بردة، اوضاعی وغیرہ نے بیان کیا ہے کہ جب فرعون کے جادوگروں نے سجدہ میں گر کر خدا کی عظمت و وحدانیت کا اقرار کیا تھا تو انہوں نے سجدے میں رہتے ہوئے جنت میں اپنے اپنے اعلیٰ مقامات دیکھ لیے تھے اس لیے انہوں نے اس کے بعد فرعون کے احکام کی تعمیل سے صاف صاف انکار کر دیا تھا۔ البته یہ بات کہ فرعون نے ان کے ہاتھ پاؤں کاٹنے کا حکم دیا تھا محل نظر اور خلاف قیاس ہے۔ تاہم اس نے ان پر تشدد کی انتہا کر دی تھی بلکہ ان میں سے بہتلوں کو قتل بھی کر دیا تھا اور جیسا کہ عبد اللہ بن عباس رض اور عبید بن عمر سے مردی ہے انہوں نے مرتبہ وقت صبر و استقامت اور ایمان پر قائم رہنے اور اپنی وفات مسلمانوں کی حیثیت سے ہونے کی اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی تھی جیسا کہ آیت قرآنی ﴿رَبَّنَا أَفْرِغْ عَلَيْنَا صَبْرًا وَتَوْفِقًا مُسْلِمِينَ﴾ سے ثابت ہے۔

اس کے علاوہ فرعون نے بنی اسرائیل پر بھی ظلم و ستم کی انتہا کر دی، انہیں رات دن زیادہ سے زیادہ قتل کرنے لگا۔ تاہم اللہ تعالیٰ نے اپنے فضل و کرم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو فرعون کے شر سے محفوظ رکھا اور وہ اپنی قوم کو صبر و استقامت کی تلقین فرماتے رہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿وَقَالَ مُوسَى لِقَوْمِهِ اسْتَعِينُو بِاللَّهِ وَاصْبِرُوا إِنَّ الْأَرْضَ لِلَّهِ يُوَرِّثُهَا مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ وَالْعَاقِبَةُ لِلْمُتَّقِينَ﴾

اور ان کی قوم نے بھی ایمان اور اللہ تعالیٰ پر توکل کر کے دکھادیا۔

قارون بنی اسرائیل میں سے تھا اور اس کے پاس مال و زر کی انتہا تھی لیکن وہ اس خوف سے کہ فرعون اس سے اس کا سب کچھ نہ چھین لے فرعون کے ساتھ ملا رہا۔ اس کا حال ہم ان شاء اللہ آگے چل کر حسب موقع تفصیل سے بیان کریں گے۔

فرعون جیسا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے مصر کا بادشاہ اور ہمان اس کا وزیر تھا۔ یہ دونوں تو اپنی اپنی جگہ ظلم و تشدد کے پلے تھے جی فرعون کے درباری اور قرابت دار، ظلم و ستم میں فرعون کی بیوی کے سوا جس کا ذکر پہلے آچکا ہے ان دونوں سے بھی چار قدم آگئے تھے کیونکہ فرعون نے انہیں یقین دلار کھا تھا کہ آخر کار وہ موئی وبارون ہے۔ سمیت بنی اسرائیل پر غالب رہے گا۔

پھر جب اللہ تعالیٰ نے اہل مصر اہل قبط پر ان کے کفر اور ظلم و ستم پر عذاب نازل کیا یعنی ان کی کھیتیاں سوکھ گئیں، ان کے اشجار پھلوں سے خالی رہنے لگے اور ان پر یکے بعد دیگرے دوسرے مصائب نازل ہونے لگے تو فرعون نے کہا کہ وہ سب کچھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی (نحوذ باللہ) نبوست کی وجہ سے تھا اور اس نے بنی اسرائیل پر ظلم و تشدد میں اور اضافہ کر دیا۔ آخر کار خدائے واحد و قہار کا غصب جوش میں آیا اور پھر فرعون اور اس کے حواریوں پر کیا گزری ہم ان شاء اللہ بیان کریں گے۔



فرعون وجنواد فرعون کی ہلاکت

جب مصر کے قبلي صرف تین افراد کے علاوه جن میں فرعون کی بھی شامل تھی حضرت موسیٰ ﷺ کی بدایات سنن اور ان کے مجزات دیکھنے کے باوجود فرعون اور اس کے حواریوں ہامان وغیرہ کی ہاں میں ہاں ملانے اور انہی کی طرح کفر و ضلالت پر کمرستہ رہے حالانکہ نہ وہ ایمان لانے والے جادوگروں کے علاوه جادوگرتھے نہ آں فرعون میں شامل تھے تو شہر کے قرب و جوار سے حضرت موسیٰ ﷺ کے پاس ایک شخص آیا اور ان سے عرض کیا کہ وہ ہاں سے اپنے ساتھیوں یعنی بنی اسرائیل کو لے کر نکل جائیں ورنہ جیسا کہ اسے معلوم ہوا ہے، فرعون نہ صرف انہیں بلکہ تمام بنی اسرائیل کو ان کے بال پھوں سمیت ایک ساتھ قتل کرنے والا ہے اور وہ ان اہل قبط اور آں فرعون کو بھی جو ایمان لے آئے ہیں قتل کر دے گا۔

اس روایت کے بارے میں اہل کتاب خاموش ہیں۔ البتہ ابن عباس رض نے اسے بیان کیا ہے اور انہی کے حوالے سے ابن ابی حاتم نے اس روایت کو بیان کرتے ہوئے تفصیل سے بتایا ہے کہ تمام جادوگر کچھ اہل قبط اور آں فرعون کے کچھ لوگ اور بنی اسرائیل تمام کے تمام افراد حضرت موسیٰ ﷺ اور ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لے آئے تھے۔ اس کا ثبوت ارشاد باری تعالیٰ:

﴿فَمَا آمَنَ لِمُؤْسِنِي إِلَّا ذُرِيَّةُ مِنْ قَوْمٍهُ عَلَىٰ خَوْفٍ مِنْ فِرْعَوْنَ وَ مَلَأُهُمْ أَنْ يَقْتَلُهُمْ وَ إِنَّ فِرْعَوْنَ لَعَالٍ فِي الْأَرْضِ وَ إِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ﴾

سے بھی ملتا ہے جب کہ کلام الہی میں ﴿إِلَّا ذُرِيَّةُ مِنْ قَوْمٍهُ﴾ کی ضمیر صرف فرعون کی طرف راجح ہے جیسا کہ سیاق کلام سے صاف ظاہر ہے۔

کہا جاتا ہے کہ حضرت موسیٰ ﷺ نے اول اول فرعون اور اس کے جابر و ظالم حواریوں کے خوف سے اپنی رسالت کا اعلان نہیں فرمایا تھا جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے ﴿وَ كَفَىٰ بِاللَّهِ شَهِيدًا﴾ اور فرعون کے بارے میں ارشاد الہی ہے ﴿وَ إِنْ فِرْعَوْنَ لَعَالٌ فِي الْأَرْضِ﴾ یعنی بغیر حق صرف ظلم و جبرستہ زمین پر حکومت کر رہا تھا۔ اس کے متعلق جیسا کہ سطور بالا میں پیش کیا گیا، اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا: ﴿إِنَّهُ لَمِنَ الْمُسْرِفِينَ﴾ یعنی جو کچھ طاقت اور رزرو مال اسے حاصل تھا اسے جا بے جاغل و غش صرف کرتا تھا۔ اس کے علی الرغم حضرت موسیٰ ﷺ نے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے بیان فرمایا ہے، اپنی قوم سے کہا تھا: ﴿بِإِيمَانِكُمْ أَنْتُمْ آمَنْتُمْ بِاللَّهِ فَعَلَيْهِ تَوَكَّلُوا إِنْ كُنْتُمْ مُسْلِمِينَ﴾ یعنی اسے قوم اگر تم اللہ تعالیٰ پر ایمان لے آؤ تو اسی پر توکل کروتا کہ معلوم ہو کہ تم واقعی مسلم ہو۔ اس کا جواب جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا یہ دیا:

﴿عَلَى اللَّهِ تَوَكَّلْنَا لَا تَجْعَلْنَا فِتَّةً لِلْقَوْمِ الظَّالِمِينَ. وَ نَجَّا بِرَحْمَتِكَ مِنَ الْقَوْمِ الْكَافِرِينَ﴾

پھر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا اور مجاهد ابو عاصم احمد بن حنفی ریحیخ شاکر نے یہ بن اسلم اور ان کے بیٹے عبد الرحمن وغیرہ نے ان آیات کی وضاحت کرتے ہوئے بتایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو حکم دیا تھا کہ وہ اپنی قوم سے کہیں کہ اس کے افراد اپنے لیے اہل قباد مصر سے الگ پہچانے والے یعنی مساجد کی طرح کے مکان بنائیں تاکہ وہ فرعون اور اس کے معاذین و ملازمین کی نگاہوں سے پوشیدہ رہ کرو ہاں اللہ تعالیٰ کی عبادت کر سکیں اور وہ مکان ایسے ہوں کہ جب ضرورت پڑے تو وہ انہیں زمین سے اکھاڑ کر اور سواریوں میں لا دکر فوری طور پر اللہ تعالیٰ کے حکم کے مطابق جہاں چاہیں لے جاسکیں اور اس وقت تک حکم الٰہی **وَأَسْتَعِنُوا بِالصَّبْرِ وَالصَّلَاةِ** پر عمل کرتے رہیں۔ پھر جیسا کہ سب جانتے ہیں، اللہ تعالیٰ نے یہی حکم آنحضرت علیہ السلام کے ذریعہ مصائب میں بتلا اہل ایمان کو دیا تھا جب کہ آپ خود بھی ایسے موقع پر حکم الٰہی پر عمل کرتے تھے۔

بہر کیف جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، جب فرعون کے مظالم حد سے گزر گئے اور وہ بنی اسرائیل کے مردوزن اور بچوں کے علاوہ خود اپنی قوم اور اہل قبط کے ان لوگوں کو جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت اور خدا پر ایمان لے آئے تھے جن چن کر قتل کرنے لگا تو ان لوگوں نے اپنے ان مکانوں کو جوانہوں نے اللہ تعالیٰ کے حکم کے تحت مساجد کی طرز پر بنائے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے حکم پر جوانہیں اللہ تعالیٰ نے دیا تھا اکھاڑ کر سواریوں پر لا دکر دیا اور اپنے اہل و عیال کے ساتھ سفر کے ارادے سے ایک ساتھ مصر سے نکل کر دریا کے کنارے جا پہنچ تو دیکھا کہ دریاحد سے زیادہ طغیانی پر ہے اور ادھر جب فرعون کو اس کی خبر ہوئی تو اپنا لاوائشکر لے کر ان کے تعاقب میں چل پڑا تاکہ انہیں دریا عبور کرنے سے قبل ایک ایک کر کے قتل کر دے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس وقت اپنی قدرت کا یہ کرشمہ دکھایا کہ دریا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام، ان کے بھائی حضرت ہارون علیہ السلام اور ان کے ساتھی اہل ایمان کے لیے خشک زمین کی طرح اتنا چوڑا راستہ بنادیا کہ اس پر چل کر وہ سب اور ان کا مال اسباب اس کنارے سے آسانی کے ساتھ دوسرے کنارے پر جاسکے۔ اللہ تعالیٰ کی قدرت کا یہ کرشمہ اور ان پر اس کا یہ کرم دیکھ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے ہمراہی خوش ہو گئے اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اپنے ہمراہیوں کو اس راستے سے دریا پار کرنے کا حکم دیا تو خدا کا نام لے کر اس راستے پر ہو لیے اور سب کے سب بآسانی دریا کے دوسری جانب جا پہنچے جب کہ جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے، فرعون اور اس کا لاوائشکر جو جس طرح خدا کی قدرت سے پہلے وہ راستہ پیدا ہوا تھا اچاکٹہ دریا چلا گیا اور فرعون اور اس کا تمام لاوائشکر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن میں بیان فرمایا ہے اور اس کی وضاحت میں مفسرین، محدثین اور دوسرے معتبر و ثقہ راویوں نے طویل روایات و حکایات قلمبند کیں دیکھتے ہی دیکھتے دریا کی طوفانی لہروں کی نذر ہو گئے۔

کہا جاتا ہے کہ فرعون اور اس کے شکر کی بلاکت کا واقعہ روز عاشورہ پیش آیا تھا۔

بخاری علیہ السلام سے مروی ہے کہ مدینے میں آنحضرت علیہ السلام اور مدینے کے یہودی بھی یوم عاشورہ کو روزہ رکھا کرتے تھے کیونکہ مدینے کے یہودیوں سے آپ نے فرمایا تھا کہ اگر تم موسیٰ علیہ السلام کے دین پر چلتے ہو تو اس روز روزہ رکھا کرو جب اللہ تعالیٰ نے ان کو فرعون پر فتح کامل سے سرفراز فرمایا تھا۔ یہ حدیث به تمام و کمال صحیح (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں موجود ہے۔ واللہ اعلم

فرعون کی ہلاکت کے بعد بنی اسرائیل کا احوال

اللہ تعالیٰ نے فرعون کی ہلاکت کا قرآن شریف میں ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا ہے کہ جب فرعون نے اپنے شاہانہ تکبر کے تحت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تکذیب کی اور ان کی قوم بنی اسرائیل کے علاوہ ان تمام لوگوں پر جوان کی رسالت پر ایمان لے آئے تھے ظلم کی انتہا کر دی تو اللہ تعالیٰ نے سزا کے طور پر اسے اس کے امراء و وزراء اور لشکر کو دریا میں غرق کر دیا اور فرعون کے مال و متاع پر انہی لوگوں یعنی بنی اسرائیل کو جواس کے نزدیک کمزور اور بے کس و بے بس تھے قابض کر دیا۔ اس سے قبل بنی اسرائیل کو حکم دیا گیا تھا کہ وہ اپنے مویشی ذرع کر کے ان کا خون نشانی کے طور پر اپنے مُھروں کے دروازوں پر لگا دیں مگر ان مویشیوں کا گوشت خود پا کرنے کھائیں البتہ وہ ان کے سری پائے چاہیں تو اپنے استعمال میں لا سکتے ہیں۔

پھر جب فرعون کے امراء و وزراء اس لشکر اور وہ خود حکم الہی سے دریا میں غرق ہو گیا تو اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کو مصر کے مشرق و مغربی علاقوں پر قابض فرمایا ہیں وہاں آباد ہونے کی اجازت دے دی۔

جہاں تک اہل مصر کا تعلق ہے وہاں فرعون کے امراء و وزراء کی بیویاں یا وہاں کے نچلے طبقے کے غریب لوگ باقی رہ گئے تھے جن سے ان امراء و وزراء کی بیویوں نے مجبور آشادی کر لی تھی اور ان کی غربت کی وجہ سے ان پر حادی ہو گئی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ آج بھی مصر میں وہی روایت چلی آتی ہے یعنی وہاں کی عورتیں مردوں پر غالب اور حادی چلی آتی ہیں۔

جب بنی اسرائیل نواحی مصر میں آباد ہو گئے تو وہاں وہ ہر سال کئی عید یہیں منایا کرتے تھے جن میں ان کی عورتیں دف بجا کر خوشی کا اظہار کیا کرتی تھیں اور ان میں پیش پیش خود مریم بنت عمران یعنی حضرت موسیٰ و حضرت ہارون علیہ السلام کی بہن ہوتی تھیں۔

اہل کتاب کے بعض بیانات میں مریم بنت عمران کو مریم نبیہ بتایا گیا ہے وہ صریحاً غلط ہے بلکہ جن روایات میں ان کے نام کے بعد یہ لفظ بڑھایا گیا وہ صرف تقطیماً بڑھادیا گیا ہے کیونکہ قرابت کے لحاظ سے ان کا تعلق انبیاء یعنی حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام سے تھا لیکن درحقیقت جیسا کہ ظاہر ہے وہ نبیہ نہیں تھیں۔

جہاں تک عیدوں کے موقعوں پر بنی اسرائیل کی اڑکیوں کے دف بجا کر گیت گانے اور مریم بنت عمران کے اس میں پیش رہنے کا تعلق ہے تو خوشی کے موقع پر اظہار مسرت کے طور پر یہ روان عربوں میں بھی تھا بلکہ جب آنحضرت علیہ السلام کے سے بھرت کر کے مدینے تشریف لے گئے تو وہاں آپ کے استقبال کے موقع پر اڑکیاں چھتوں پر چڑھ کر دف بجا کر وہ مشہور گیت گارہی تھیں، جس کے بول طلعت البدار علینا۔ وغیرہ ہیں اور جب جیسا کہ بعض روایات میں مذکور ہے انہیں حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے دف بجا کر گانے سے منع کیا تو آپ نے ان سے فرمایا تھا: ”انہیں یونہی گانے دؤ یا ان کی عید ہے“۔ اس کے بعد آپ نے فرعون پر

غلب پا نئے۔ کے بعد بنی اسرائیل کی لڑکوں کے عجید موت اور دفعوں پر گیت گانے کا حوالہ بھی دیا تھا۔ واللہ اعلم
اہل کتاب کی روایات کے مطابق دریا میں حضرت موسیٰ علیہ السلام اور ان کے بھرا بیوں کے لیے جو خشکی کا راستہ بننا تھا وہ دریا
کے کنارے پانی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اپنا عصا مارنے سے بنا تھا اور دفعہ فرعون اور اس کے ساتھیوں کے دریا میں اترنے کے بعد
غائب بھی تھبی ہوا تھا جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دریا کے دوسرے کنارے پہنچ کر وہاں پانی پر دوبارہ عصا مارا تھا۔ واللہ اعلم
بہر کیف اس واقعے سے قبل بنی اسرائیل سالہ سال سے مصر میں آباد چلے آ رہے تھے اور اس کے بعد بھی وہ وہاں کم و بیش
چار سو تیس سال تک اس کے نواحی علاقوں میں آباد رہے۔ اس زمانے میں بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے گزارش کی تھی
کہ انہیں بھی قوم فرعون کی طرح احتمام تراشی کی اجازت دی جائے تو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے فرمایا تھا: ”کیا تم بھی نادان
قوم ہو؟“ بلکہ قرآنی آیہ شریفہ کے مطابق ان سے 『ان یسومون سوء العذاب』 بھی فرمایا تھا۔

چار سو تیس سال کے بعد جیسا کہ بعض روایات میں بتایا گیا ہے، بنی اسرائیل شام کی طرف چلے گئے تھے۔

اکثر مفسرین نے بنی اسرائیل کے بارے میں جو بیان کیا ہے کہ بنی اسرائیل کے بھیجے ہوئے جو بارہ آدمی شاہ جبارین کے
پاس یکے بعد دیگرے آئے تھے وہ قد و قامت کے لحاظ سے ایسے طویل القامت اور فربہ اندام تھے کہ انہیں دیکھ کر اس نے کہا تھا:
”کیا یہ بنی آدم ہیں؟“ تو یہ صرف کہانیاں اور اسرائیلیات کے خرافات سے ناخوذ ہیں کیونکہ یہ بات صریحاً خلاف عقل اور بعید از
قیاس ہے۔

اسی طرح تک جبارین کی بابت جو یہ بتایا جاتا ہے کہ اس کا بھیجا ہوا جو مسکی عوج بن عنق شخص بنی اسرائیل کی طرف بھیجا گیا
تھا تاکہ وہ انہیں ایک ایک کر کے ہلاک کر دے اس کا قد تین ہزار تین سو تیس گز اور ایک تھامی گز تھا اور اس کے کھانے کے لیے اس
نے جو الگور اور اسی قسم کے پھلوں کے جو نوشے اسے دینے تھے ان میں سے ایک ایک دانہ اتنا بڑا تھا کہ وہ موٹے سے موٹے اور قد
آور سے قد آور شخص کی پورے دن کی خوراک ہو سکتا تھا تو وہ سب بھی اسرائیلیات میں درج دیگر خرافات کی طرح صرف خرافات و
فضولیات ہی گردانا جا سکتا ہے کیونکہ رسول اللہ ﷺ کی ایک متفقہ صحیح حدیث کے مطابق آپؐ نے ارشاد فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے
انسان کا قد پہلے زیادہ ستر فٹ بنایا تھا لیکن پھر فرستہ اس میں کمی ہوتی چلی گئی۔

اسی طرح اسرائیلیات میں درج یہ بیان بھی جو عوف البرکاتی سے مردی ہے اور ابن جریر نے اسی کے حوالے سے پیش کیا ہے
سر اسرائیلیوں کے جب عوج بن عنق بنی اسرائیل کی طرف آ رہا تھا تو پہلے وہ ایک عظیم پہاڑ کے دامن میں پہنچا تو اس نے اس پہاڑ کو
اٹھا کر بنی اسرائیل پر پھینکنا چاہا تھا لیکن اس وقت کہیں سے ایک پرندہ نمودار ہوا اور اس نے اس پہاڑ کو نکڑے کر ڈالا اور اس
کے ایک نکڑے کا حلقة بنا کر اس کے گلے میں ڈال دیا یا یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا قد خود دس گز تھا ہوا میں دس گز اچھے تھے تو عوج
بن عنق کے صرف تختے تک پہنچ پائے تھے تاہم انہوں نے اس کے تختے ہی پر اپنا عصا مار کر اسے ہلاک کر دیا تھا صرف ایک ناقابل
یقین مصلحتہ خیز کہانی ہے جسے عوف البرکاتی ہی نے بیان کیا ہے اور ابن جریر نے اسے ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے حوالے سے پیش کیا ہے
لیکن ابن جریر کی یہ سند مغل نظر ہے۔

اسرائیل کی یہ دکایات واقعہ نگاری کے اصول کے صریحًا خلاف ہیں جب کہ حود انہیٰ کے دو باوقوع افرادے ان کی صاف صاف تردید کی ہے۔ بنی اسرائیل کے یہ بیانات اس وجہ سے بھی ناقابل یقین ہیں کہ انہوں نے اپنے انبیاء تو قتل نہ کے اس کا اثر امام و رسول پر تھوپنے کی کوشش کی ہے۔

اس کے علاوہ جیسا کہ قرآن کے علاوہ دیگر معتبر روایات سے ثابت ہے بنی اسرائیل نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جہاد کی مخالفت کرتے ہوئے کہا تھا کہ وہ اپنے دشمنوں سے خود جہاد کریں اور اپنی مدد کے لیے اپنے خدا کو بلا کیں۔ بنی اسرائیل کے جن دو اشخاص کے بارے میں بتایا گیا ہے کہ وہ اپنی قوم کے ان اعمال اور ان کی خلاف مذہب حرکات پر انہیں خدا سے خوف کی وجہ سے **﴿رَجُلَانِ مِنَ الظَّبَابِ يَخَافُونَ﴾** تو کہتے تھے ان کے نام ابن عباس، مجاهد، عکرمہ، عطیہ، السدی، ریچ بن انس کے علاوہ متعدد دوسرے شفہ راویوں نے یوشع اور کلب تھائے ہیں جن پر اللہ تعالیٰ نے ان کے اہل ایمان ہونے کی وجہ سے نوازش فرماتے ہوئے انہیں انعام سے نوازا تھا: **﴿أَنَعَمَ اللَّهُ عَلَيْهِمَا﴾** جب کہ خود حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے عرض کیا تھا: **﴿Qَالَّرَبُّ إِنِّي لَا أَمْلِكُ إِلَّا نَفْسِي وَأَخِي فَأَفْرُقُ بَيْنَنَا وَبَيْنَ الْقَوْمِ الْفَاسِقِينَ﴾** یعنی یا اللہ مجھے صرف اپنے اوپر اپنے بھائی پر اختیار ہے۔ اس لیے ہمیں اور اس فاسق قوم کو علیحدہ علیحدہ کر دے۔ ابن عباس رض نے اس آیت میں ”فَأَفْرَقَ“ کا مطلب ”اُفْض“ بتایا ہے یعنی ہم میں اور اس قوم فاسق کے درمیان انصاف فرمادے۔

انہی دووجوہ کی بنا پر کہ بنی اسرائیل نے دشمنوں سے جہاد کے بارے میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو جواب دیا تھا کہ ”ہمیں کیا غرض کہ ہم ان سے جہاد کریں، جاؤ تم اور تمہارا خدا ان سے لڑو۔“ اور حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا کی تھی کہ انہیں ”صرف اپنے اپنے بھائی پر اختیار ہے۔ اس لیے اس فاسقوں کی قوم اور ہمارے درمیان انصاف فرمادے، بنی اسرائیل متواتر چالیس سال تک روئے زمین پر بحکمت پھرے تھے اور انہیں کہیں ٹھکانائے ملا تھا اور وہ سب کے سب سوائے یوشع اور کلب علیہ السلام کے سوا ہلاک ہو گئے تھے کیونکہ انہی دونوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لا کر ان کی حمایت کی تھی۔

اس کے برعکس جیسا کہ سعد بن معاذ کے حوالے سے امام احمد، ریفع، سفیان، خارق ابن عبد اللہ حسن، طارق یعنی مقداد اور بن شہاب وغیرہ نے جن میں عبیدہ بن حمید، حمید اور انس شامل ہیں بیان کیا ہے کہ غزوہ بدرب کے موقع پر رسول اللہ ﷺ کے ساتھیوں نے جن میں حضرت ابو بکر صدیق رض پیش کیا تھا آپ سے متواتر یہی عرض کیا کہ ”یا رسول اللہ (علیہ السلام) ہم جان دل سے آپ کے ساتھ ہیں اور خدا کے فضل و کرم سے آپ کے اور اسلام کے دشمنوں سے آخروقت تک مقابلہ کرتے رہیں گے تا آنکہ آپ کی دعا سے ہمارا پروردگار ہمیں ان پر فتح سے ہمکنار یا شہادت سے سرفراز فرمائے۔“

یہ روایت نبی نے محمد بن شنبی، خالد بن حارث، حمید اور انس کے حوالے سے پیش کی ہے اور ابن حبان نے انہی اسناد کی بنیاد پر اسے اپنی کتاب صحیح میں ابی یعلیٰ، عبد الاعلیٰ بن حماد اور عمر کے حوالے سے بیان کیا ہے۔



بنی اسرائیل کا آلتیہ میں داخلہ اور وہاں ان کے لیے امور عجیبہ کا ذکر

ظالم جبارین کے ہاتھوں بنی اسرائیل کے قتل اور ان کے جانی والی نقصانات کا ذکر ہم پہلے کر چکے ہیں۔ جب جبارین کے ظلم و جبر و تشدد سے کسی طرح اپنی جانیں بچا کر وہ التیہ پہنچ تو انہوں نے مصر سے نکلنے کے بعد دو بارہ کسی قدر سکون کا سانس لیا۔ تاہم اس سے قبل وہ حضرت موسیٰؑ، حضرت ہارون اور حضرت یوسفؑ کے ساتھ کچھ عرصے البریہ میں قیام کر چکے تھے جہاں حضرت موسیٰؑ نے انہیں ہزار ہزار سو سو اور پچاس پچاس کی جماعتوں میں تقسیم کر کے ان میں سے ہر جماعت پر ان ہی میں سے ایک سالا ر مقمر کر دیا تھا اور وہیں حضرت موسیٰؑ نے شریعت موسیٰؑ کے مطابق تمام بالغوں سمیت بچوں کی ختنوں کی بنیاد دی تھی۔ وہاں حضرت موسیٰؑ کے ہمراہ جیسا کہ ابھی بیان کیا ان کے بھائی ہارون اور یوسفؑ بھی تھے حضرت موسیٰؑ کے ساتھ اہل خانہ میں ان کی بیوی اور دو بیٹیاں تھیں جن میں سے ایک کی شادی وہ یوشعؑ سے پہلے ہی کر چکے تھے۔

بہر کیف جب حضرت موسیٰؑ البریہ میں داخل ہوئے تھے تو انہوں نے پہلے ایک پہاڑ کے دامن میں قیام کیا تھا لیکن وہاں انہیں پہاڑ سے دھوانِ المحتا نظر آیا تھا اور بکلی کی چمک کے ساتھ ایسا کڑکا سنائی دیا تھا جس سے ان کے ہمراہی تمام بنی اسرائیل کا نبض اٹھے تھے لیکن حضرت موسیٰؑ اس پہاڑ کی چوٹی پر جا پہنچے تھے لیکن وہ پہاڑ تمام کا تمام ملزراں رہا تھا۔ تاہم اسی وقت انہیں ایک غیبی آواز سنائی دی جو ان کے پروردگار کی تھی یعنی خود ذات باری تعالیٰ اپنے بندے اور اپنے نبی حضرت موسیٰؑ سے مخاطب تھے۔

حضرت موسیٰؑ یہ آواز اس سے پہلے بھی سن چکے تھے جب وہ مصر میں داخلے سے قبل وہاں کی ایک وادی میں دور سے پہاڑ پر آگ روشن دیکھ کر کڑکڑاتی سردی کے باوجود وہاں آگ لینے پہنچے تھے اور وہیں انہیں ذات باری تعالیٰ نے پہلی بار مخاطب فرمایا کہ بنت کے عہدہ جلیلہ سے سرفراز فرمایا تھا جس کے بعد انہوں نے نہ صرف بنی اسرائیل بلکہ تمام اہل مصر کو اللہ تعالیٰ اور اپنی رسالت پر ایمان لانے کی ہدایت کی تھی۔ اس لیے یہ دوسرامو قع تھا کہ اللہ تعالیٰ نے انہیں مزید ہدایات دے کر ان پر توریت کی پہلی دس آیات نازل فرمائی تھیں جن میں ان کی قوم کو صرف اپنے پروردگار کی عبادت کی ہدایت کے علاوہ اسے تمام برائیوں مثلاً دروغ گوئی، چوری اور بے جا قتل و غارت گری وغیرہ سے ممانعت کی گئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے انہی آیات میں بنی اسرائیل کے لیے عبادت کا دن یوم السبت یعنی ہفتہ (سپنٹر) کا دن مقرر فرمایا تھا جسے یہودی (بنی اسرائیل) یوم الیسوں کے نام سے یاد کر کے عید کی طرح آج بھی مناتے ہیں۔ تاہم آنحضرت علیہ السلام کے زمانے میں اہل اسلام کے لیے ہفتے ہیں یہ دن جمعہ مقرر فرمایا گیا اور اسے ہفتے کے دوسرے دنوں پر فضیلت بخشی گئی اور اس روز انہیں بطور خاص ادائے نماز کی ہدایت کی گئی جیسا کہ قرآن سے ثابت ہے۔

جو آیات رباني پہلے روز حضرت موسیٰ ﷺ پر نازل ہوئی تھیں اور ان میں بنی اسرائیل کو جو دمایات دی گئی تھیں۔ ان پر جملہ علامے اسلاف و اخلاق متفق ہیں۔ ان کے علاوہ جوار شادات رباني وحی الہی کے ذریعہ موسیٰ ﷺ پر نازل ہوئے جن میں بنی اسرائیل میا طب ہیں اور وہ توریت میں درج ہیں ان کا ذکر اللہ تعالیٰ نے قرآن کے سورہ انعام اور دوسری سورتوں میں فرمایا ہے مثلاً سورہ انعام میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ بنی اسرائیل کو پہلے فرعون کے ظلم و قسم سے نجات دلائی گئی۔ پھر انہیں انعام، اکرام سے نوازا گیا، جب انہوں نے زمین پر آگی ہوئی نداتی اشیاء کھانے سے بھی آگ کر کسی خیز کی حضرت موسیٰ ﷺ سے خواہش ظاہر کی تو ان کی دعا پر ان کے لیے آسمان سے براہ راست من و سلوٹی نازل کیا گیا لیکن وہ اس سے بھی بھی آگ کے اور پھر اپنی پہلی غذائی اشیاء کا تھاضا کرنے لگے تو دوبارہ ان کی اس خواہش کو پورا کیا گیا لیکن وہ اپنی سرکشی سے بازنہ آئے اور جیسا کہ سورہ بقرہ میں تفصیل سے اللہ تعالیٰ نے ذکر فرمایا ہے انہوں نے گائے کی قربانی کرنا چاہی اور اس کے رنگ، اس کی نسل اور عمر وغیرہ کی سینکڑوں شرائط رکھیں تو ان کے لیے ایسی گائے تخلیق کی گئی لیکن پھر بھی رو بہ اصلاح نہ ہوئے بلکہ موسیٰ ﷺ کے پیچھے سونے کا ایک پھٹرا بنا کر اس کی پرستش کرنے لگے۔

بنی اسرائیل کی ان تمام باتوں کا ذکر ہم قرآن ہی کے حوالے سے ان شاء اللہ آگے چل کر عنقریب کریں گے۔



موسیٰ علیہ السلام کی غیبت میں بنی اسرائیل کی بچھڑاپو جنے کی داستان

جب حضرت موسیٰ علیہ السلام بنی اسرائیل سے الگ ہو کر حکم الہی کے تحت میقات میں چالیس روز گزار نے اور وہاں رب العزت کی عبادت میں شب و روز مصروف رہنے کے لیے تشریف لے گئے تو بنی اسرائیل نے ان کی غیبت میں ایک سو کھے اور دبلے بچھڑے کی پرستش شروع کر دی جو انہوں نے سونے سے سامری جادوگر کی ترغیب پر خود بنایا تھا چونکہ اس میں گائے کی طرح ذکرانے کی صلاحیت نہیں تھی اس لیے سامری نے اس کے دبر میں جادو کے زور سے کوئی چیز داخل کر کے اس کے منہ سے نکالی تو وہ بچھڑا گائے کی طرح ذکرانے لگا۔ کہا جاتا ہے کہ سامری نے جادو سے ہوا بنا کر اس بچھڑے کی دبر میں داخل کی تھی اور اس کے منہ سے نکالی تھی۔ بہر حال جب وہ بچھڑا گائے کی طرح ذکرانے لگا تو سامری نے بنی اسرائیل سے کہا کہ دیکھو یہ تمہارے موسیٰ (علیہ السلام) کا اور تمہارا خدا ہے۔

حضرت ہارون علیہ السلام نے انہیں لاکھ سمجھایا اور خدا کے خوف سے ڈرایا لیکن انہوں نے ان کی کوئی بات نہ سنی اور کہنے لگے کہ ہم موسیٰ (علیہ السلام) کی غیبت میں تمہاری ایک بات نہ مانیں گے۔

بہر کیف جب حضرت موسیٰ علیہ السلام میقات سے واپس تشریف لائے تو وہ اپنی قوم بنی اسرائیل کی یقین حرکت دیکھ کر بہت غصب ناک ہوئے اور انہیں سخت سست کہا تو وہ پھر توبہ کرنے لگے۔ اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کے حق میں اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور جیسا کہ قرآن شریف میں اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے: ﴿وَإِنَّ رَبَّكُمُ الرَّحْمَنُ﴾ اس نے ان کی توبہ قبول کر کے انہیں اپنی رحمت سے معاف فرمادیا۔

بنی اسرائیل کی اس داستان کے ساتھ قرآن شریف میں ذکر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے گزارش کی تھی ”رب ارنی“ (اے میرے پروردگار تو مجھے کھلی آنکھوں سے اپنا جلوہ دکھا) تو اللہ تعالیٰ نے ان کو اس درخواست کے جواب میں ارشاد فرمایا تھا ”لَنْ تَرَأَنِي“ یعنی تم مجھے ہرگز اس طرف نہیں دیکھ سکتے۔ اس کے بعد ارشاد ہوا تھا ”پہاڑ کی طرف دیکھو“ لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ کی طرف نگاہ کی تو وہاں بکلی کی طرح ایک ایسی نگاہوں کو خیرہ کرنے والی چک دیکھی کر وہ غش کھا کر گر پڑے۔

قرآن شریف کی ان آیات کی تغیری کرتے ہوئے جن میں یہ ذکر آیا ہے مفسرین نے وضاحت کی ہے کہ جلوہ خداوندی کی ایک جھلک بھی انسانی بصارت کے لیے مخالف ہے نیز یہ کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے پہاڑ کی طرف رُخ کر کے جو جلوہ دیکھا تھا وہ جلوہ خداوندی کی ایک معمولی سی جھلک تھی اور وہ بھی پس پرداز تھی۔

ابن حبان کی روایت کردہ حدیث نبوی

امام احمد فرماتے ہیں کہ ان سے بھی بن الحلق اور ابن الہیم اور ابوسعید الخدرا کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ موسیٰ ﷺ نے اللہ تعالیٰ سے دریافت کیا تھا کہ یا رب تو نے اس وقت کے دنیا میں اپنے نیک ترین بندے کے لیے کیا انعام رکھا ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کی نگاہوں کے سامنے جنت کا ایک دروازہ کھوٹ کر ان سے فرمایا تھا کہ دیکھو یہ وہ جگہ ہے جس کا میں نے تم سے وعدہ کیا ہے اور یہ دیکھ کر انہوں نے اللہ تعالیٰ کے حسب و عده اس انعام و اکرام کا شکر ادا کر کے اللہ تعالیٰ سے پوچھا تھا کہ کافروں کے لیے تو نے کون سی جگہ مقرر فرمائی ہے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے سامنے درزخ کا سب سے زیادہ آتش فشاں منظر کر دیا تھا۔

ابن حبان سے مروی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ حضرت موسیٰ ﷺ نے اللہ تعالیٰ جل شانہ سے یہ بھی پوچھا تھا کہ اس کے ذکر میں کون ساذ کرسب سے اچھا ہے تو اللہ تعالیٰ نے انہیں جواب دیا تھا کہ لا الہ الا اللہ اور مزید یہ بھی فرمایا تھا کہ اس سے بہتر ذکر الہی میں کوئی ذکر نہیں ہے اور سبع سماوات میں اور زمین کے ہر طبقے میں مخلوق خداوندی جو جہاں ہے یہی ذکر کرتی ہے۔ حدیث بطاق سے بھی اس حدیث نبوی کی تصدیق ہوتی ہے۔

اس سے ملتی جلتی ایک اور حدیث نبوی سنن میں (ابن ماجہ نے) پیش کی ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ سب سے بہتر معروف و افضل وہ دعا ہے جو میں کرتا ہوں اور مجھ سے قبل تمام انبیاء ﷺ کرتے رہے ہیں۔ وہ دعا یہ ہے:
 لا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ وَحْدَةٌ لَا شَرِيكَ لَهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ.

ن احادیث کے علاوہ متعدد مگر احادیث قصہ موسیٰ ﷺ کے ضمن میں اکثر مفسرین و مورخین نے بطور سند پیش کی ہیں۔



بقرہ بنی اسرائیل کی تفصیل

بقرہ بنی اسرائیل کا ذکر اللہ تعالیٰ جملہ شانہ نے قرآن پاک میں یوں فرمایا ہے:

"اور جب موئی نے اپنی قوم کے لوگوں سے کہا کہ خدا تم کو حکم دیتا ہے کہ ایک بیل ذبح کر دو وہ بولے کیا تم ہم سے بھی کرتے ہو؟ (موئی نے) کہا کہ میں خدا کی پناہ مانگتا ہوں کہ نادان بنوں۔ انہوں نے کہا اپنے پروردگار سے اتنا سمجھیے کہ وہ بھیں بتائے کہ وہ بیل کس طرح کا ہوگا۔ (موئی نے) کہا پروردگار فرماتا ہے کہ وہ بیل نہ تو بوڑھا ہونہ بچھڑا بلکہ ان کے درمیان (یعنی جوان) ہو سو جیسا تم کو حکم دیا گیا ہے ویسا کرو۔ انہوں نے کہا اپنے پروردگار سے درخواست سمجھیے کہ ہم کو یہ بھی بتا دے کہ اس کا رنگ کیسا ہو۔ موئی نے کہا پروردگار فرماتا ہے کہ اس کا رنگ گہرا زرد ہو کہ دیکھنے والوں (کے دل) کو خوش کر دیتا ہو۔ انہوں نے کہا (اب کے) پروردگار سے پھر درخواست سمجھیے کہ ہم کو بتا دے کہ وہ اور کس کس طرح کا ہو کیونکہ بہت سے بیل بھیں ایک دوسرے کے مشابہ معلوم ہوتے ہیں (پھر) خدا نے چاہا تو بھیں ٹھیک بات معلوم ہو جائے گی۔ موئی نے کہا کہ خدا فرماتا ہے کہ وہ بیل کام میں لگا ہوانہ ہو۔ نہ تو زمین جو تناہ ہو اور نہ کھیتی کو پانی دیتا ہو اس میں کسی طرح کا داع غیر ہو۔ کہنے لگے اب تم نے سب با تین درست بتا دیں۔ غرض (بڑی مشکل سے) انہوں نے اس بیل کو ذبح کیا اور وہ ایسا کرنے والے نہیں تھے۔ اور جب تم نے ایک شخص کو قتل کیا تو باہم جگہ نے لگائیں جو بات تم چھپا رہے تھے خدا اس کو ظاہر کرنے والا تھا۔ تو ہم نے کہا کہ اس بیل کا کوئی سا بکڑا مقتول کو مارو۔ اس طرح خدام روؤں کو زندہ کرتا ہے اور تم کو اپنی (قدرت کی) نشانیاں دکھاتا ہے تاکہ تم سمجھو۔" (۲۷:۲-۲۸)

ابن عباسؓ نے اس طبقہ وغیرہ سے مروی ہے کہ بنی اسرائیل کا ایک بوڑھا شخص بہت مالدار تھا۔ اس سے اسی کی قوم کے کسی شخص نے جو اس بوڑھے کا قربانی دار تھا اس سے قتل کر دیا تاکہ اس کے مال پر قابض ہو جائے جب دوسرے لوگوں کو اس کا علم ہوا تو وہ اس مقتول کے دروازے پر جمع ہو گئے اور قاتل کے بارے میں قیاس آ رائیاں کرنے اور آپس میں جھگڑنے لگے تو کسی نے ان سے کہا کہ اللہ کے رسول (یعنی موسیٰ علیہ السلام) کے پاس کیوں نہیں جاتے تاکہ وہ اپنے پروردگار سے دریافت کر کے تمہیں قاتل کا نام اور پتا بتا دے۔

چنانچہ جب وہ لوگ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس گئے اور سارا معالمہ ان کے سامنے رکھ کر ان سے درخواست کی کہ وہ اللہ تعالیٰ سے معلوم کر کے اس شخص کے یعنی قاتل کے بارے میں معلوم کر کے انہیں بتا دیں تو اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے کہا کہ وہ ایک بیل ذبح کریں لیکن وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہنے لگے کہ کیا وہ ان سے مذاق کرتے ہیں یعنی وہ توان سے قاتل کا نام اور پتہ معلوم کرنا چاہتے ہیں اور وہ سمجھتے ہیں کہ ان کے پروردگار کا حکم ہے کہ وہ ایک بیل ذبح کریں۔

اس روایت میں آگے پہلَ رَبِّنَ عَبَّاسَ شَفَعِیَ متعدد سند حوالوں سے وہی کچھ بیان کرے ہیں جو قرآن شریف میں آیا ہے اور جسے ہم بھی پہلے بطور حوالہ پیش کر چکے ہیں یعنی جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے (اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم منع لے بعد) کہا کہ وہ ایک بیتل ذبح کریں تو پہلے تو انہوں نے اسے جیسا کہ قرآن شریف میں بیان کیا ہے مذاق سمجھا اور اس کے بعد اس کے بارے میں طرح طرح کے سوال کیے اور آخر کار اسے ذبح کیا۔ پھر جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے ان سے کہا گیا کہ وہ اس ذبح شدہ بیتل کا کوئی ساٹھرا اس مقتول کو ماریں تو وہ زندہ ہو کرتاں کا نام بتا دے گا۔ پھر جیسا کہ قرآن شریف میں آیا ہے اور ابن عباس شافعی نے بھی (اسی کے حوالے اور دیگر مفسرین کے حوالے سے) بیان کیا ہے کہ انہیں اس بیتل کو ذبح کرنے کی وجہ بتائی گئی یعنی اس ذبح شدہ بیتل کا کوئی ساٹھرا اس مقتول کو ماریں گے تو وہ زندہ ہو جائے گا اور قاتل کے بارے میں جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا سب کچھ بتا دے گا۔ پھر جیسا کہ ابن عباس شافعی نے متعلقہ قرآنی آیات کی تفاسیر کے حوالے سے بیان کیا ہے اللہ تعالیٰ کی منشاء انہیں اپنی قدرت کی نشانیاں دکھانی تھیں کہ وہ اس طرح بھی مردوں کو زندہ فرمادیا کرتے ہیں ورنہ وہ یعنی اللہ تعالیٰ روز قیامت تمام نوع انسانی کو ان کی موت کے بعد فرد واحد کی طرح دوبارہ زندہ فرمائیں گے۔



قصہ موسیٰ و حضرت علیہما السلام

قصہ موسیٰ و حضرت علیہما السلام کے بارے میں قرآن پاک میں جو ذکر ہے وہ یہ ہے:

”اور جب موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ جب تک میں دو دن یا ڈوں کے ملنے کی وجہ نہ پہنچ جاؤں ہٹنے کا نہیں خواہ برسوں چلتا رہوں۔ جب ان کے ملنے کے مقام پر پہنچے تو اپنی مچھلی بھول گئے تو اس نے دریا میں سرگن کی طرح اپنارستہ بنالیا۔ جب آگے چلتے تو موسیٰ نے اپنے شاگرد سے کہا کہ ہمارے لیے لھانا لاو۔ اس سفر سے ہم کو بہت تکان ہو گئی ہے (اس نے) کہا کہ آپ نے دیکھا کہ جب ہم نے پتھر کے پاس آرام کیا تھا تو میں مچھلی (وہیں) بھول گیا اور مجھے (آپ سے) اس کا ذکر کرنا شیطان نے بھلا دیا اور اس نے عجیب طرح سے دریا میں اپنارستہ لیا۔ موسیٰ نے کہا ہمیں تو (وہ مقام) ہے جسے ہم تلاش کرتے تھے تو وہ اپنے پاؤں کے نشان دیکھتے دیکھتے لوٹ گئے (وہاں) انہوں نے ہمارے بندوں میں سے ایک بندہ دیکھا جسے ہم نے اپنے ہاں سے رحمت (یعنی نبوت یا نعمت ولایت) دی تھی اور اپنے پاس سے علم بخشتا تھا موسیٰ (علیہ السلام) نے ان سے (جن کا نام حضرت) کہا کہ جو علم (خدا کی طرف سے) آپ کو سکھایا گیا ہے اگر آپ ان میں سے کچھ بھلانی (کی باتیں) سکھائیں تو میں آپ کے ساتھ رہوں۔ حضرت نے کہا کہ تم میرے ساتھ رہ کر صبر نہیں کر سکو گے۔ اور جس بات کی تہمیں خبر ہی نہیں اس پر صبر کر بھی کیونکر سکتے ہو۔ (موسیٰ نے) کہا خدا نے چاہا تو آپ مجھے صابر پائیں گے اور میں آپ کے ارشاد کے خلاف نہیں کروں گا، (حضرت نے) کہا اگر تم میرے ساتھ رہنا چاہو تو (شرط یہ ہے) مجھ سے کوئی بات نہ پوچھنا جب تک میں خود اس کا ذکر تم سے نہ کروں تو دونوں چل پڑے۔ یہاں تک کہ جب کشتی میں سوار ہوئے تو (حضرت نے) کشتی کو پھاڑ ڈالا۔ (موسیٰ نے) کہا کہ آپ نے اس کو اس لیے پھاڑا ہے کہ سواروں کو غرق کر دیں۔ یہ تو آپ نے بڑی (عجیب بات کی) (حضرت نے) کہا کیا میں نہیں کہتا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہ کر سکو گے (موسیٰ نے) کہا کہ مجھ سے جو بھول ہوئی اس پر موافذہ نہ کیجیے اور میرے معااملے میں مجھ پر مشکل نہ ڈالیے پھر دونوں چلے۔ یہاں تک کہ (رستے میں) ایک لڑکا ملا تو (حضرت نے) اسے مار ڈالا (موسیٰ نے) کہا کہ آپ نے ایک بے گناہ شخص کو (ناحق) بغیر قصاص کے مار ڈالا۔ یہ تو آپ نے بری بات کی (حضرت نے) کہا کیا میں نہیں کہتا تھا کہ تم میرے ساتھ صبر نہیں کر سکو گے۔ انہوں نے کہا کہ اگر میں اس کے بعد (پھر) کوئی بات پوچھوں (یعنی اعتراض کروں) تو مجھے اپنے ساتھ نہ رکھیے کہ آپ میری طرف سے عذر (کو قبول کرنے میں غایت) کو پہنچ گئے۔ پھر دونوں چلے۔ یہاں تک کہ ایک گاؤں والوں کے پاس پہنچے اور ان سے کھانا طلب کیا۔ انہوں نے ان کی خیافت کرنے سے انکار کر دیا۔ پھر انہوں نے وہاں ایک دیوار دیکھی جو (مجھ کر) گرا چاہتی تھی۔ حضرت نے اس کو سیدھا کر دیا۔ موسیٰ نے کہا کہ اگر آپ چاہتے تو ان سے (اس کا) معاوضہ لیتے (تاکہ کھانے کا کام چلتا) حضرت نے کہا کہ اب مجھ میں اور تجھ میں علیحدگی (مگر) جن

باتوں پر تم صبر نہ کر سکے ان کا تمیں ہید بتانے دیتا ہوں (کہ وہ بُو) کشی (تھی) غریب لوگوں کی تھی جو دریا میں منت کر لے (یعنی کشتیاں چلا کر) گزارہ کرتے تھے اور ان کے سامنے (کی طرف) ایک بادشاہ تھا جو ہر ایک کشی کو زبردستی چھین لیتا تھا تو میں نے چاہا کہ اسے عیب دار کر دوں (تا کہ وہ اسے غصب نہ کر سکے) اور وہ جو لڑکا تھا اس کے ماں باپ دونوں موٹن تھے۔ تو ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ (بڑا ہو کر جو بد کردار ہوتا، کہیں) ان کو سرکشی اور کفر میں نہ پہنچا دے تو ہم نے چاہا کہ ان کا پروردگار ان کو اس کی جگہ اور (بچہ) عطا فرمائے جو پاک طینتی اور محبت میں اس سے بہتر ہو۔ اور وہ جو دیوار تھی سوہہ یتیم لڑکوں کی تھی (جو) شہر میں رہتے تھے اور اس کے نیچے ان کا خزانہ (مدفن) تھا اور ان کا باپ ایک نیک بخت آدمی تھا۔ تو تمہارے پروردگار نے چاہا کہ وہ اپنی جوانی کو تجھے جائیں اور (بچہ) اپنا خزانہ نکالیں۔ یہ تمہارے پروردگار کی مہربانی ہے اور یہ کام میں نے اپنی طرف سے نہیں کیے۔ یہ ان باتوں کا راز ہے جن پر تم صبر نہ کر سکئے،^(۸۲-۲۰:۱۸)

بہر کیف حضرت خضر علیہ اللہ تعالیٰ کے اس قسم کے بارے میں مفسرین نے بیان کیا ہے کہ خضر علیہ اللہ تعالیٰ کو اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ اللہ تعالیٰ کے زمانے میں اس لیے مبعوث فرمایا تھا تا کہ وہ آخر الذکر کی معاونت کریں جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے انبیاء سے عہد لیا تھا کہ ان کے زمانے میں جو دوسرا نبی مبعوث ہو تو وہ ہمیشہ ان کے میں و معاون ہوں گے۔ مفسرین نے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جس طرح جبریل علیہ اللہ تعالیٰ کو دوسرے فرشتوں پر فضیلت ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ نے سلسلہ ابراہیمی کے انبیاء کو جن میں حضرت موسیٰ علیہ اللہ تعالیٰ بھی شامل ہیں دوسرے انبیاء پر فضیلت بخشی تھی۔ چنانچہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ، حضرت خضر علیہ اللہ تعالیٰ سے خدا کے نزدیک اشرف تھے لیکن جس حدیث نبویٰ کے حوالے سے یہ تفاسیر پیش کی گئی ہیں وہ اہل تحقیق کے نزدیک ضعیف ہے اور حاکم نے جن اسناد کے حوالے سے پیش کیا ہے وہ خود اپنی اپنی جگہ ضعیف بتائی گئی ہیں۔ واللہ اعلم

حدیث فتوں

حدیث فتوں کے بارے میں امام عبد الرحمن نسائی نے اپنی کتاب سنن میں سورہ طک کی آیہ شریفہ:

﴿وَ قَتْلَتْ نَفْسًا فَنَجَّيَنَاكَ مِنَ الْفَمَ وَ فَتَّاكَ فُتُونًا﴾

یعنی حدیث فتوں کی تفسیر بیان کرتے ہوئے بتایا ہے کہ خود آنحضرت علیہ السلام نے اس آیہ شریفہ کے بارے میں تفصیلی گفتگو فرماتے ہوئے اس میں حضرت موسیٰ علیہ اللہ تعالیٰ کے زمانے کے ازاں تا آخر تمام واقعات بیان فرمائے نیز بتی اسرائیل کے کردار اذان کے ہاتھوں انبیاء مرسلین کے قتل اور ان کے ان بد اعمال کے نتیجے میں اللہ تعالیٰ نے جو انہیں سزا دی اور وہ دنیا میں در در کی برسوں ٹھوکریں کھاتے پھرے اور آپ کے زمانے تک ان کا وہی حال رہا سے بھی تسلسل سے اور تفصیل بیان فرمایا۔

اس حدیث کے بارے میں دیگر مفسرین و علمائے دین کی متعدد روایات ہیں جن پر موڑھیں نے بھی اپنی جگہ اور اپنے اپنے انداز میں روشنی ڈالی ہے جن کے بیانات ہم نے بخوب طوالت یہاں حذف کر دیے ہیں۔

ذکر بناءِ قبةِ الزمان

اہل کتاب سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے فرمایا کہ وہ ایک قبر (گنبد) تعمیر کریں جس میں درخت شمشاد کی لکڑیاں، مویشیوں کی کھالیں اور بکریوں کے بال استعمال کیے جائیں اور اسے سونے چاندی کے تانے بنے سے تیار کردہ حریر کے پٹرے سے آراستہ کیا جائے اس گنبد میں جیسا کہ اہل کتاب (یہود و نصاریٰ) کی کتابوں سے پتہ چلتا ہے۔ اس گنبد میں جواندر سے بڑا وسیع و عرض تھا دس چوکور ستوں تھے جن کی لمبائی اٹھائیں فٹ اور چاروں طرف سے ان کی چوڑائی چار فٹ رکھی گئی تھی۔ اس گنبد کی چھت بھی مرصع تھی اور اس میں سونے چاندی سے نقش بنائے گئے تھے۔ اس گنبد کے ہر پہلو میں دو دروازے تھے جن کی سر دلیں اور چوکھیں سونے چاندی سے تیار کر کے انہیں نقش و نگار سے آراستہ کیا گیا تھا۔ اس کے سب سے بڑے مرکزی دروازے کو بھی اسی طرح سونے چاندی سے تیار کر کے نقش و نگار سے آراستہ کیا گیا تھا۔

اس گنبد کے ساتھ جو مینار تھا وہ بھی سونے چاندی سے تیار کیا گیا تھا۔ جس میں اوپر تک ہر منزل میں تین مرصع روشنداں تھے جن پر حریر کے پردے پڑے رہتے تھے۔ اس گنبد اور مینار کا بالائی حصہ خالص سونے سے تیار کیا گیا تھا۔ اور گنبد کے اندر وہی حصے کی طرح اس میں بھی ہر منزل کے ہر حصے میں چار گنوں کی گنجائش رکھی گئی تھی۔

اس گنبد میں ایک وسیع و عریض دسترخوان بھی زائرین کی ضیافت کے لیے تیار کیا گیا تھا اور اسے بھی زرتار بنایا گیا تھا اور اس کے تین مساوی حصے رکھے گئے تھے۔

ان تمام چیزوں کے علاوہ اس گنبد کے احاطے میں ایک مذبح یا قربان گاہ بھی رکھی گئی تھی۔

یہ قبہ یا گنبد سنت موسوی کے مطابق فصل ربیع میں مکمل ہوا تھا اور اس میں تابوت شہادت بھی رکھا گیا تھا جس کا ذکر قرآن پاک کی سورہ بقرہ کے سولہویں رکوع کی چھٹی آیت ﴿إِنَّ آيَةَ مُلْكِهِ أَنْ يَأْتِيَكُمُ الْأَبْوُثُ الْخ﴾ میں آیا ہے۔

اس قبہ یا گنبد کا حال اہل کتاب کی تفسیر کتابوں میں بڑے طول طویل انداز میں کیا گیا ہے اور بتایا گیا ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں پھرے کی عبادت کے روایج سے قبل موجود تھا۔ اور اس کی قدامت کے سلسلے میں کہا گیا ہے کہ اس کی بنیاد بیت المقدس سے بھی قبل رکھی گئی تھی اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہاں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی آمد اور اس گنبد میں داخلے کے وقت بنی اسرائیل نے پہلی بار با قاعدہ خدائے واحد کی عبادت کی ابتداء کی تھی۔

ان کتابوں میں یہ بھی مذکور ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون علیہ السلام کی وفات کے بعد حضرت یوسف علیہ السلام نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کے شاگرد تھے اس کی مگر اپنی سنبھالی تھی اور پھر پہی گنبد صخرہ کھلایا۔ جو آنحضرت ملئیلہ کے زمانے تک جملہ انبیائے کرام کا مرکز عبادت اور کعبۃ اللہ کی طرح کعبہ و قبلہ رہا جو درست ہے۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ساتھ قارون کا قصہ

جیسا کہ پہلے بیان کیا جا چکا ہے قارون بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں تھا۔ اگرچہ اس کا تعلق بھی بنی اسرائیل سے تھا لیکن وہ اپنی زر پرستی اور حرص و ہوس کی وجہ سے فرعون کے ساتھ ہو کر اس کے کفر اور بنی اسرائیل سے اس کی دشمنی میں برا بر کا شریک تھا۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ذکر کے ساتھ اس کی بداعمالیوں اور زر پرستی کا ذکر بھی اللہ جل شانہ نے تفصیل سے فرمایا ہے اور یہ بھی ارشاد فرمایا ہے کہ وہ اپنی اس زر پرستی اور حرص و ہوس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ کے حکم سے اپنے تمام خزانوں کے ساتھ زندہ درگور کر دیا گیا تھا تاکہ اہل بصیرت اس کے انجمام سے عبرت حاصل کریں۔

اللہ تعالیٰ نے اس کے بارے میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ وہ موسیٰ کی قوم ہی میں سے تھا لیکن اس نے اپنے مال و زر کے گھنٹہ میں آ کر جو درحقیقت اسے خدا ہی نے دیا تھا اپنی قوم سے غداری کی تھی حالانکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے علاوہ اس کی قوم کے ان لوگوں نے جو حضرت موسیٰ علیہ السلام کی رسالت پر ایمان لے آئے تھے اسے سمجھانے کی لاکھ کوشش کی تھی کہ اس کا سارا مال و مثال اور دنیا کا سامان راحت سب بیسیں دھرارہ جائے گا۔ جب کہ اس کے نیک اعمال آخرت میں اس کے کام آئیں گے اور وہاں اس کے ابدی آرام کا وسیلہ بنیں گے لیکن اس نے اپنے زمانے کے نبی یعنی موسیٰ علیہ السلام اور اپنی قوم کی ان باتوں پر کافی نہ دھرا بلکہ ان کی تفحیک کی اور مسلسل فرعون اور اس کے امراء و وزراء اور اس کے دیگر ساتھیوں کا مسلسل ساتھ دیتا رہا بلکہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی مخالفت اور دشمنی میں ان سے بھی چار قدم آگے بڑھ گیا تو اللہ تعالیٰ نے اس کی گمراہی کفر پرستی اور غرور و تکبر کی اسے یہ سزا دی کہ اسے اس کے تمام خزانوں کے ساتھ زیریز میں زندہ دفن کر دیا۔

اعمش نے منہاں بن عمرو و ابن سعید بن جبیر اور ابن عباس رض کے حوالے سے قارون کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ابن عم یعنی چچا زاد بھائی بتایا ہے اور ابراہیم رض عبد اللہ ابن الحرس بن نوبل، سماک بن حرب، قادة مالک ابن دینار اور ابن جرجج نے مذکورہ بالا راویوں کے اس بیان میں اضافہ کرتے ہوئے اس کا پورا نام قارون بن یصہر بن ہاشم بتایا ہے جب کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ابن عمران بن ہاشم تھے۔ اس لیے ابن جرجج نے ٹھیک بتایا ہے کہ قارون حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ابن عم یعنی چچا زاد بھائی تھا اور دوسرے متعدد راویوں کے اس بیان کی تصدیق کی ہے۔

قادة کہتے ہیں کہ توریت میں جو اس کا نام نور بتایا گیا ہے وہ اس کے خوش الخان ہونے کی وجہ سے بتایا گیا ہے اور قادة نے اس کے ذکر کی وضاحت بھی کی ہے جب کہ بخاری نے بھی ایک حدیث نبوی کے حوالے سے مذکورہ بالا راویوں کے بیانات کی تقدیق کی ہے اور ساتھ ہی اس کے ضمن میں متعلقہ آیات قرآنی کے حوالے بھی دیئے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کی سیرت و فضائل اور وفات کا ذکر

اللہ تعالیٰ جل شانہ نے جیسا کہ قرآن شریف میں ہے آنحضرت ﷺ سے دوسرے انبیاء ﷺ کا ذکر فرماتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا بھی ذکر فرمایا اور آپ سے ارشاد فرمایا کہ موسیٰ علیہ السلام کو یاد کیجیے جنہیں ہم نے نبوت اور (بر اور است) ہم کلامی کا شرف بخشنا اور انہیں یہ اقیاز بھی عطا کیا کہ ان کی سفارش پر ان کے بھائی ہارون علیہ السلام کو بھی نبوت بخشی۔ قرآن پاک کی اس آیہ شریفہ میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کو نبی مرسل فرماتے ہوئے انہیں بطور خاص مخلص فرمایا اور پھر ارشاد فرمایا کہ:

”ہم نے انہیں طور کی طرف سے آواز دی اور اپنی خاص تربت بخشی۔“

﴿وَإِذْكُرْ فِي الْكِتَابِ مُوسَى إِنَّهُ كَانَ مُخْلَصًا وَ كَانَ رَسُولًا نَبِيًّا وَ نَادَيْنَا مِنْ جَانِبِ الطُّورِ الْأَيْمَنِ وَ قَرَبَنَا نَجِيًّا وَ وَهَبْنَا لَهُ مِنْ رَحْمَتِنَا أَخَاهَ هَارُونَ نَبِيًّا﴾

اس کے علاوہ اللہ تعالیٰ نے قرآن شریف کی ایک دوسری آیہ شریفہ میں آنحضرت ﷺ سے (ذریعہ وحی) ارشاد فرمایا کہ: ”جن کے ہم نے آپ سے قصہ بیان کیے وہ سب انبیاء مسلمین تھے۔ ان میں وہ بھی تھے جن کا ہم نے آپ سے ذکر نہیں کیا اور ہم نے موسیٰ علیہ السلام کو ہم کلامی کا شرف بھی بخشنا۔“

پھر ایک ارشاد فرمایا:

”اے ایمان لانے والو! تم ان لوگوں کی طرح نہ ہو جانا جنہوں نے موسیٰ علیہ السلام کو اذیت پہنچائی (جبکہ) ہم نے انہیں ان جملہ الرامات سے جوان لوگوں (مخالفین) نے ان پر لگائے تھے بری الذمہ قرار دیا اور اللہ کے نزدیک وہ وجہ تھے۔“

صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے روز قیامت حضرت موسیٰ علیہ السلام کی ہونے والی جس عزت و حرمت کا ذکر فرمایا ہے اور یہ بھی فرمایا ہے کہ ”مجھے موسیٰ علیہ السلام پر ترجیح نہ دینا“، وہ حقیقت آپ کے حسن اخلاق اور تواضع کی دلیل اور آپ کی سیرت کا ایک نمونہ ہے ورنہ بحثیت نبی آخرا زمان جیسا کہ خود ارشاد باری تعالیٰ ہے آپ کو تمام انبیاء ماستقیم پر فضیلت حاصل ہے۔

اکثر راویوں نے یہ اسناد صحیح بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قوم کے ہاتھوں ان کی تکالیف اور اذیتوں کا ذکر فرمایا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے صبر کی تعریف و توصیف فرمائی۔

جناب اعمشؒ سے مروی ہے کہ کسی شخص نے آنحضرت ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا:

”یا رسول اللہ (ﷺ) آپ نے ہمیں منع فرمایا ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کے حق میں بطور الزم زبان کھو لے تو ہم آپ“

سے اس کا ذکر نہ کیا کہ ایک بہت ہی معتبر آدمی نے مجھ سے بیان کیا کہ ایک دوسرا شخص یہ کہہ رہا تھا کہ فلاں موقع پر رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے مال غنیمت کی تقسیم میں حکم الہی کے مطابق انصاف نہیں فرمایا۔

اعمش (بیہدہ) بیان فرماتے ہیں کہ اس شخص سے یہ بات سن کر آپ کا چہرہ مبارک غصے سے سرخ ہو گیا اور آپ نے فرمایا: ”بنداموی (علیہ السلام) پر اس سے زیادہ الزارات لگا کر ان کی قوم نے انہیں تکلیف پہنچائی لیکن انہوں نے (بیہدہ) صبر کیا۔“ (ترجمہ مفہومی)

یہ روایت ابو داؤد اور ترمذی نے بھی اسرائیل کی زبانی اور ولید بن ابی باشم کے حوالے سے بیان کی ہے۔

صحیین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں احادیث اسراء کے تحت بیان کیا گیا ہے کہ جب شب اسراء آنحضرت ﷺ کا گزر موسیٰ علیہ السلام کی طرف سے ہوا تھا تو آپ نے انہیں ان کی قبر میں بحالت قیام نماز میں مشغول دیکھا تھا۔

اس روایت کو مسلم نے انس کے حوالے سے بھی بیان کیا ہے۔

صحیین میں حدیث نبوی (صلی اللہ علیہ وسلم) کے حوالے سے شب صراح کے تذکرے کے ضمن میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو آسمان ششم پر دیکھا تھا اور جب جبریل علیہ السلام نے ان سے آپ کا تعارف کرایا تھا تو آپ نے انہیں سلام کیا تھا اور انہوں نے آپ کے سلام کا جواب دیتے ہوئے آپ کو انیائے صالحین میں سے ایک اور اپنا بھائی کہہ کر آپ کی وہاں تشریف آوری پر آپ کو مبارک باد دی تھی لیکن جب آپ نے وہاں سے آگے قدم بڑھایا تھا تو حضرت موسیٰ علیہ السلام رونے لگے تھے۔ جب ان سے اس کا سبب دریافت کیا گیا تھا تو انہوں نے فرمایا تھا کہ ان کے بعد آخر میں مبعث ہونے والے ایک نبی مرسل روز قیامت ان سے قبل جنت میں داخل ہوں گے اور جنت میں داخل ہونے والوں میں ان کی امت کی تعداد ان کی اپنی امت کے لوگوں سے کہیں زیادہ ہو گی۔ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اشارہ آنحضرت ﷺ اور آپ کی امت کی طرف تھا۔

اس حدیث نبوی کی روایت میں بعض راویوں نے بیان کیا ہے کہ آنحضرت ﷺ سے موسیٰ علیہ السلام کی ملاقات فلک هفتہ پر ہوئی تھی لیکن کچھ دوسرے معتبر راویوں کا بیان ہے کہ فلک هفتہ پر آپ کی ملاقات آپ کے جدا علی حضرت ابراہیم علیہ السلام سے ہوئی تھی جہاں ان کی مدد بیت المعمور کی پشت پر نزدیک ہی فلک هفتہ پر تھی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام سے آپ کی ملاقات فلک ششم پر ہوئی تھی۔

اس کے علاوہ اس حدیث کے حوالے سے یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ واپسی پر بھی آپ کی ملاقات دوبارہ فلک ششم ہی پر ہوئی تھی اور جب آپ نے ان سے بیان کیا تھا کہ آپ کی امت پر پچاس وقت کی نماز فرض کی گئی ہے تو انہوں نے آپ سے کہا تھا کہ اس میں آپ اللہ تعالیٰ سے الجفا کر کی کرائیں تو آپ نے انہی کے مشورے پر آپ کی اللہ تعالیٰ سے اس میں کی کے لیے درخواست کی تھی اور جب حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مشورے پر آپ کی اللہ تعالیٰ سے چند بار درخواست کے نتیجے میں پچاس وقت کی نماز گھنٹے گھنٹے پانچ وقت کی رہ گئی تھی تب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آپ کو اس میں اللہ تعالیٰ سے درخواست کر کے کمی کرانے کا

مشورہ دیا تھا لیکن اس بار آپؐ نے ان سے فرمایا تھا کہ ”اب مجھے اس میں کی کے لیے اپنی پروردگار سے ارجواست کرتے ہوئے شرمِ دامن گیر ہوتی ہے۔“

اس کے علاوہ قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر ان کے فضائل کے ساتھ سورہ انعام، سورہ مائدہ، سورہ انبیاء اور سورہ قصص میں بھی کئی جگہ آیا ہے۔

متعدد معتبر روایات سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ نے ورقہ بن نوفل سے آپؐ پر نازل ہونے والی پہلی وحی کا ذکر فرمایا اور یہ بھی فرمایا کہ آپؐ سے اس وحی میں:

﴿إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلِقٍ ۝ إِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ الَّذِي عَلِمَ بِالْقَلْمَنِ ۝ عَلِمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ﴾

فرمایا گیا تو ورقہ بن نوفل نے آپؐ کی زبان مبارک سے اللہ کا یہ کلام سن کر کہا تھا:

”سبحان اللہ، سبحان اللہ یہ وہی ”ناموس“ ہے جو وہی کے ذریعہ حضرت موسیٰ علیہ السلام بن عمران پر نازل ہوا تھا۔“ (یعنی وحی الہی)

ورقہ بن نوفل کا یہ کہنا درست تھا، لیکن اس کے بعد توریت و انجلیل میں جو بے شمار تحریفات کی گئیں ان کا ذکر یہاں طوالت سے خالی نہیں۔ البتہ آگے چل کر ہم ان شاء اللہ اس موضوع پر تفصیل سے گفتگو کریں گے۔



موسیٰ علیہ السلام کے حج بیت العین کا ذکر

امام احمد فرماتے ہیں کہ ان سے داؤ بن ابی ہند نے ابوالعالیہ اور ابن عباسؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب رسول اللہ ﷺ وادی ازرق سے گزر رہے تھے۔ امام احمد فرماتے ہیں کہ انہوں نے راوی سے پوچھا کہ وادی ازرق کون ہی ہے اور کہاں ہے تو اس نے پھر صرف وادی ازرق ہی بتایا اور آنحضرت ﷺ کے ارشاد کی گفتگو جاری رکھتے ہوئے بیان کیا کہ جب آپ وادی ازرق سے گزر رہے تھے تو آپ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیکھا تھا اور انہوں نے بیان کیا تھا کہ وہ بھی کبھی حج بیت العین کے لیے اسی وادی سے گزرے تھے۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ بعد میں جب آپ نے انہیں دیکھا تو وہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) تلبیہ پڑھتے ہوئے بیت العین کے قریب پہنچ کرے گے تھے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ آپ اس وقت شیعہ ہر شاء میں تھے۔ راوی سے پوچھا گیا کہ یہ شیعہ ہر شاء کیا اور کہاں ہے تو اس نے پھر وہی الفاظ دہرائے۔

پھر آپ نے فرمایا کہ آپ نے یونس بن متی کو بھی دیکھا تھا وہ اس وقت سرخ اوٹ پر سوار تھے، ان کا جبہ اونی تھا۔ جو خطام کا بنا ہوا تھا آنحضرت ﷺ کی یہ حدیث، حدیث اسراء کہلاتی ہے اور اس میں یقیناً آپ نے عہد عین کا ذکر فرمایا ہو گا ویسے طبرانی کی روایت کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام جب بیت العین (قدیم بیت اللہ) کے حج کے لیے تشریف لے گئے تھے تو حدیث مذکور کے مطابق وہ سرخ رنگ کے ایک بیل پر سواری کر رہے تھے لیکن یہ روایت بہت عجیب ہے۔

امام احمد نے جو حدیث بنوی اسود اسرائیل، عثمان بن حمیرہ، مجاهد اور ابن عباسؓ کے حوالے سے شب معراج اور آنحضرت ﷺ کے فلک ہفتمنگ تک ہر آسمان سے گزرتے ہوئے حضرت موسیٰ، حضرت عیسیٰ اور حضرت ابراہیم ﷺ سے ملاقات اور ان تمام انبیاء کے شکل و شماں اور قد و قامت کے بارے میں اپنی مندرجہ میں پیش کی ہے اسے ہم بہ تفصیل اس سے قبل گذشتہ صفحات میں پیش کر چکے ہیں۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام کا ذکر وفات:

امام بخاریٰ اپنی "صحیح" میں وفات موسیٰ علیہ السلام کے عنوان کے تحت بیان فرماتے ہیں کہ ان سے عبد الرزاق اور سعمر نے ابن طاؤس اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ جب عزرا نبی اللہ تعالیٰ کے حکم سے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی روح قبض کرنے کے لیے ان کے پاس آئے اور ان سے کہا کہ آپ کے رب نے آپ کو وفات کے ذریعہ یاد فرمایا ہے تو انہوں نے ان سے کہا کہ کیا میرے رب نے مجھے اس ارض مقدس سے ارض حجر یعنی قبر میں جانے کا حکم دیا ہے اور جب عزرا نبی نے اثبات میں جواب دیا تو وہ (حضرت موسیٰ علیہ السلام) اپنے پروردگار کے اس حکم کی تعمیل پر بخشی تیار ہو گئے۔

ابو ہریرہؓ نے مزید بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بارے میں اس قدر فرمایا کہ پھر ارشاد

فرمایا کہ ”کاش میں تم لوگوں کو کثیر احمد کے راستے میں بنی ہوئی ان کی قبر دکھا سکتا۔“

امام احمد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث نبوی ان سے معمنے ہمام اور ابو ہریرہ رض کے حوالے سے بھی اسی طرح بیان کی تھی۔ ویسے یہ حدیث مسلم نے مذکورہ بالا پہلی حدیث کے الفاظ میں حماد بن سلمہ حماد بن ابی حماد اور ابو ہریرہ رض کے حوالے سے پیش کی اور امام احمد اسے وہیں سے اخذ کیا ہے۔

دوسرے متعدد شرفاویوں نے کئی مستند حوالوں سے یہ بھی بیان کیا ہے کہ جب عزرا نبی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس آئے اور ان سے اللہ تعالیٰ کا مدد کو رہ بالا حکم بیان کیا تو وہ انہیں پہچان نہ سکے تھے جس کے بعد جریل علیہ السلام ایک اعرابی کی شکل میں ان کے سامنے آئے تو وہ انہیں جھٹ پہچان گئے کیونکہ تریل وحی کے لیے وہ اس شکل میں بھی کئی بار حضرت موسیٰ علیہ السلام کی خدمت میں حاضر ہو چکے تھے اور اس کے بعد انہوں نے عزرا نبی کو قبض روح کا اشارہ کر دیا۔

انبیاء علیہم السلام کی قبض روح کے سلسلے میں متعدد روایات میں بتایا گیا ہے کہ عزرا نبی ان کی اجازت لے کر ان کی قیام گا ہوں میں داخل ہوئے اور پھر انہیں ان کے پروردگار کا حکم سنانے کے بعد ان کا اشارہ پا کر ان کی ارواح قبض کرتے تھے۔ اس روایت میں حدیث نبوی کے حوالے سے اس کی کئی مثالیں بھی پیش کی گئی ہیں۔

یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ ہارون علیہ السلام کے بعد حضرت موسیٰ علیہ السلام کے العیہ سے بیت المقدس روانہ ہونے اور وہاں پہنچنے کے بعد ان کی وفات ہوئی تھی جس کا ذکر ہم ان شاء اللہ آگے جل کر تفصیل سے کریں گے۔ بیان کیا گیا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تدفین کے بعد ملائکہ نے ان کی قبر پر کھڑے ہو کر ان پر صلوٰۃ وسلام پڑھا تھا۔ اہل کتاب نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے وقت ان کی عمر ایک سو بیس سال بتائی ہے۔



یوشع علیہ السلام کی نبوت اور موسیٰ وہارون علیہما السلام کے بعد عبائے بنی اسرائیل میں ان کے قیام کا ذکر

یوشع علیہ السلام کا پورا نام اور تسبب نامہ یوشع بن نون بن افراتیم بن یعقوب بن ایحقیق بن ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام ہے۔ اہل کتاب انہیں ہود علیہ السلام کا چچازاد بھائی بتاتے ہیں۔
 بہر کیف اللہ تعالیٰ نے ان کے نام کی صراحة کیے بغیر موسیٰ وہارون علیہما السلام کے قصہ کے ضمن میں ﴿وَأَذْكَرَ مُوسَى لِفَتَاهَ﴾ فلمَّا جَاءَهُ رَأَى أَنَّهُ أَقَالَ لِفَتَاهَ﴾^{۱۰} فرمایا ہے اور اس آیہ شریفہ میں دونوں جگہ فتاہ سے تمام مفسرین کے مطابق یوشع علیہ السلام ہی مراد ہیں۔
 اس سے قبل ہم اپنی "صحیح" کے حوالے سے ابن کعب ہنفی الحنفی کی روایت پیش کر چکے ہیں اور بتا چکے ہیں کہ اس روایت کے مطابق آنحضرت علیہ السلام نے فرمایا کہ یوشع نون کے بیٹے تھے اور آپ اہل کتاب کی اس روایت سے تفق تو ہے کہ انہیں اللہ تعالیٰ نے نبوت سے سرفراز فرمایا تھا۔ آپ نے یہ بھی فرمایا کہ اس زمانے کے کچھ لوگ جو سامریہ کھلاتے تھے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے بعد یوشع کے سوا کسی بھی نہیں مانتے تھے کیونکہ توریت میں صرف انہی کی نبوت کو صراحة سے بیان کیا گیا ہے۔ حالانکہ ان کے علاوہ کچھ دوسرے بھی اللہ تعالیٰ کے بچے پیغمبر تھے اور جہاں تک یوشع کا تعلق ہے تو انہوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے کہا تھا کہ وہ ان پر نازل ہونے والی وحی کے بارے میں ازاں تا آختمام کیفیات بتائیں جس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام کسی قدر مکدر ہو گئے تھے۔ ممکن تھا کہ وہ پھر ان کے سامنے ان کی وضاحت کر دیتے لیکن اس دوران میں حضرت موسیٰ علیہ السلام وفات پا گئے اور ان کے بعد خود یوشع کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے نبوت تقویض کی گئی۔

ہم اس سے قبل حضرت موسیٰ علیہ السلام کے زمانے میں قبیة الزماں کی تعمیر کا ذکر کر چکے ہیں اسی قبیے یا گند میں حضرت موسیٰ علیہ السلام پر نازل شدہ آسمانی کتاب توریت ان کی وفات کے بعد کھی گئی تھی۔
 پہنچ جوہ ہے کہ محمد بن ایحقیق نے اہل کتاب کے بیانات کے حوالے سے بتایا ہے کہ اس سے قبل بنی اسرائیل کو توریت کے اندر اجات کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا کیونکہ توریت تابوت الشہادۃ کے پاس مدت تک یونہی کھلی رہی تھی۔
 اہل کتاب کے بیانات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان سے اپنے تیرے سفر کے موقع پر فرمایا تھا کہ اگر جبارین ان سے جنگ کریں تو وہ بھی اپنے دفاع کے لیے ان سے جنگ کرنے پر تیار ہیں۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کا اپنے بیرو کا رول کو یہ حکم یقیناً حکم الہی کے تحت تھا جیسا کہ جنگ تبوک کے موقع پر اللہ تعالیٰ نے وحی کے ذریعہ آنحضرت علیہ السلام سے فرمایا تھا

۱۰ اس آیہ شریفہ کا ترجمہ پہلے پیش کیا جا چکا ہے۔ (مترجم۔ شادافی)

کہ اسلامی انٹرلوگم دیں کہ وہ صرف ان سے قاتل کریں جو ان کے مقابلے میں آئیں اور یہی سلسلہ اسلامی طریقہ جنگ کا اس وقت تک جاری رکھا گیا جب مشرق و مغرب کے بہت سے ملک مسلمانوں کے زیر نگین آچکے تھے۔ البتہ جیسا کہ قرآن پاک میں اللہ تعالیٰ نے بنی اسرائیل کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿فَمَنْ كَفَرَ بَعْدَ ذَلِكَ مِنْكُمْ فَقُدْ حَلَ سَوَاءُ السَّيْئُ﴾

یعنی اس کے بعد جو اس حکم سے پھر اودھ گراہ ہوا تو جب بنی اسرائیل نے موئی عیشہ کے احکام سے سرتاہی کی تو انہیں جیسا کہ پہلے ذکر آچکا ہے انہیں در بدری کی سزا دی گئی جس طرح نصاریٰ کو حضرت عیشہ علیہ السلام سے روگردانی کی سزا ملی۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ ان سے اسود بن عامر اور ابو بکر نے ہشام ابن سیرین اور ابو ہریرہؓ کے حوالے سے بیان کیا کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ:

”اللہ تعالیٰ نے کسی انسان کے لیے یوشع (عیاشل) کے علاوہ چندرا توں تک مجبوس نہیں کیا یعنی طلوع ہونے سے نہیں روکا جب انہوں نے بیت المقدس کو فتح نہیں کر لَا۔“

اس حدیث نبویؐ سے صاف ظاہر ہے کہ بیت المقدس کو حضرت موسیٰ علیہ السلام نے نہیں بلکہ یوشع علیہ السلام نے فتح کیا تھا۔ اس سلسلے کی ایک حدیث نبوی وہ بھی ہے جسے امام احمد رحمہ اللہ علیہ نے متعدد حوالوں سے بیان کیا ہے کہ جب فی اسرائیل نے بیت المقدس کے دروازے میں جھک کر داخلے کا حکم دیا تھا تو وہ اپنے پروردگار اور یوشع علیہ السلام کے حکم سے دروازے میں داخل ہوئے تھے: ”قَالَ اللَّهُ لِبْنِ إِسْرَائِيلَ ادْخُلُوا الْبَابَ سَجَداً“ حدیث نبوی مطابق قرآن مجید ہے۔

اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی اس سرتاپی سے جیسا کہ متعدد راویوں نے بیان کیا ہے، ہنی اسرائیل پر طاعون کا عذاب بطور سزا نازل کیا گیا تھا۔ بعض راویوں نے طاعون کے بجائے برود (انہتائی تنگی) بیان کیا ہے جب کہ بعض دوسروں نے طاعون اور انہتائی خنکی دونوں بتایا ہے۔

یوش علیؑ کی عمران کی وفات کے وقت ایک سوستائیس سال تاتائی گئی ہے اور یہ بھی بتایا گیا ہے کہ وہ موسیٰ علیؑ کی وفات کے بعد سوستائیس سال زندہ رہے۔



حضر والیاں علیہما السلام کے قصے

قصہ حضر علیہ السلام:

جیسا کہ ہم پہلے بیان کرچے ہیں اللہ تعالیٰ جل شانہ نے اپنی کتاب عزیز قرآن پاک کے سورہ کہف میں حضر علیہ السلام کے بارے میں ارشاد فرمایا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ان کے پہلے سفر میں حضر علیہ السلام ملے تھے اور انہوں نے ان سے کہا تھا کہ انہیں علم لدنی سے آگاہ فرمائیں اور حضر علیہ السلام نے ان کی یہ درخواست قبول کر کے انہیں اپنے ساتھ سفر کرنے کے لیے یہ شرط رکھی تھی کہ حضر علیہ السلام جو کچھ بھی کریں موسیٰ علیہ السلام ان سے اس کے بارے میں نہ کوئی سوال کریں نہ انہیں توکیں اور اس کے بعد بھی یہ کہا تھا کہ وہ درحقیقت صبر نہیں کر سکیں گے لیکن جب حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کی پہلی شرط قبول کر کے ان سے وعدہ کیا کہ وہ ہربات کو دیکھ کر صبر کریں گے اور کسی حیرت و اضطراب کا مظاہرہ نہیں کریں گے تو حضر علیہ السلام نے اس سفر میں موسیٰ علیہ السلام کو اپنے ساتھ چلنے کی اجازت دے دی تھی۔

حضر موسیٰ علیہ السلام کا یہ قصہ توریت میں بھی کافی صراحت کے ساتھ آیا ہے۔ حضر علیہ السلام کے نام اور ان کے نسب نامے کے بارے راویوں میں باہم اختلافات پائے جاتے ہیں۔

بعض لوگ کہتے ہیں کہ وہ آدم علیہ السلام کے بیٹے اور قاتل کے بھائی تھے جب کہ کچھ دوسرے لوگ انہیں بنی اسرائیل سے اور کچھ آل فرعون سے بتاتے ہیں اور جس طرح ان کے نام و نسب کے بارے میں راویوں میں باہم اختلافات پائے جاتے ہیں و یہی ان کی نبوت اور عصر حاضر تک ان کے زندہ رہنے کے بارے میں بھی اختلافات ہیں۔

ابو حاتم نے متعدد حوالوں سے ان کا نام حضرون بتایا ہے اور یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ آدم علیہ السلام کی اولاد میں سے تھے اور انہی کو آدم علیہ السلام نے اپنی مدفن کے بارے میں وصیت کی تھی۔

ابن الحجر بن عین کرتے ہیں کہ وہ حضر علیہ السلام ہی تھے جنہیں آدم نے اپنی مدفن کی وصیت کے علاوہ انہیں طوفان نوح کی خبر دی تھی اور وہ حضرت نوح علیہ السلام کی کشتی میں سوار ہو کر طوفان سے محفوظ رہنے والوں میں سے ایک تھے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آدم علیہ السلام نے انہیں تاقیامت طول عمر کی دعا دی تھی اس لیے وہ اب تک زندہ ہیں اور قیامت تک زندہ رہیں گے۔

ابن قتیبہ نے اپنی کتاب ”معارف“ میں وہب بن منبه کے خوالے سے ان کا نام ملیا بتایا ہے جب کہ ان کا نام ایلیا بن مکان بن فالغ بن عامر بن شارخ بن ارشد بن سام بن نوح بھی بتایا جاتا ہے۔

جن راویوں نے انہیں فرعون کا بیٹا بتایا ہے ان کی روایات ضعیف شہرائی گئی ہیں۔

ابن جریر نے یہ صحیح کہا ہے کہ وہ افریدون بن اثنا عیان کے زمانے سے پہلے تھے اور اسی زمانے میں ان کی ملاقات موسیٰ علیہ السلام سے ہوئی تھی۔ ابن جریر کا یہ بیان اس روایت کو مسترد کرتا ہے کہ وہ بنی اسرائیل میں سے اور فرعون کے زمانے ہی میں تھے۔

بعض لوگوں نے ان کی کنیت ابو العباس اور اس سے متعلق جعلی کوئی دوسری بتائی ہے لیکن ظاہر ہے کہ ان کا لقب حضران سب پڑھاوی ہے۔ ان کے نام حضرت کی وجہ تبریز بخاریؓ نے متعدد حوالوں کے ذریعہ یہ بتائی ہے کہ آنحضرت نے فرمایا کہ حضر جس سفید چٹائی (فرود) پر بیٹھتے تھے وہ ان کے عقب میں سبز رنگ کی طرح چمکتی تھی اس لیے حضر کا نام حضر پڑ گیا۔

عبد الرزاق نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے فرود کے معنی سفید خشک چٹائی بتائے ہیں جب کہ خطابی اور ابو عمر نے فرود کے معنی زمین کا وہ حصہ بتائے ہیں جس پر گھاس نہ ہو۔

بعض روایات میں ہے کہ ان کے جسم کے بال سبزی مائل تھے جس کی وجہ سے انہیں حضر کہا جانے لگا تھا جب کہ خطابی نے ان کے حسن بزر (ملاحت جو سبزی مائل تھی) اور پیرے کی وجہت کی وجہ سے ان کا نام حضر پڑ گیا تھا۔ یہ بات اس روایت سے ملتی ہے جو صحیح بخاری میں پیش کی گئی ہے۔

حدیث نبویؐ کے حوالے سے یہ روایت کہ جس مصلی پر حضر ﷺ نماز پڑھتے تھے وہ اگرچہ سفید تھا لیکن ان کی نماز کے دوران میں اس کا رنگ سبز ہو جاتا تھا وہ حدیث غریب بتائی گئی ہے۔

جہاں تک حضر ﷺ کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے تفویض نبوت کا تعلق ہے اس کے ثبوت میں پہلی دلیل قرآن کی آیہ شریفہ:

﴿فَوَجَدَا عَبْدًا مِّنْ عِبَادِنَا آتَيْنَاهُ رَحْمَةً مِّنْ عِنْدِنَا وَعَلَمْنَاهُ مِنْ لَذَنَا عِلْمًا﴾

پیش کی جاسکتی ہے جب کہ دوسری دلیل یہ ہے کہ موسیٰ ﷺ کا سفر ہونے کے دوران میں ان سے جو جواباتیں ظہور میں آئیں اور ان پر ہر بار موسیٰ ﷺ کو حیرت ہوئی۔ اور انہوں نے انہیں نو کا لیکن آخر میں انہیں یہ راز بتایا کہ وہ سب باعثیں انہوں نے یعنی حضرت حضر ﷺ نے خدا کے حکم کے تحت کی تھی، جو اللہ تعالیٰ نے انہیں وحی کے ذریعہ دیا تھا (یہ آیت قرآنی کا ترجمہ ہے) تو اس سے ثابت ہوا کہ حضرت حضر ﷺ نبی کی تھے کیونکہ وحی کا مستحق نبی کے سوا کوئی دوسرانہیں ہو سکتا۔

اس دلیل سے ان لوگوں کا پیان بھی غلط ثابت ہوتا ہے جو حضر ﷺ کو ولی بتاتے ہیں کیونکہ نبوت و ولایت یک وقت ایک جگہ جمع نہیں ہوتیں۔ دوسرے ولی معصوم نہیں ہوتے۔ بلکہ ان سے سہوا ہی سہی غلطی کا امکان پایا جاتا ہے اور انہیں اللہ تعالیٰ وحی کے ذریعہ کوئی حکم نہیں دیتا۔

رہیں وہ روایات جن میں سے ایک میں حدیث نبوی کے حوالے سے یہ بیان کیا گیا ہے۔ کہ بصرے کے بازار میں ایک بھکاری بھیک مانگ رہا تھا تو اس نے حضر ﷺ سے بھی کچھ مانگا لیکن اس کے بار بار اصرار اور ان کے یہ کہنے کے باوجود کہ ان کے پاس اسے دینے کے لیے کچھ نہیں ہے وہ ان کے پیچھے لگا رہا تو انہوں نے اسے ایک طرف لے جا کر ایک بڑا پھراٹھانے کے لیے کہا۔ جب اس نے وہ پھراٹھا یا تو اس کے نیچے ایک خزانہ مدفون تھا۔ انہوں نے وہ خزانہ اس بھکاری کو دکھا کر یہ شرط رکھی کہ وہ اس میں سے ہر روز جب تک زندہ رہے حسب ضرورت کام میں لا تارہ ہے گا۔

اس کے علاوہ ایک دوسری روایت میں یہ بتایا گیا ہے کہ ایک دن حضرت عمر بن حفظ کسی کے جنازے کی نماز پڑھانے والے تھے کہ انہیں دور سے ایک آواز سنائی دی کہ ابھی تھہر جائیے۔ چنانچہ جب تک وہ آواز دینے والا اس نماز میں شریک نہ ہوا

حضرت عمر بن عبد الرحمن کے رہے۔ اس کے بعد جب لوگوں نے اس شخص کے بارے میں ان سے دریافت کیا تو انہوں نے بتایا کہ وہ حضر (علیہ السلام) تھے۔

ایک اور روایت میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے بعد جب دوسرے صحابہؓؑ آپؐ کی میت پر افسر دہ کھڑے تھے تو وہاں ایک شخص کو گریہ کنان دیکھا گیا بعد میں کسی صحابی یا آپؐ کے نواسے سین میں خود نے بتایا کہ وہ شخص خضر علیہ السلام تھے۔ یہ جملہ روایات مرسلا اور ضعیف ٹھہرائی گئی ہیں نیز خضر علیہ السلام کی خوارق العادات کے بارے میں جو روایات اب تک مشہور چلی آتی ہیں ان سب کو بھی غلط بتایا گیا ہے کیونکہ وہ سب کی سب غیر مستند ہیں۔

آخر میں یہ بات یاد کھانا ضروری ہے کہ اگرچہ خضر علیہ السلام جیسا کہ سطور بالا میں بیان کیا چاچکا ہے مویٰ علیہ السلام کے ہم صر تھے لیکن ان کا زمانہ نبوت مویٰ علیہ السلام سے پہلے تھا کیونکہ ان کے بعد یوشع اور عیسیٰ علیہ السلام کے علاوہ بنی اسرائیل میں آنحضرت ﷺ کے زمانہ مبارک تک کوئی نبی نہیں ہوا۔

چہاں تک خضر علیہ السلام کی طویل العمری اور ان کی قیامت تک زندہ رہنے کا سوال ہے تو اس کے بارے میں یاد رہے کہ اللہ تعالیٰ نے جیسا کہ قرآن پاک میں موجود ہے تمام انبیاء و رسول سے عہد لیا تھا کہ ان کے بعد جو نبی سب سے آخر میں مبعث ہو گا ان پر اس کی اتباع لازم ہو گی اور یہ بھی یاد رہے کہ جیسا حدیث اسراء میں آیا ہے بیت المقدس میں جملہ انبیاء نے آنحضرت ﷺ کی امامت میں نماز ادا کی تھی۔ اس کے علاوہ عہد انبیاء کے تحت خضر علیہ السلام کو ان جملہ غزوات میں جن میں آنحضرتؐ نے شرکت کی خصوصاً غزوہ پدر میں اگروہ اس وقت زندہ تھے شرکت کرنا اور آپؐ کی مدد کرنا چاہیے تھی لیکن کسی حدیث یا روایت سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ ان غزوات میں آپؐ کی طرف سے شریک تھے۔

اس کے علاوہ ایک حدیث نبوی جس پر تمام معتبر و مستند راوی تفقیح ہیں یہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ آپؐ کے زمانے میں روئے زمین پر کسی انسان نے سو سال سے زیادہ عمر نہیں پائی۔ اس سے ثابت ہوا کہ آپؐ کے زمانے تک خضرؐ قید حیات نہیں تھے۔

قصہ الیاس علیہ السلام:

اللہ تعالیٰ جل شانہ قصہ موسیٰ و ہارون علیہ السلام کے بعد اپنی کتاب عزیز قرآن مجید، فرقان حمید میں ارشاد فرماتے ہیں: ”اور الیاس پیغمبر وہ میں سے تھے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ تم ڈرتے کیوں نہیں۔ کیا تم بعل^۱ کو پکارتے (اور اسے پوچھتے ہو) اور سب سے بہتر پیدا کرنے والے کو چھوڑ دیتے ہو (یعنی) خدا کی جو تمہارا اور تمہارے انگلے باپ دادا کا پروردگار ہے۔ تو ان لوگوں نے ان کو جھٹلا دیا سو وہ (دو زخ میں) حاضر کیے جائیں گے۔ ہاں خدا کے بندگان خاص (بتلائے عذاب) نہیں ہوں گے۔ اور ان کا ذکر (خیر) پچھلوں میں چھوڑ دیا۔ کہ الیاس میں پرسلام۔ ہم نیک لوگوں کو ایسا ہی بدلا دیتے ہیں۔ بے شک وہ ہمارے مومن بندوں میں سے تھے۔“ (۱۳۲:۳۷-۳۸)

علمائے انساب حضرت الیاس علیہ السلام کو الیاس لیشی بتاتے ہیں جب کہ انہیں ابن یسین بن فخاس ابن عیزار بن ہارون اور

^۱ بعل نہیں گز قدر اور چار منہ والا ایک بت تھا۔ بحوالہ حاشیہ ص ۳۱۷ فتح الحمید ترجمہ قرآن مجید از مولانا فتح محمد خاں جالندھری مرحوم۔ (شادافی)

الیاس بن عازر بن عیزر بن ہارون بن عمران بھی کہا جاتا ہے۔

کہتے ہیں کہ ان کی بحث دمشق کے مغربی علاقے کے لوگوں یعنی اہل ہند کے لیے ہوئی تھی اور انہوں نے ان کے بت بعل کی پرستش چھوڑ کر خداۓ واحد کی پرستش کی دعوت دی تھی۔

کہتے ہیں کہ بعل نام کی وہاں ایک عورت تھی لیکن صحیح یہ ہے کہ وہ میں گز قد اور چار منہ والا ایک بت تھا جس کی وہ پوچھ کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ﴿أَلَا تَتَسْقُونَ أَتَذَغُونَ بَعْلًا الْخَ﴾ لیکن ان لوگوں نے الیاس کو کاذب ٹھہرایا بلکہ انہیں قتل تک کرنے پر تیار ہو گئے۔ ہذا وہ وہاں سے کہیں جا کر چھپ گئے۔

ابو یعقوب اذری یزید بن عبد الصمد اور رہشام بن عمار کے حوالے سے الیاس کے بارے میں بیان کرتے ہوئے یہ بھی کہتے ہیں کہ انہوں نے کعب الاحرار کا تذکرہ کرنے والے لوگوں سے بھی سنا کہ الیاس اپنی قوم کے بادشاہ سے چھپ کر جوان کے قتل پر آمادہ تھا ایک پہاڑی غار کی درمیں چلے گئے تھے اور وہاں دس سال تک چھپ رہے تا آنکہ ان کی قوم کے اس بادشاہ کو اللہ تعالیٰ نے موت سے ہم کنار کر دیا اور اس کا وارث کوئی اور ہوا تو وہ اس غار سے نکل گراں کے پاس پہنچا اور اسے اسلام کی دعوت دی تو وہ مسلمان ہو گیا اور اس کی قوم کے بے شمار لوگ بھی اس کے ساتھ اسلام لے آئے اور باقی لوگ جن کی تعداد دس ہزار تھی ان کے بادشاہ کے حکم سے ایک ایک کر کے قتل کر دیئے گئے حتیٰ کہ ان میں سے کوئی نہ بچا۔

ابو یعقوب اذری کے برعکس ابن الی المدینا کہتے ہیں کہ ان سے ابو محمد القاسم بن ہاشم، عمر بن سعید و دمشقی اور سعید بن عبد العزیز نے دمشق کے کچھ معزز لوگوں کے حوالے سے بیان کیا کہ الیاس علیہ السلام اپنی قوم سے چھپ کر جس پہاڑی غار میں چلے گئے تھے وہاں انہوں نے میں راتیں یا بعض لوگوں کے کہنے کے مطابق زیادہ سے زیادہ چالیس راتیں گزاری تھیں جس کے بعد برزقہ کے مغربی حصے کے لوگ انہیں وہاں سے ڈھونڈ کر واپس لے آئے تھے۔

محمد بن سعد کتاب الواقدي کہتے ہیں کہ انہیں رہشام بن محمد بن سائب کلپی نے اپنے باپ کے حوالے سے بتایا کہ سب سے پہلے نبی اور میں تھے پھران کے بعد نوح، پھرا بر ایم، پھرا سما عیل و الحنفی، پھر یعقوب، پھر یوسف، پھر لوط، پھر ہود، پھر صاحب، پھر شعیب پھر عمران کے دو بیٹے موی و ہارون، پھر الیاس الحنفی بن عازر بن ہارون بن عمران بن قاہش بن یعقوب بن الحنفی ابن ابراہیم علیہ السلام نبی ہوئے۔ واقدی نے ان انبیاء علیہم السلام کی بیہی ترتیب بیان کی ہے لیکن در حقیقت یہ ترتیب محل نظر ہے۔

محکول نے کعب کے حوالے سے بیان کیا ہے کہ دونبی خضر و الیاس علیہم السلام زمین پر اور دونبی اور میں عیسیٰ علیہ السلام پر ابھی تک زندہ ہیں۔

ہم اس سے قبل ایک معتبر حوالے سے بیان کر چکے ہیں کہ الیاس و خضر ایک مدت تک ہرسال رمضان کے مہینے میں بیت المقدس میں اکٹھے ہوئے۔ تمام احکام شریعت بجالائے لیکن روزہ رکھنے وغیرہ اور پھر (شام کو بطور افطار) آب ززم کا شربت جو وہاں کے عوام میں بہت مقبول تھا پیا کرتے تھے۔ ہم اس سے قبل ایک اور روایت بھی بیان کر چکے ہیں کہ خضر و الیاس علیہم السلام ہرسال مقام عرفات پر جمع ہوتے تھے اور یہ بھی بتاچکے ہیں کہ یہ روایت بعد از قیاس ہے کیونکہ وہ دونوں اس سے پہلے ہی وفات پاچکے تھے۔ وہب بن منبه وغیرہ سے مردی ہے کہ الیاس کو جب ان کی قوم نے کاذب بتایا اور انہیں حد سے زیادہ اذیت دینے لگی تو

انہوں نے اللہ تعالیٰ سے الجائی کروہ انہیں اپنے پاس بلائے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی یہ دعا قبول فرمائی کہ پاس آیک آتش رنگ چوپا یہ بھیجا اور ان کے چہار جانب ریشے پیدا کر کے اور انہیں بیاس نور پہنا کر ان کی لذت اکل و شرب منقطع کر دی اور پھر انہیں زمین پر پھرنے والے فرشتوں میں انسان رکھتے ہوئے شامل کر دیا۔ اسی روایت میں یہ بھی بتایا گیا ہے کہ الیاس علیہ السلام نے یعنی بن الخطب کو وصیت کی تھی لیکن یہ روایت بظاہر اسرائیلیات کی من گھڑت کہانیوں میں سے ایک بعید از قیاس اور ناقابل اعتبار ہے۔ واللہ اعلم

ایک حدیث نبوی جس کے بارے میں ابو بکر بھی کہتے ہیں کہ ان سے ابو عبد اللہ الحافظ، ابو العباس ابن سعید المعدانی، عبداللہ بن محمد بن سنان کے دو غلاموں، احمد بن عبد اللہ البرقی یزید بن یزید البلوی اور ابو الحسن الفرازی نے اوزاعی، مکھول اور انس بن مالک کے حوالے سے بیان کیا کہ ایک دفعہ یہ سب لوگ آنحضرت ﷺ کے ہمراہ سفر کر رہے تھے تو جب راستے میں ایک جگہ ہمارا پڑا تو اس وادی میں ایک شخص کو کہتے ہوئے تاکہ یا اللہ مجھے امت محمدیہ مرحومہ مغفورہ میں سے ہنا دے جس سے کوئی باز پرس نہیں ہوگی۔ اور جب مذکورہ بالا اشخاص میں سے آخر الذکر یعنی انس بن مالک وادی میں یہ آواز سن کر اس طرف گئے تو انہوں نے وہاں ایک شخص کو دیکھا جس کا قد تین سو فٹ سے زیادہ تھا۔ اس نے ان سے پوچھا: ”تم کون ہو؟“ انہوں نے جواب دیا: ”میں رسول اللہ (ﷺ) کا خادم انس بن مالک ہوں“۔ اس شخص نے پوچھا: ”وہ اس وقت کہاں ہیں؟“ انہوں نے یعنی انس بن مالک نے جواب دیا: ”وہ یہیں قریب ہیں اور تمہاری دعا سن رہے ہیں“۔

انس بن مالک میں بخوبی سے یہ سن کر وہ بولا: ”ان سے جا کر کہو کہ آپ کا بھائی الیاس آپ کو سلام کہتا ہے۔ چنانچہ انس بن مالک نے آنحضرت ﷺ سے وہی آکر عرض کر دیا جو اس شخص نے کہا تھا جسے سن کر آپ اس شخص کے پاس بہ نفس فیض تشریف لے گئے۔ آپ کو دیکھ کر اس شخص نے آپ کو سلام کیا تو آپ نے اس کے سلام کا جواب دے کر اس سے معافہ فرمایا۔ پھر وہ دونوں کچھ دریک باتیں کرتے رہے جن کے دوران میں اس شخص نے آپ سے کہا:

”یا رسول اللہ (ﷺ) میں سال بھر میں صرف ایک دن کھانا کھاتا ہوں اور چونکہ آج میرے افطار کا دن ہے اس لیے آج ہم دونوں ساتھ کھانا کھائیں گے۔“

انس بن مالک میں بخوبی نے مزید بتایا کہ:

”پھر اسی وقت ان دونوں کے سامنے آسان سے اتر کر خود بخواہیک دستر خوان بچھ گیا جس پر خربوزے، مچھلی وغیرہ بھیسی چیزیں تھیں چنانچہ ان دونوں نے اس دستر خوان پر ایک ساتھ بیٹھ کر وہ کھانا کھایا اور اس میں سے ہمیں بھی کھانے کو دیا۔ اس کے بعد ہم نے نماز عصر ادا کی جس کے بعد وہ شخص آسان کی طرف مائل پرواز ہو کر بادلوں میں غائب ہو گیا۔“

اس حدیث کو بیان کرنے کے بعد بھی نے خود ہی اسے جگہ جگہ ضعیف بتایا ہے لیکن حیرت انگیز بات یہ ہے کہ حاکم ابو عبد اللہ نیشاپوری نے بھی ہی کے حوالے سے اسے اپنی کتاب متدرک میں شامل کیا ہے بلکہ صحیحین (صحیح مسلم و صحیح بخاری) میں بھی یہ روایت ابن انس کے حوالے سے انہی کے الفاظ میں اسی طرح منقول ہے۔ حالانکہ یہ حدیث بالاتفاق حدیث موضوع تھبہ ای گئی ہے کیونکہ یہ حدیث دوسری صحیح احادیث کے مقابلے میں قطعی بے بنیاد ہے۔ اس کی عدم جدت کی ایک وجہ جیسا کہ ہم

پہلے بیان کر چکے ہیں یہ بھی ہے کہ آنحضرت کے ارشادِ کرامی کے مطابق جنت میں یا آسمان پر حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر بعد تک کوئی بھی سوف سے زیادہ قد کا نہیں ہوا۔ البتہ زمین پر ابن آدم کے آباد ہونے کے بعد سوف سے گھٹتے گھٹتے آپ کے وقت تک بہت کم رہ گیا تھا جو سب کو معلوم ہے اور اس کا تناوب اب بھی ہی چلا آتا ہے۔ اس کے علاوہ اس حدیث میں یہ بھی بیان کیا گیا ہے کہ وہ شخص جو درحقیقت الیاس علیہ السلام تھے آنحضرت علیہ السلام کے پاس نہیں آئے بلکہ آپ خود ان کے پاس گئے جو ظاہر ہے کہ صریحاً بعید از قیام ہے۔

اس کے علاوہ ابن عساکرنے اس حدیث کو بیان کرتے ہوئے یہ بتایا ہے کہ الیاس علیہ السلام نے آنحضرت علیہ السلام سے کہا تھا کہ وہ چالیس دن میں صرف ایک دن کھانا کھاتے ہیں اور پھر انہوں نے آپ کے ساتھ آسمان سے نازل شدہ دستِ خوان پر بیٹھ کر کھانا کھایا تھا جس پر ان اشیاء کے علاوہ جو مندرجہ بالا حدیث میں بیان کی گئی ہیں اور بے شمار چیزیں تھیں جو اشیائے متعارضہ میں شامل ہیں اور کہ خر میں اس حدیث کو خود ہی حدیث ضعیف بھی بتایا ہے۔ اس کے باوجود یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ابن عساکرنے اسے سین بن عرفہ وغیرہ کے حوالے سے پیش کر کے اس میں یہ اضافہ کیا ہے کہ آنحضرت علیہ السلام نے انس بن مالک علیہ السلام کو بھیج کر اس شخص کو جس کا اس روایت میں ذکر ہے بلوایا تھا تو سب نے دیکھا تھا کہ اس شخص کا قد دو یا تین گز تھا۔ اسی روایت میں ابن عساکرنے یہ بھی بیان کیا ہے کہ وہ زمان غزوہ تبوك کا تھا جب کہ ایک دوسری حدیث میں یہ بیان کیا گیا ہے کہ جب آنحضرت علیہ السلام نے الیاس علیہ السلام کے خضر علیہ السلام کے بارے میں دریافت کیا تو انہوں نے آپ سے کہا کہ ان کا اور خضر علیہ السلام کا صرف ایک سال ساتھ رہا نیز یہ کہ اگر وہ (حضر علیہ السلام) اس وقت زندہ ہوتے تو وہ (الیاس علیہ السلام) ان کا سلام آپ تک ضرور پہنچاتے۔

اس روایت سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آتی ہے کہ خضر علیہ السلام سے پہلے وفات پا چکے تھے۔

بہر کیف و اقدیٰ، یعنی اور ابن عساکر سے مردی مندرجہ بالا حدیث سال دس بھری سے پہلے کبھی اجتماعی طور پر صحیح تسلیم نہیں کی گئی بلکہ بعد میں بھی اسے ہمیشہ موضوع ہی قرار دیا جاتا رہا۔

نمکورہ بالا انبیاء علیہم السلام کے ذکر کے اختتام پر ہم یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ الیاس علیہ السلام کا ذکر فرماتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے جو ﴿سَلَامٌ عَلَى إِلْيَاسِينَ﴾ فرمایا ہے وہ درحقیقت ﴿سَلَامٌ عَلَى إِلْيَاسِ﴾ ہے کیونکہ اہل عرب اکثر انہوں کے آخر میں حرف نون کا الحاق کر کے بولتے اور لکھتے ہیں یعنی ان کا حرف آخ رگرا کہ اس کی جگہ حرف نون استعمال کرتے ہیں۔ مثلاً اسماعیل کی جگہ اسماعین، اسرائیل کی جگہ اسرائین بولتے اور لکھتے ہیں اور ان میں کبھی بخلاف ذوق اعد زبان الحاق "نون" سے قبل حرف "یا" کا اضافہ بھی کر لیتے ہیں جیسے الیاس کی جگہ اکثر الیاسین لکھیں اور بولیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اہل عرب کی اس عادت کا خالظ فرماتے ہوئے الیاس کی جگہ الیاسین ارشاد فرمایا ہے جب کہ ابن مسعود علیہ السلام وغیرہ نے قرآن میں "الیاسین" کی قرأت "اور اسین" کرتے ہوئے بتایا ہے کہ الیاس اور اور لیں دونوں ایک ہی شخص ہیں۔ یہی بات اگرچہ ضحاک بن مژاہم، قادہ اور محمد بن الحنفی نے بتائی ہے۔ لیکن بہ اسناد دیگر صحیح بات یہ ہے کہ اور لیں والیاس علیہ السلام دو اگلے شخصیں تھیں جیسا کہ ہم پہلے بیان کر چکے ہیں۔ اس جلد اول کے بعد ان شاء اللہ وسری جلد میں پہلے موسی علیہ السلام کے بعد دوسرے انبیاء بنی اسرائیل کا ذکر ہو گا۔

